بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اخلاص کے استحضار
زندگی میں صالح انقلاب اور تقریر میں دلچسپی کیلئے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے پسندیدہ

واقعات

مرتب

ابو الحسن اعظمی
استاذ التجوید و القرآت دارالعلوم دیوبند

توصیف پبلی کیشنز
اردو بازار لاہور

نام کتاب: حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات

مرتب: ابوالحسن اعظمی صاحب

مطبع: لعل سٹار پرنٹرز

طابع: محمد اسلم تنولی

قیمت: ۱۷۵

ناشر: توصیف پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور

فون 0333-4230838

فہرست مضامین

لوح موسوم بتاریخ

۱۴۰۹ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الغنی الحَسِیْب الرحمن الرحیم (۱۸۹۸ء) نَحمَد الملك المحصی الحکیم ونُصلّی علی رسوله الکریم (۱۴۰۹ھ)

ہادئ ہند حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات کا خلاصہ

تذکرۃ العفاف لاولی الابصار الایاایّھا السافی لاولی الاَبصار تذکِرۃٌ

قطعہ تاریخ اَجود

۱۴۰۹ھ

حکایات وقصص ہیں یادگار اسلاف کی اپنے
عزیز اخلاف جن کو زندہ و پائندہ کرتے ہیں

حکایات گزشتہ نے مسائل حل کیے کتنے
بہت سی منزل گم گشتہ کو یا بندہ کرتے ہیں

مضامین میں خشک کو دلچسپ یہ قصے بناتے ہیں
بہت سی گتھیاں الجھی ہوئی رخشندہ کرتے ہیں

کیا ہے جمع قاری ابوالحسن نے واقعات خوب
نصیحت، موعظت، حکمت کو جو تابندہ کرتے ہیں

عیاں سال طباعت شعر زیریں سے جمال افروز
سن ہجری کو بھی اصحاب معنی زندہ کرتے ہیں

۱۹۸۹ء ۱۴۰۹ھ

بقلم جلی محمد عثمان اعظمی
۱۹۸۹ء

علی حوصلہ محمد عثمان معروفی
۱۴۰۹ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب' پالن پوری استاد حدیث دارالعلوم دیوبند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰن ○ خَلَقَ الْاِنْسَانُ ○ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ ○ (الرحمن: ۱-۴)

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انسان کو دیگر مخلوقات پر امتیاز بخشا ہے۔ جس نے انسان کو اشرفیت کا تاج پہنایا ہے' یہ امتیاز انسان کا ناطق ہونا ہے' ناطقیت کے معنی ہیں عقل وفہم رکھنا اور اپنا ماضی الضمیر سمجھانا۔ انسان نہ صرف یہ کہ اپنے وخیالات سمجھا سکتا ہے' بلکہ کائنات خداوندی کی تشریح بھی کر سکتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰئِکَۃِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ [البقرہ:۳۱]

''اور سکھلائے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو سارے نام پھر پیش کیں اللہ تعالیٰ نے ساری چیزیں فرشتوں کے سامنے اور فرمایا کہ بتلاؤ مجھے ان چیزوں کے نام' اگر تم سچے ہو۔''

ملائکہ کرام کائنات کی ان چیزوں کی تشریح نہ کر سکے' انہوں نے اپنی درماندگی کا اعتراف کیا تو حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ملا کہ آدم! تم فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام بتاؤ۔ آدم علیہ السلام نے نہ صرف ان تمام چیزوں کو نامزد کیا بلکہ ان کی تفصیلات بھی بیان فرمائیں...... الغرض انسان میں انفس و آفاق کو زیر نگیں بنانے' ان کے رازہائے سربستہ کو واشگاف کرنے اور ان کی برکات سے مستفید ہونے کی وافر صلاحیت ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ وراء الوراء میں بھی جھانکتا ہے اور جس قدر حقائق اس کی گرفت میں آتے ہیں ان کو منصۂ شہود پر جلوہ گر کرتا ہے۔ یہ قرآن کریم ہمارے سامنے ہے۔ یہ اللہ کی صفت قدیم ہے۔ اس کلام ربانی کے افہام وتفہیم کا طرۂ امتیاز انسان ہی کو حاصل ہے۔ وہی حامل قرآن ہے وہی شارح فرقان ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰن ○ خَلَقَ الْاِنْسَانُ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ ○﴾ [الرحمن:۱-۴]

''مہربان ذات نے قرآن کریم کو سکھلایا' انسان کو پیدا کیا اور اس کو ''بیان'' سکھلایا۔''

''بیان'' کے بیشمار طریقے ہیں۔ عام آدمی بھی اپنی بات بیان کرتا ہے اور قادر الکلام بھی فصاحت کے جوہر دکھاتا ہے۔ گونگا آدمی بھی اشاروں سے اپنا مقصد واضح کرتا ہے تو لستان اپنی شیریں بیانی سے دلوں کو رام کر لیتا ہے۔ اور قصص و تمثیلات اور استعارات و کنایات کے پیرائے میں بات کرتا ہے۔ بلکہ یہ طریقہ راست گفتگو سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ اس انداز گفتگو میں بات دل و دماغ میں پیوست ہو جاتی ہے اور طبیعت امتثالِ امر کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس مکالمہ میں انسان کی انانیت پر حرف نہیں آتا۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی دین کی اصولی باتوں کا انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے واقعات کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے' اور اس طرح دوسرے لوگوں کے لیے بھی بیان کھول دیا گیا ہے۔

اس آخری دور میں اللہ تعالیٰ نے بیان کی جو قوت حکیم الامت' حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ (ولادت ۱۲۸۰ھ وفات ۱۳۶۲ھ) کو عطا فرمائی تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ کے سینکڑوں مواعظ آج بھی مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ اور یہ حضرت والا کے کل مواعظ نہیں ہیں بلکہ سمندر کے چند قطرے ہیں جو ضبط تحریر میں آ سکے ہیں۔ یہ مواعظ کافی طویل ہیں بلکہ بعض تو کئی کئی گھنٹوں کے ہیں مگر جن لوگوں کو ان وعظوں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ بتاتے ہیں کہ مجمع ہمہ تن گوش رہتا تھا' مگر زیادہ دلچسپی لوگوں کو اندازِ بیان کی وجہ سے ہوتی تھی۔ آپ دقیق سے دقیق مضامین' تمثیلات' قصص و حکایات اور چیدہ اشعار و امثال کے ذریعہ سمجھاتے تھے' اس لیے لوگ خوب محظوظ ہوتے تھے اور دامن مراد بھر کر لوٹتے تھے۔ الغرض حضرت قدس سرہ کے مواعظ میں حکایات برائے درازنفسی نہیں ہوتی تھیں بلکہ وہ ایک انوکھا انداز خطابت تھا' جو لوگوں کے لیے نہایت مرغوب تھا۔

میری عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ کوئی جواں ہمت بیڑا اٹھاتا اور حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ کے ہزاروں صفحات میں پھیلی ہوئی حکایات کو جمع کرتا تاکہ دیندار لوگوں کے لیے اور پند و موعظت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے وہ حکایتیں خوان یغما ثابت ہوتیں اور مقررین ان سے استفادہ کرتے۔ مجھے بے حد خوشی ہے کہ میرے دوست مکرم و محترم جناب مولانا قاری

ابوالحسن صاحب اعظمی زید مجدہم استاد شعبہ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند نے ہمت کی اور میری دیرینہ آرزو پوری کی۔ انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا وسیع مطالعہ کیا اور ان میں سے دلچسپی کی حکایات کا ایک مجموعہ مرتب کیا' جو قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔

مجھے امید ہے کہ لوگ حکایتوں کا یہ گلدستہ ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور مقررین ان حکایتوں سے اپنے وعظوں کو دلچسپ بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو اس مجموعہ سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ وہوالموفق۔

کتبہ' سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری
خادم دارالعلوم دیوبند
۱۸ صفر ۱۴۱۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں ان میں ایک خاص نعمت وعظ وتقریر کا ملکہ اور سلیقہ ہے۔ تصنیف وتالیف کی طرح وعظ وتقریر ایک اہم اور مؤثر ذریعہ ابلاغ ہے۔ ہر دور میں اس کی اہمیت مسلم رہی ہے۔ کوئی بھی دعوت وتحریک اس کے بغیر فروغ نہیں پا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے وعظ وتقریر میں جو دل آویز اور مسحور کن اثر رکھا ہے اس سے انکار ناممکن ہے۔ ارشاد رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ ﴿ان من البیان لسحرا﴾

اللہ تعالیٰ نے وارثین انبیاء علماء کرام میں سے بعض کے اندر قوت گویائی کے ساتھ شیریں بیانی بھی ودیعت فرمائی کہ اس صفت کے ذریعہ ان کے مواعظ اور تقریروں میں ایسی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے جس سے ایک پوری قوم کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے' دل کی دنیا بدل جاتی ہے' چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ سیدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پرمغز' دلائل سے مزین اور تعبیر وتشریح کی خوبی نے نجاشی شاہ حبشہ کی گردن جھکا دی' اسی طرح پیغمبر علیہ السلام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جب خلافت کا عظیم مسئلہ پیش ہوا تو سقیفہ بنی ساعدہ میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مدبرانہ انداز تقریر نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھرنے سے بچا لیا۔ اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا حفظ الرحمن اور مولانا محمد علی جوہر کی شعلہ بار' دل کش اور دل نشیں تقریروں نے انگریزوں کی جابرانہ اور ظالمانہ حکومت کے قدم اکھاڑ دیئے۔

وعظ وتقریر کی اس خاص صفت کے مصداق بجا طور پر مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر ابتداء ہی سے وعظ وتقریر کی ایسی صلاحیت ودیعت فرمائی تھی کہ ایک مجدد وقت اور ایک حکیم الامت کے لیے جس کا ہونا بے حد ضروری تھا۔

حضرت مولانا کے مواعظ نہایت سلیس' شستہ ورواں بھی ہوتے تھے اور اپنی شان میں بے نظیر ودل پذیر بھی' اور الفاظ ومعانی کے اعتبار سے لاجواب بھی' دلائل عقلی ومنطقی سے مدلل بھی'

لطائف وظرائف سے مرصع بھی، حکایات وتمثیلات اور قصص وواقعات سے مزین بھی اور حکمت و موعظت سے لبریز بھی اور ''از دل خیزد و بر دل ریزد'' کے مکمل مصداق اور مبنی بر اخلاص ہونے کے ساتھ عجیب وغریب ہوتے تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''آپ کا وعظ تو ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔'' ایک بار حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین سے فرمایا، وہاں جاؤ جہاں وعظ ہو رہا ہے۔ ایک صاحبِ دل کے بقول ''حضرت مولانا کا وعظ کیا ہوتا ہے، حلقہ مشائخ ہوتا ہے۔''

بہار عالم دل و جاں تازہ دارد برنگ اصحاب را، بہ بو ارباب معنی را

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہزاروں وعظ فرمائے جن سے متاثر ہو کر بڑے بڑے فاسق وفاجر تائب ہوئے، شرابی کبابی، باطل پرست ملحدانہ عقائد رکھنے والا جدید تعلیم یافتہ طبقہ، فرق باطلہ سے تعلق رکھنے والے، راہ راست سے ہٹے ہوئے لاکھوں انسان ہمیشہ کے لیے تارک معصیت ہو کر ہدایت کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔

مواعظ اور تقریروں میں واقعات وحکایات کا استعمال نہ صرف وعظ وتقریر کو دلچسپ بنا دیتا ہے بلکہ صحیح اور مناسب استعمال سے تاثیر میں زبردست اضافہ بھی ہو جاتا ہے اور سامعین کو ہمہ تن متوجہ کرنے میں بے حد معاون ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ موضوع کو سامعین کے ذہن نشین کرانے میں واقعات وحکایات کو ایک خاص اور اہم مقام حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں پھیلے ہوئے واقعات وقصص اور بکھری ہوئی حکایات وتمثیلات سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۂ ہود آیت ۱۲۰) اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے (مذکورہ) قصے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔ (ایک فائدہ بیان قصص کا تو یہ ہوا کہ جس کا حاصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے) اور ان قصوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسا مضمون پہنچا ہے جو خود بھی راست (اور قطعی) ہے اور مسلمانوں کے لیے (برے کاموں سے روکنے کے لیے) نصیحت ہے (اور اچھے کام کرنے کے لیے) یاد دہانی ہے (یہ دوسرا فائدہ بیان قصص کا ہوا) ایک

فائدہ نبی کے لیے اور دوسرا امتی کے لیے۔ (ترجمہ: حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حکایتیں اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، جس سے مریدین کے دلوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے، دلیل میں اوپر کی آیت ملاحظہ کی جائے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

''حکایت وتمثیلات دینی ترقی کا سبب ہوتی ہیں۔''

بہر حال وعظ وتقریر میں حکایات وقصص، واقعات وتمثیلات کی جو اہمیت اور افادیت ہے وہ واعظین ومقررین پر واضح ہے، مجمع کو جمائے رکھنے، دل چسپی اور دلبستگی پیدا کرنے اور اپنی بات حاضرین وسامعین کے ذہنوں میں بٹھانے اور اپنی تقریر کو مقبول عام بنانے کے لیے واقعات و قصص کا باموقع اور مناسب استعمال بہترین نسخہ ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ کے مؤثر ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کو واقعات وقصص کو باموقع اور برمحل استعمال کرنے میں حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ جیسا کمال حاصل تھا، اس طرح آپ اپنی تقریر اور وعظ کو دل چسپ اور مؤثر پیرایۂ بیان کا جامہ پہنا کر نورٌ علٰی نور کر دیا کرتے تھے۔ لطائف اور پیش پا افتادہ حکایتوں سے بھی وہ نتائج اور نصائح نکالتے تھے کہ حاضرین پر اس کا اثر کبھی تو گریہ وزاری کی شکل میں ہوتا اور کبھی ضحک وتبسم کے ساتھ وجد وسرور کی صورت میں۔

کچھ زیر نظر کتاب کے بارے میں

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول یاد آتا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ بے حد ناپسند ہے کہ میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں دیکھوں کہ نہ تو وہ اپنی دنیا ہی کے کام میں ہے اور نہ آخرت کے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی شخص یہ جاننا چاہے کہ خدا اس سے خوش ہے یا ناخوش تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ دین و دنیا کے کسی مفید اور نفع بخش کام میں مشغول ہے یا نہیں، اگر مشغول ہے تو یقیناً وہ خدا کے غضب وغصہ سے محفوظ ہے۔

راقم متقدمین علماء کے بارے میں سنتا رہا ہے کہ وہ متعلقین اور تلامذہ کے علمی اور تعلیمی مشاغل سے واقفیت رکھتے تھے اور حسب صلاحیت انھیں مشغول رکھتے ان کے کاموں کو دیکھ کر

خوش ہوتے اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان افراد ساز شخصیتوں کی ان توجہات سے ہر شعبہ کے لیے رجالِ کار فراہم ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس دورِ قحط الرجال میں ہمارے درمیان اب بھی ایک ایسی شخصیت ہے کہ جس میں متقدمین حضرات کی مردم گری کی صفت دیکھنے میں آتی ہے۔ راقم کی مراد استادِ محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم ہیں۔ قریبی حضرات حضرت مولانا کے اس مزاج سے واقف ہیں کہ آپ اپنے کسی متعلق کو بیکار دیکھنا نہیں چاہتے۔ حسب صلاحیت ہر شخص کو مشغول و مصروف دیکھنا پسند کرتے ہیں۔

حضرت مولانا نے کچھ دنوں پہلے راقم سے حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ اور تقریروں میں بیان کردہ واقعات کو یکجا کرنے کا حکم فرمایا۔ حسب الحکم بنام خدا راقم نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ دیکھنے شروع کیے۔ اس مطالعہ سے جہاں واقعات کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا وہیں خود راقم کو نقد فائدہ یہ ہوا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ کا بڑا حصہ نظر سے گزر گیا۔

بہر حال اس طرح کام کی ایک شکل بنی اور ہزاروں صفحات کے مطالعہ کے بعد جو واقعات اور قصص جمع ہوئے وہ اس مجموعہ کی صورت میں آپ کے سامنے ہیں۔ واقعات کے اندراج میں جہاں کہیں عنوانات نہیں تھے، عنوانات لگائے گئے ہیں اور ہر واقعہ سے جو عبرت و موعظت اور نصیحت نکل سکتی تھی اسے فائدہ کا عنوان دے کر درج کیا گیا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ابھی ایسے بہت سے مواعظ ہیں جو مطالعہ میں نہیں آسکے اس لیے زیر نظر مجموعہ کو حصہ اول سمجھنا چاہیے۔

تشکر و امتنان

سب سے پہلے تو استاذی المحترم حضرت مولانا پالن پوری مدظلہ کا راقم شکر گزار ہے۔ راقم کے ساتھ حضرت کی جو گونا گوں شفقتیں ہیں اس کی جزا تو بس اللہ رب العزت ہی دیں گے۔ راقم تو بس یہی دعا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کا سایہ عاطفت، صحت و عافیت کے ساتھ تادیر ہمارے سروں پر قائم و باقی رکھے اور بیش از بیش استفادے کی توفیق بخشے، آمین!

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ان کرم فرماؤں کا شکریہ نہ ادا کیا جائے جنھوں نے مسودے کے تیاری میں مدد دی۔ اس سلسلے میں اولاً عزیز حافظ قاری احمد سعد سلمہ، مستحق شکریہ ہیں کہ آں عزیز نے اپنے ذخیرہ کتب سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ راقم کے سپرد کر دیئے جس سے مطالعہ

آسان ہوگیا' ثانیاً عزیز دوست قاری شمشاد احمد بجنوری' قاری کلیم الدین مہاراشٹری' قاری عبد الستار کھگڑیاوی' قاری عبدالرحمٰن رامپوری متعلمین درجہ تجوید وقرات ہیں' ان چاروں دوستوں نے مسودہ کی تیاری میں بڑی محنت کی ہے۔ عزیز طارق نعمانی پورنوی کا بھی شکرگزار ہوں کہ اپنے کاتبوں کے اصول اور عام معاملات سے بالاتر ہوکر نہایت ذوق وشوق سے نفیس اور معیاری کتابت کے فرائض ادا کیے۔ آخر میں راقم کا قلب وقلم جناب باری میں دعاگو ہے کہ اپنے فضل و کرم سے اس مجموعہ کو زیادہ سے زیادہ نافع بنائے۔ راقم کے لیے زاد آخرت بنائے آمین ثم آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ○

ابوالحسن اعظمی

خادم التجوید والقرأت' دارالعلوم دیوبند ۱۵ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر سوانح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا سال ولادت ۱۲۸۰ھ ہے' تاریخی نام کرم عظیم ہے' تھانہ بھون کے شیوخ فاروقی میں سے تھے' قرآن شریف حافظ حسین علی سے حفظ کیا' فارسی اور عربی کی کتابیں وطن میں حضرت مولانا فتح محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو دارالعلوم کے اولین فارغین میں سے تھے۔ ۱۲۹۵ھ کے اواخر میں تکمیل علوم کی غرض سے دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی' تجوید وقرات کی مشق مکہ مکرمہ میں قاری محمد عبداللہ مہاجر مکی سے کی۔

ذکاوت وذہانت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے' ۱۳۰۱ھ میں اولاً مدرسہ فیض عالم کان پور میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور پھر مدرسہ جامع العلوم کی مسندِ صدارت کو زینت بخشی۔ کان پور میں آپ کے درس حدیث کی شہرت سن کر دور دور سے طلباء کھنچے چلے آتے تھے۔ ۱۳۱۵ھ میں ملازمت ترک کر کے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں متوکلاً علے اللہ قیام فرمایا' جہاں تادم واپسیں ۴۷ سال تک تبلیغ دین' تزکیہ نفس اور تصنیف وتالیف کی ایسی عظیم الشان اور گراں قدر خدمات انجام دیں جس کی مثال اس دور کی کسی دوسری شخصیت میں نہیں ملتی۔ علم نہایت وسیع اور گہرا تھا' جس کا ثبوت آپ کی تصانیف کا ہر ہر صفحہ دے سکتا ہے' دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں تصانیف موجود نہ ہوں۔ وہ اپنی تصانیف کی کثرت اور افادیت کے لحاظ سے ہندوستانی مصنفین میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ساڑھے تین سو کے قریب ہے' ان کے علاوہ تین سو سے زائد وہ مواعظ ہیں جو چھپ چکے ہیں' برصغیر کے پڑھے لکھے مسلمان کے کم گھر ایسے ہوں گے جہاں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تصنیف موجود نہ ہو' ان میں سے ''بہشتی زیور'' کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہر سال مختلف مقامات سے ہزاروں کی تعداد میں چھپتی ہے' اور ہاتھوں ہاتھ نکل جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اردو زبان میں اتنی بڑی تعداد میں دوسری کوئی اور کتاب شائع نہیں ہوتی تو اس میں قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔ کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنی تصانیف سے کبھی ایک پیسہ کا فائدہ حاصل نہ کیا۔ تمام کتابوں کے حقوق طبع عام تھے اور جس کا جی چاہے انہیں چھاپ سکتا تھا۔ آپ کا ترجمہ قرآن شریف بہت سلیس، سہل اور عالمانہ ہے جبکہ تفسیر میں بیان القرآن ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے جو خود اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز وخلیفہ تھے۔ ان کی بیعت وارشاد کا سلسلہ بہت وسیع ہے، برصغیر اور اس کے باہر بھی ہزاروں اشخاص نے ان سے اصلاح وتربیت حاصل کی، چنانچہ حکیم الامت کے لقب سے آپ کی زبردست شہرت تھی، ان کی تصانیف ومواعظ سے لاکھوں افراد کو علمی وعملی فیض پہنچا۔ عوام اور خواص کا جتنا بڑا طبقہ بیعت و ارشاد کی راہ سے اس دور میں ان سے مستفیض ہوا اس کی مثال کم ہی ملے گی۔ ان کی رفعت وبلندی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے صاحب علم وفضل اور اہل کمال ان کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ ان کی ذات والا صفات علم وحکمت اور معرفت و طریقت کا ایک ایسا سرچشمہ تھی جس سے نصف صدی تک برصغیر کے مسلمان سیراب ہوتے رہے، دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں ان کی عظیم خدمات تقریری اور تصنیفی صورت میں نمایاں نہ ہوں، مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

"اصلاح امت کی کوشش میں علمی وعملی زندگی کے ہر گوشے پر ان کی نظر تھی، بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک، عامیوں سے لے کر صوفیوں، درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں تک ان کی نظر مصروف اصلاح وتربیت رہی، پیدائش، شادی بیاہ، غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نظر پڑی، اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا کھوٹا الگ کیا، رسوم وبدعات اور مفاسد کے ہر ایک روڑے اور پتھر کو ہٹا کر صراط مستقیم کی راہ دکھائی، تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق وعادات اور عقائد میں دین خالص کے معیار سے جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی، فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق اپنے نزدیک پورا سامان مہیا کر دیا، اور خصوصیت کے ساتھ احسان وسلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے، تجدید فرمائی، ان کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی، اس کے مطابق مسلمانوں کی موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں نقائص

تھے ان کے درست کرنے میں عمر بھر مشغول رہے۔ انھوں نے اپنی زندگی اس میں صرف کر دی کہ مسلمانوں کی تصویر حیات کو اس کی شبیہ کے مطابق بنا دیں جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ کو استغناء کے ساتھ فیاضی کے جوہر سے بھی نوازا تھا' ان کے قیام کانپور کا واقعہ راقم السطور (سید محبوب رضوی) نے والد مرحوم سے سنا ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے' چونکہ اس واقعے کا عام طور پر لوگوں کو علم نہیں ہے اس لیے اس کا ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کانپور میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو جامع العلوم سے پچیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی اس میں سے وہ پانچ روپے ہر مہینے والد مرحوم کو دیا کرتے تھے تاکہ وہ اپنے طور پر اس رقم کو طلباء پر صرف کر دیں' اس رقم کے ساتھ یہ تاکید بھی تھی کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو کہ اس کا معطی کون ہے' یہ ایک راز دارانہ بات تھی' حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں والد مرحوم کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ انھوں نے یہ واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے محاسن کا ذکر کرتے ہوئے راقم سطور کو سنایا تھا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بڑی منظّم تھی' کاموں کے اوقات مقرر تھے اور ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔ متوسلین کے بہت سے خطوط آتے تھے مگر بقید وقت ہر ایک کا جواب خود اپنے قلم سے تحریر فرماتے تھے۔

۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں تھانہ بھون میں اس جہان فانی کو خیر باد کہا' تھانہ بھون میں حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب انہیں کے باغ میں جسے انھوں نے خانقاہ امدادیہ کے نام سے وقف کر دیا تھا' دفن کیا گیا۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ) (ماخوذ تاریخ دار العلوم دیوبند)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی

ایک شاعر آزاد منش تھے' بعض کا دل رقیق ہوتا ہے وہ بھی ایسے ہی تھے اس لیے ان کے کلام میں سوز و گداز تھا۔ ایک شخص ان کا فارسی کلام دیکھ کر کلام سے ان کو صوفی سمجھ کر ایران سے چلے۔ آ کر کیا دیکھا کہ ایک حجام خلیفہ ان کے سامنے ہے اور ان کا چہرہ استرہ سے صاف کر رہا ہے۔ اس شخص نے جھلا کر کہا ''آغا ریش می تراشی'' شاعر صاحب نے کہا ''بلے ریش می تراشم' مگر دل کسے نمی تراشم یعنی داڑھی تو ترشواتا ہوں مگر کسی کا دل نہیں دکھاتا۔ بڑا گناہ دل دکھانا ہے۔ اس نے بے ساختہ جواب دیا کہ ''ارے دل رسول اللہ می خراشی'' مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوگی کہ فلاں شخص سنت کے خلاف کر رہا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی ایذا ہوگی۔ یہ سن کر شاعر کی آنکھیں کھل گئیں اور زبان حال سے یہ شعر پڑھتے تھے۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کر دی مرا باجان جاں ہمراز کر دی

ترجمہ: یعنی تم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے' میں تو اندھا تھا۔ آج معلوم ہوا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔

عالمگیر اور ایک بہروپیہ: جب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی تخت نشینی کا جلسہ ہوا تو کام کے لوگوں کو عطایا دیئے گئے' ایک بہروپیہ بھی مانگنے آیا۔ مگر عالمگیر عالم تھے اس کو کس مد سے دیتے اور ویسے صاف انکار کرنا بھی آداب شاہی کے اعتبار سے نازیبا معلوم ہوا' چپکے سے ٹالنا چاہا' اس سے کہا کہ انعام کسی کمال پر ہوتا ہے تمہارا کمال ہے کہ ناآشنا صورت میں آؤ' مگر وہ بھی بھیس بدل کر آیا۔ بادشاہ نے پہچان لیا کبھی دھوکہ نہیں کھایا۔ جس روز دھوکہ دیدے گا انعام کا مستحق ٹھہرے گا' اتفاق سے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو سفر دکن کا درپیش تھا۔ بہروپیہ داڑھی بڑھا کر مقدس لوگوں کی صورت بنا کر راستہ میں کسی گاؤں میں جا بیٹھا کچھ روز کے بعد شہرت ہوگئی۔ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جہاں جاتے تھے علماء و فقراء سے برابر ملتے تھے' چنانچہ جب اس مقام پر پہنچے وہاں شہرت سن کر اول وزیر کو اس کے پاس بھیجا' وزیر نے کچھ مسائل تصوف کے پوچھے اس نے سب کے جواب معقول دیئے۔

بات یہ تھی کہ اس وقت بہروپیے ہر فن کو قصداً حاصل کرتے تھے۔ وزیر نے عالم گیر رحمہ اللہ سے بہت تعریف کی۔ عالمگیر رحمہ اللہ خود ملنے گئے۔ آپس میں خوب گفتگو رہی اور یہ سمجھ کر کہ شاہ صاحب کامل شخص ہیں چلتے وقت ایک ہزار اشرفیاں بطور نذر پیش کیں۔ اس نے لات ماری اور کہا کہ تو اپنی طرح ہم کو بھی سگِ دنیا خیال کرتا ہے اس سے اور بھی اعتقاد بڑھا۔ واقعی استغنا عجیب چیز ہے۔ عالم گیر لشکر میں واپس چلے آئے' پیچھے پیچھے بہروپیہ صاحب پہنچے کہ لایئے انعام خدا حضور کو سلامت رکھے۔ بادشاہ نے کہا ارے تُو تھا' غرض انعام دیا مگر معمولی اور کہا کہ اس وقت جو پیش کیا تھا اس کو کیوں نہیں لیا تھا وہ تو اس سے بہت زیادہ تھا اور میں اس کو واپس تھوڑا ہی لیتا۔ اس نے کہا کہ حضور اگر میں لیتا تو نقل صحیح نہ ہوتی' کیونکہ وہ فقیری کا روپ تھا' اور فقیر کی شان کے خلاف تھا۔

ایک مرید کا خواب: ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کی انگلیاں تو شہد میں بھری ہوئی ہیں اور میری غلاظت میں۔ پیر نے کہا' کیوں نہیں ہم ایسے ہی ہیں اور تم ایسے ہی ہو' مرید نے فوراً کہا کہ حضور ابھی خواب پورا نہیں ہوا' میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ آپ میری انگلیاں چاٹ رہے ہیں اور میں آپ کی انگلیاں چاٹ رہا ہوں۔ پیر نے کہا کہ نکل یہاں سے خبیث۔ اس نے کہا خبیث تو ہوں مگر دیکھا یوں ہی ہے۔

حضرت ابراہیم کا واقعہ: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ جب سلطنت ترک کر کے چلے گئے تو ارکان دولت میں کمیٹی ہوئی کہ کسی طرح ان کو لانا چاہیے۔ وزیر گیا' دیکھا کہ آپ گدڑی اوڑھے ہوئے بیٹھے ہیں' عرض کیا کہ حضور سلطنت درہم برہم ہو رہی ہے حضور تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سلطنت تمہیں مبارک ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی سلطنت عطا فرما دی ہے۔ اس کے بعد آپ رحمہ اللہ نے اپنی سوئی گدڑی سے نکال کر دریا میں پھینک دی اور وزیر سے کہا کہ میری سوئی دریا میں سے نکلوا دو۔ وزیر نے بیشمار آدمیوں کو دریا میں داخل کر دیا۔ وہاں سوئی کا پتہ کہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا ہماری سلطنت دیکھو' یہ کہہ کر مچھلیوں کو مخاطب کیا کہ اے مچھلیو! میری سوئی لاؤ' صدہا مچھلیاں اپنے اپنے منہ میں کوئی سونے کی سوئی' اور کوئی چاندی کی سوئی' لے کر حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ میری وہی لوہے کی سوئی لاؤ؟ ایک مچھلی وہی لوہے کی سوئی لے کر نکلی۔ آپ نے وزیر کے سامنے ڈال دی اور فرمایا کہ دیکھی میری سلطنت تمہیں اپنی سلطنت پر بڑا ناز ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب قصہ: ایک دفعہ دریائے نیل خشک ہو گیا' ہمیشہ چڑھا کرتا تھا اسی سے آب پاشی ہوتی تھی اس دفعہ نہ چڑھا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یا عبداللہ بن عمرو بن العاص عامل تھے لوگوں نے آ کر عرض کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کبھی پہلے بھی ایسا ہوا ہے۔ اور تم اس وقت کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ جب ایسا ہوتا ہے تو ہم ایک جوان حسین لڑکی بھینٹ کر دیتے ہیں۔ اس سے وہ جاری ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاہلیت کی رسم کبھی نہیں ہوگی اسلام میں اور خلیفہ کو لکھتا ہوں' انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نیل کے نام حکم نامہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ اے نیل! اگر تو خدا تعالیٰ کے حکم سے جاری ہے تو کسی شیطان کے تصرف سے بند ہونے کے کیا معنی؟ اور اگر یہ نہیں ہے تو ہم کو تیری کچھ پروا نہیں خدا تعالیٰ ہمارا رازق ہے۔ آپ کے اس لکھنے پر مخالفین ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ دریا پر بھی حکومت کرتے ہیں۔ مگر ''قلندر آنچہ گوید دیدہ گوید'' آپ کو شبہ بھی نہ ہوا کہ ایسا نہ ہوا تو عزت کرکری ہوگی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس رقعہ کو اعلان کے ساتھ لے کر چلے اور مخالفین کا گروہ بھی آپ کے پیچھے چلا' ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ اس رقعہ کو دریائے نیل کے جوش سے کیا نسبت۔ مگر رقعہ دریائے نیل میں ڈالنا تھا کہ دریا کو جوش آیا اور لبریز ہو کر چلنے لگا۔

فائدہ: جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہوتا ہے دنیا کی ہر چیز اس کی اطاعت کرتی ہے۔

واعظین کی حکایت تراشی: آج کل تو واعظین ایسی حکایت تراشتے ہیں کہ جن کا سر ہوتا ہے نہ پاؤں' خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی اور اولیاء اللہ کی شان میں بھی' چنانچہ ایک صاحب غوث الاعظم سے بھی ملے ہیں۔ حکایت تراشنے کو ایک حکایت گھڑی کہ ایک بڑھیا گئی۔ حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کے پاس اور کہا کہ میرا بیٹا مر گیا اس کو زندہ کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ زندہ نہیں ہو سکتا اس کی عمر ختم ہو چکی تھی۔ بڑھیا نے کہا کہ اگر اس کی عمر ختم نہ ہوتی تو آپ سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ سے تو اسی واسطے کہا ہے کہ عمر ختم ہو گئی اور آپ کو زندہ کرنا پڑے گا۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا وہاں سے بھی اسی دلیل سے حکم ہوا کہ زندہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے بھی وہی جواب دیا۔ جب کسی طرح عرض منظور نہیں ہوئی اور ادھر بڑھیا نے تنگ کیا تو آپ نے عزرائیل سے تھیلا روحوں کا چھین لیا اسے کھول دیا ساری روحیں پھر پھرا اڑ گئیں اور تمام مردے زندہ ہو

گئے۔ آپ نے فرمایا دیکھا ایک کو نہ جلایا اچھا ہوا؟ عزرائیل علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے یہاں نالش کی' وہاں سے حکم ہوا کہ ہم کو دوست کی خاطر منظور ہے خیر جیسے وہ کہیں وہی سہی۔

انیاؤپور شہر کا قصہ: ایک شہر تھا انیاؤپور' ان نفی کا کلمہ ہے نیاؤ کے معنی ہیں انصاف اور پور شہر کو کہتے ہیں۔ اس کے معنی ہوئے بے انصافی کا شہر۔ ایک گرو اور ایک چیلہ اس شہر میں جا پہنچے اور چیزوں کا بھاؤ پوچھا سب کا بھاؤ سولہ سیر' گیہوں بھی سولہ سیر' چنے بھی سولہ سیر' گھی بھی سولہ سیر' نمک بھی سولہ سیر' گوشت بھی سولہ سیر' غرض سب کا ایک ہی بھاؤ۔ گرو نے یہ حال دیکھ کر چیلہ سے کہا کہ یہاں سے چلو۔ یہ شہر رہنے کے قابل نہیں۔ یہاں کھرے کھوٹے سب ایک بھاؤ ملتے ہیں۔ چیلہ نے کہا ہم تو یہاں رہیں گے خوب گھی کھائیں گے طاقت آئے گی۔ ہر چند گرو نے سمجھایا مگر اس نے ایک نہ مانی۔ خیر ایک عرصہ تک وہاں رہے افراط سے سب چیزیں ملیں چیلہ کھا کھا کر خوب موٹا ہوا۔ ایک دفعہ اتفاق سے ایوان شاہی پر پہنچے۔ راجہ کے یہاں ایک مقدمہ پیش تھا۔ وہ یہ کہ دو چور کسی مہاجن کے یہاں گئے تھے چوری کرنے' نقب دے کر ایک باہر پہرہ پر رہا ایک اندر گیا۔ اس پر وہ دیوار گر پڑی دب کر مر گیا۔ اس کے ساتھی نے دعویٰ دائر کر دیا کہ اس نے ایسی کمزور دیوار بنائی تھی کہ وہ گر پڑی' مہاجن حاضر کیا گیا اور اس نے عذر کیا کہ میرا قصور نہیں معمار نے ایسی کمزور دیوار بنائی تھی۔ معمار حاضر کیا گیا۔ اس سے پوچھا اس نے کہا مزدور نے گارا پتلا کر دیا تھا۔ اس نے اینٹ کو اچھی طرح نہیں پکڑا۔ مزدور حاضر کیا گیا اس سے پوچھا گیا' اس نے کہا سقہ نے پانی زیادہ چھوڑ دیا تھا اس لیے گارا پتلا ہو گیا۔ سقہ حاضر کیا گیا اس نے کہا کہ سرکاری ہاتھی میری طرف دوڑا آ رہا تھا۔ مشک کا دہانہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس لیے پانی زیادہ پڑ گیا۔ فیل بان کو حاضر کیا گیا' اس نے کہا کہ ایک عورت بجتا ہوا زیور پہنے آ رہی تھی پازیب کی جھنکار سے ہاتھی چونک گیا۔ وہ عورت حاضر کی گئی اس نے کہا سنار نے پازیب میں باجا ڈال دیا تھا تو سنار کو حاضر کیا گیا۔ اس کو کچھ جواب نہ آیا۔ آخر کہیں تو سلسلہ ختم ہوتا یہ تجویز ہوا کہ اس سنار کو پھانسی دی جائے۔ اس کو پھانسی پر لے گئے اور گلے میں پھانسی ڈالی اس کی گردن ایسی پتلی تھی کہ حلقہ اس کے گلے میں برابر نہ آیا۔ حلقہ تھا بڑا۔ جلاد نے آ کر کہا کہ حلقہ اس کے گلے میں نہیں آتا۔ اس پر یہ تجویز ہوا کہ کسی موٹے شخص کو پھانسی دیدو' تلاش ہوئی تو سوائے چیلہ صاحب کے اتنا موٹا اور کوئی نہ ملا اور یہ پکڑ لیے گئے۔ انہوں نے گرو جی سے کہا اب کیا کروں' گرو جی نے کہا کہ بھائی میں نے تو پہلے ہی کہا

تھا کہ یہ شہر رہنے کے قابل نہیں۔ مگر تو نے نہ مانا اب کیے کو بھگت۔ چیلے نے کہا' حضور کسی طرح بچائیے' کچھ تو کیجیے' آخر آپ کا بچہ ہوں۔ گرو نے تدبیر نکالی کہ آپس میں جھگڑنا شروع کیا۔ گرو کہے کہ مجھے پھانسی دو اور چیلہ کہے کہ مجھے پھانسی دو' خوب جھگڑے یہاں تک کہ راجہ تک نوبت پہنچی' راجہ نے پوچھا کیا بات ہے؟ گرو نے کہا کہ۔ یہ ایک ساعت ہے کہ جو کوئی اس ساعت میں پھانسی پر چڑھے تو سیدھا بیکنٹھ کو جائے' اس لیے ہم جھگڑتے ہیں کہ پھر ایسی ساعت نہ ملے گی۔ راجہ نے کہا پھر اس سے بہتر موقع کہاں نصیب ہوگا۔ ہمیں پھانسی دے دو۔ چنانچہ اس منحوس کو پھانسی دے دی گئی' ایسے راجہ کو پھانسی ہی دینا اچھا' پاپ کٹا ''خس کم جہاں پاک'' یہ قصہ تھا ان نیاؤ پور کا' سو بہت سے لوگ مسلمان ہو کر ایسی ہی سلطنت سمجھتے ہیں خدا کی جیسی ان نیاؤ پور کی حکومت کہ کوئی قاعدہ اور قانون ہی نہیں۔ اندھا دھند معاملہ ہے جس کے کچھ اصول نہیں۔

ایک ڈپٹی اور درویش کی حکایت: ایک ڈپٹی کلکٹر نے ایک درویش سے کہا کہ وصول الی اللہ کا کوئی سہل طریقہ بتائیے۔ درویش نے دوسری باتوں میں لگا لیا کہ گھر میں خیریت ہے۔ بال بچے اچھے ہیں۔ آج کل آپ کی تنخواہ کیا ہے۔ کیسی گزرتی ہے؟ مقدمات کی کیا حالت ہے؟ غرض ادھر ادھر کی باتوں میں ان کو لگا کر اور بات کو ٹال کر پوچھا ڈپٹی صاحب اول آپ کی کتنی تنخواہ ہوئی تھی اور اس تنخواہ سے پہلے کیا کیا کوشش کی تھی۔ پھر کیوں کر ترقی ہوئی اور اب آپ کا کیا درجہ ہے؟ ڈپٹی صاحب نے بڑی رغبت اور شوق سے سارا کچا چٹھا کہہ سنایا اور اپنی کارگزاریاں ظاہر کیں اور کہا پہلے سب کے کم درجہ کی تنخواہ ہوتی تھی اور درجہ سوئم کے اختیارات تھے' پھر فلاں فلاں کار گزاری سے بہت نیک نامی ہوئی اور درجہ اول کے اختیارات حاصل ہوئے اب پچپن سال میں یہ پنشن ہوئی۔

درویش نے کہا کہ قاعدہ یہ ہے کہ ادنیٰ سے ترقی کر کے اعلیٰ کی طلب ہوئی ہے اب آپ کو خدا طلبی کا جو خیال ہوا تو اسی درجہ سے ہوا ہوگا کہ خدا طلبی کو ڈپٹی کلکٹری سے اعلیٰ سمجھا ہے۔ ڈپٹی صاحب نے کہا کہ جی ہاں! خدا طلبی سے اعلیٰ اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ درویش نے کہا کہ ڈپٹی صاحب آپ ڈپٹی کلکٹری پر تو جس کو آپ خدا طلبی سے ادنیٰ تسلیم کرتے ہیں اتنی طویل مدت میں پہنچے۔ حیا نہیں آتی کہ خدا طلبی میں عجلت اور سہولت ڈھونڈتے ہو۔

فائدہ: جس درجہ کا مقصود ہو ویسی ہی کوشش ہونی چاہیے۔ نائب تحصیلداری کے لیے جس

کوشش کی ضرورت ہے' صدرِ اعلیٰ ہونے کے لیے اسی نسبت سے زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔

ایک طفیلی شاعر کی حکایت: کسی نے طفیلی شاعر سے پوچھا جس کو کھانے کا بہت شوق تھا کہ احکام قرآن میں سے تمہیں سب سے زیادہ کیا حکم پسند آیا۔ اور دعاؤں میں کون سی دعا؟ کہا مجھے احکام میں تو کُلُوْا وَشْرَبُوْا (کھاؤ اور پیو) اور دعاؤں میں سے رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (اے ہمارے رب! آسمان سے ہم پر دسترخوان نازل فرمایئے)

فائدہ: یہی حالت ہماری ہے کہ تمام تعلیمات قرآن میں سے امید کی تعلیم پسند آئی۔ مگر ہماری اس اختراع (یعنی من گھڑت بات) سے کیا ہوتا ہے۔ اس سے احکام الٰہی کی حقیقت تو نہیں بدل سکتی۔ جب حقائق منکشف ہوں گے تو معلوم ہوگا کہ کن غلطیوں میں عمر گزر گئی۔ جس وقت ایک گناہ پر بھی جواب طلب کیا جائے گا کہ یہ کیوں کیا تو یہ جواب کہ آپ سے رحمت کی امید تھی کسی چھوٹے سے گناہ کے لیے بھی کافی نہ ہوگا۔

جاہل عابد کی حکایت: ہماری بستی محلہ خیل میں ایک جاہل شخص تھے' بہت عابد و زاہد۔ تہجد گزار پابند صلوٰۃ تھے۔ لوگوں کو ان کی طرف میلان بھی تھا اور کہتے تھے کہ وہ بزرگ آدمی ہیں۔ ایک شخص نظام الدین نام کا انہی کے محلہ میں رہتا تھا وہ مسخرہ تھا' اور ان سے بدعقیدہ تھا۔ جب لوگ کہتے کہ یہ بزرگ آدمی ہے تو کہتا کہ جاہل کی کیا بزرگی۔ لوگ اس کو برا بھلا کہا کرتے تھے ایک روز اس نے تماشا کیا۔ جب وہ عابد صاحب تہجد کے لیے اٹھے تو یہ چھت پر جا بیٹھے اور بہت باریک آواز سے انہیں پکارا' انہوں نے کہا کہ کون؟ جواب دیا میں ہوں جبریل۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغام لایا ہوں کہ تم اب بہت بڈھے ہو گئے اور موسم بھی سردی کا ہے۔ رات کو اٹھ کر وضو کرتے ہو تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہم کو شرم آتی ہے' جاؤ اب ہم نے تمہاری نماز معاف کر دی۔ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور خوب پیر پھیلا کر سوئے یہاں تک کہ صبح کی نماز میں بھی نہیں آئے۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ کچھ طبیعت خراب ہوگی یا آنکھ لگ گئی ہوگی اس لیے نہ آئے ہوں گے۔ دوسرے وقت بھی نہ آئے۔ یہاں تک کہ کئی وقت گزر گیا تب محلہ کے آدمی مزاج پرسی کے لیے گئے۔ جا کر دیکھا ہٹے کٹے بہت خوش چارپائی پر لوٹ مار رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا' میاں جی کیسا مزاج ہے۔ کہنے لگے بہت اچھا ہوں۔ کہا' نماز میں کیوں نہیں آئے؟ تو بہت اینٹھ کر بولے! بھائی بہت نماز پڑھی ہے اب خدا نے سن لی اور جو غرض تھی نماز سے حاصل ہوگئی۔ اب میرے پاس فرشتہ آنے

لگا۔ پرسوں یہ پیغام لایا تھا کہ اب نماز معاف کردی گئی۔ وہ مسخرہ جو دور بیٹھا تھا دیکھ رہا تھا۔ قہقہہ مار کر ہنسا اور کہا دیکھ لی جاہل کی بزرگی۔ لوگوں نے کہا، ظالم تو نے تو غضب کر دیا۔

فائدہ: یہ تو ایک جاہل کا قصہ ہے جس کو سن کر اس کو بہت خفیف اور بری نظر سے دیکھا جاتا تھا، مگر تعجب ہے کہ ہم اس کا تو مذاق بناتے ہیں۔ اپنے حالات دیکھیں تو وہ بھی اس جیسے ہی ہیں کہ چار دن میں انتظار کرنے لگتے ہیں حق تعالیٰ سے ملنے کا۔

ایک طالب علم کی بوالہوسی کا قصہ: ایک طالب علم تھے فاقہ کرتے تھے مگر دماغ میں ایک شہزادی سے نکاح کی سمائی ہوئی تھی۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ میاں کچھ امید بھی ہے۔ کچھ آثار بھی ایسے ہیں جن سے امید پڑتی ہے۔ کہا، جی ہاں! آدھا سامان تو ہو گیا ہے آدھا باقی ہے۔ وہ آدھا کیا ہے؟ کہا میں تو راضی ہوں مگر وہ راضی نہیں یعنی نکاح میں دو جز ہیں۔ ایجاب وقبول، میں تو ایجاب کے لیے تیار ہوں اس کا قبول کرنا باقی ہے۔

فائدہ: پس ایسے ہی ہمارا سامان آخرت ہے کہ ہم تو جنت کے لیے تیار ہیں۔ فقط ادھر کی منظوری کی دیر ہے۔ واضح ہو کہ نری باتوں اور خالی آرزوؤں سے کام نہیں چلتا۔

ایک انگریز کا واقعہ: ایک انگریز سے ان ہی کی درخواست پر میری ملاقات ہوئی تھی، انھوں نے سنا تھا کہ میں نے ایک تفسیر لکھی ہے۔ پوچھا آپ نے قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے (شریف بھی کہا) میں نے کہا کہ ہاں! کہا آپ کو کتنا روپیہ ملا؟ میں نے کہا ایک پیسہ بھی نہیں کہا پھر کیا فائدہ ہوا اس کتاب کے لکھنے سے؟ میں نے کہا مجھ کو دو قسم کے فائدے ہوئے ایک دنیا کا اور ایک آخرت کا۔ دنیا کا فائدہ تو یہ ہے کہ قوم کے ہاتھ میں ان کے کام کی ایک کتاب آ گئی۔ جس کا دیکھنا ان کے لیے موجب حظ ہو گیا اور اس کو دیکھ کر میں مسرور ہوں گا اور آخرت کا فائدہ وہ ہے جس کو خوشنودیٔ حکام کہتے ہیں اس کام سے سب حکام کے حاکم یعنی احکم الحاکمین کی خوشنودی کی امید ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی خوشنودی۔

فائدہ: اس بات سے اس پر بڑا اثر ہوا اور اس کی اس نے بڑی قدر کی۔ دیکھیے جو دنیا طلبی میں امام ہیں ان کے نزدیک اچھی بات کی پھر بھی قدر ہے اور جو ان کے مقلد ہیں ان کے نزدیک قرآن کا پڑھنا طوطے کی طرح رٹنا اور فضول! افسوس لوگوں نے دین کو بہت دور پھینک دیا ہے۔ دین کا فائدہ تو فائدے کی فہرست میں سے ہی نہیں رہا اور غیر قوموں کو دیکھیے کہ ان کو اپنے مذہب کی کتنی

قدر ہے وہ مذہب کے لیے کتنی کوشش کر رہے ہیں حالانکہ وہ باطل ہے۔

ایک اہل کار نمازی کا قصہ: ایک اہلکار ایسے پکے نمازی تھے کہ صبح کی نماز پڑھ کر اشراق تک مصلے پر بیٹھے رہتے تھے اور کسی سے بولتے بھی نہ تھے کیونکہ پیر صاحب نے وظیفہ میں بولنے کو منع کر دیا تھا۔ اہل مقدمہ اسی وقت آتے اور رشوتیں پیش کرتے' یہ زبان سے کچھ نہ کہتے کیوں کہ وظیفہ میں خلل پڑے گا۔ انگلیوں سے اشارہ کرتے دوسولوں گا یا پانچ سولوں گا۔ لوگ کہتے ہیں سولے لیجیے یہ اشارے سے کہتے نہیں اور وہی دو انگلیاں اٹھا دیتے کہ دو سو ہی لوں گا۔ اہل غرض مجبور ہو کر وہی دیتے پھر آپ اشارہ کرتے کہ مصلے کے نیچے رکھ دو۔

فائدہ بس ان لوگوں کے نزدیک یہ ہے فائدہ' بس اب روپیہ ہی سب کچھ ہے۔ اس کے سامنے نہ حرام کچھ ہے نہ خبیث کوئی چیز ہے۔

سودا شاعر اور ان کی بیوی کا قصہ: سودا شاعر کی بیوی نمازی تھی سودا نے کہا کہ تو نماز کیوں پڑھا کرتی ہے۔ تجھے اس سے کیا ملے ہے۔ اس نے کہا ہمیں جنت ملے گی۔ کہنے لگا کہ جا بیوقوف تو وہاں بھی ان غریب مسکین ملانوں کے ساتھ رہے گی اور ہم جہنم میں جائیں گے جہاں بڑے بڑے سلاطین و امراء ورؤسا ہوں گے۔ جیسے فرعون' ہامان' شداد' نمرود' قارون وغیرہ۔

فائدہ: اس مسخرہ نے شاید یہ سمجھا کہ مساکین جنت میں جا کر بھی مساکین ہی رہیں گے اور یہ سلاطین دوزخ میں بھی بادشاہ ہی رہیں گے۔ حالانکہ مساکین جنت میں بادشاہی کریں گے اور سلاطین دوزخ میں بھنگی چماروں سے بھی زیادہ ذلیل وخوار ہوں گے۔

میدان حشر میں ایک نیکی کی تلاش: ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص ہوگا جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی' حکم ہوگا رہائی چاہتے ہو تو جس طرح سے ہو سکے نیکیوں کا پلہ بھاری کرو۔ ایک نیکی بھی ہو تو پلہ بھاری ہو سکتا ہے' وہ بے چارہ اہل محشر سے اپنے شناساؤں سے اور اعزا اور اقارب سے اور جس سے بھی ہو سکے گا سوال کرے گا لیکن کہیں سے بھی سوائے نفی کے جواب نہ ملے گا کیونکہ ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ ہر شخص کو خیال ہو سکتا ہے کہ شاید ہمارے حساب میں بھی ایک نیکی کی کمی آ جاوے اور اس کی بدولت ہم اٹکے پڑے ہیں غرض کوئی نہ دے گا لیکن ایک شخص ایسا ہوگا جس کے پاس برائیاں ہی برائیاں ہوں گی اور نیکی صرف ایک ہوگی اور وہ کہے گا کہ بھائی جب تو اتنی نیکیاں کر کے صرف ایک نیکی کی کمی کی وجہ سے جنت میں نہ جا سکا' روک

دیا گیا تو میرے پاس تو بجز ایک نیکی کے سب بدیاں ہیں میں تو دوزخ میں یقیناً ہی جاؤں گا کیونکہ ایک نیکی میری اتنی برائیوں کا کہاں تک مقابلہ کرے گی لہٰذا میرے لیے تو بیکار ہی ہے' لے تو ہی لے جا' میرا نہ سہی تیرا ہی کام بن جائے۔ بس اس ایک نیکی سے حسنات کا غلبہ ہو جائے گا۔ اب رحمت الٰہی دیکھیے کہ اس شخص کو بلایا جائے گا جس نے یہ نیکی دی تھی اور اسی سے سوال ہوگا کہ تم نے اپنی نیکی دوسرے کو کیوں دے دی۔ اب تمہارے پاس تو بجز گناہوں کے کچھ بھی نہ رہا۔ وہ کہے گا الٰہی! میں نے یہ دیکھ کر کہ ایک شخص کے پاس ہزاروں نیکیاں تھیں مگر ایک کی کمی سے وہ جنت میں نہ جا سکا' یہ سمجھ لیا کہ میرے پاس تو ایک ہی نیکی ہے قانون کے موافق میری مغفرت نہیں ہو سکتی اس لیے میں نے دوسرے کو اپنی نیکی دے دی کہ وہ تو بخش دیا جائے حکم ہوگا کہ ہم نے تجھ کو بھی بخشا' اس کو قانون سے اور تجھ کو فضل سے بخشا تو نے اس شخص پر رحم کیا ہم نے تجھ پر رحم کیا۔ نیکی کی قدر وہاں ہوگی۔

فائدہ: نیکی کی قدر قیامت میں ہوگی' حدیث میں ہے کہ لوگ ایک ایک نیکی کے بدلے اٹک جائیں گے اور نجات نہ ہو سکے گی۔

ایک مؤذن کا قصہ: ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک مؤذن کے پاس محلہ کا ایک لونڈا مٹی کی رکابی میں کھیر لایا۔ مؤذن بڑے خوش ہوئے اور کہا شاباش' آج کیا تقریب تھی جو کھیر لایا؟ لڑکے نے کہا تقریب تو نہ تھی اماں نے کھیر پکائی تھی اس میں کتا منہ ڈال گیا۔ اماں نے کہا پھینکنے سے اچھا ہے کہ مؤذن کو دے آ۔ رزق ہے پیٹ میں پڑ جائے گا۔ یہ سن کر مؤذن صاحب کو بہت غصہ آیا اور رکابی اٹھا کر پھینک دی۔ کھیر بھی گر گئی اور رکابی بھی ٹوٹ گئی۔ لڑکا رونے لگا۔ اس پر مؤذن صاحب کو اور بھی غصہ آیا اور کہا ابے' تو کتے کے آگے کی کھیر لایا اور اوپر سے روتا ہے۔ تجھے کسی نے مارا ہے۔ کہا اماں مارے گی رکابی بھیا کے پاخانہ اٹھانے کی تھی (ظرف بھی بڑا پاکیزہ تھا اور مظروف بھی ایسا ہی' جوڑ تو اچھا ملا)۔

فائدہ: مگر آج کل یہ زیادہ بے جوڑ نہیں۔ کیونکہ مؤذن بھی آج کل خیر سے ایسے ہی لوگ رکھے جاتے ہیں جو پاخانے کے ٹھیکرے کے برابر ہوں اور کسی کام کے نہ ہوں۔ اندھے' لنجے' اپاہج' بے علم آدمی مؤذن اور امام بنائے جاتے ہیں اور ایسے لوگوں کے امام اور مؤذن بنانے کا راز یہ ہے کہ کچھ زیادہ خرچ نہ کرنا پڑے کیونکہ جو آدمی کام کا ہوگا وہ تو خرچ سے ہی آوے گا اور لطف یہ ہے کہ

خرچ تو کرتے نہیں اور کام ان سے اتنا لیتے ہیں کہ زرخرید غلام سے بھی کوئی نہ لے۔ ہمارے قصبات میں رواج ہے کہ سقاوے (پانی گرم کرنے کے لیے) ایندھن کا لانا انھیں کے ذمہ ہے اور محلہ کا کوئی لونڈا گھڑا لے کے آوے تو اس کا گھڑا بھر دینا مؤذن کے ذمہ ہے' اہل محلہ کا گوشت لانا مؤذن کے ذمہ ہے اور ضرورت کے وقت دہلیز میں سونا بھی مؤذن کے ذمہ' علیٰ ہذا امام جو رکھے جاتے ہیں وہ بھی ایسے ہوتے ہیں جو کسی کام کے نہ رہیں۔ جب تک کام کے رہے نوکری چاکری کرتے رہے اور جب اپاہج ہو گئے تو وکالت دربارِ خداوندی کے لیے منتخب ہو گئے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ امامت وکالتِ دربارخداوندی ہے۔

قصہ نخچیران (شکاری) از مثنوی: مولانا رحمہ اللہ نے مثنوی میں نخچیران کا ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک جنگل میں بہت سے جانور رہتے تھے وہاں ایک شیر آ گیا۔ اس نے چیر پھاڑ شروع کر دی جس کو چاہتا شکار کر لیتا۔ جانور بہت تنگ ہو گئے اور آپس میں مشورہ کر کے اس سے جا کر کہا کہ ہم آپ کے لیے روز کی خوراک مقرر کیے دیتے ہیں' ایک جانور روز بھیج دیا کریں گے۔ ہم سب کو نہ ستایئے' بس یہ مقرر ہو گیا کہ روز قرعہ ڈال کر جس کا نام نکلتا اس کو بھیج دیتے باقی سب جانور امن و امان سے رہتے۔ ایک روز خرگوش کا نام نکل آیا اس نے ایک تدبیر سوچی اور کہا آج میں اس کا جھگڑا پاک کیے دیتا ہوں اور ذرا دیر کر کے گیا' وہاں شیر بھوکا بیٹھا تھا' بھوک کی وجہ سے نہایت غصہ میں تھا۔ اس کو دیکھ کر کہنے لگا بس اب میں پھر وہی طریقہ شروع کروں گا جو سامنے پڑا اسے ہی پھاڑ ڈالا' تم لوگوں نے اپنا عہد خود ہی توڑ دیا ہے۔ خرگوش نے کہا حضور کو اختیار ہے' آپ مالک ہیں مگر میری بات سن لیجئے میں سب جانوروں کی طرف سے آپ کو اس بات کی اطلاع کرنے آیا ہوں کہ آئندہ ہم سے وعدہ پورا نہ ہو گا کیونکہ ایک زبردست شیر جنگل میں اور آ گیا ہے وہ راستہ ہی میں سے آپ کا راتب (یعنی غذا) لے لیتا ہے چنانچہ میں اس وقت اپنے ایک دوسرے بھائی کو حضور کی خوراک کے لیے لایا تھا اس شیر نے راستہ ہی میں چھین لیا اگر ایسا ہی ہوا کرے گا تو ہم کہاں تک وعدہ پورا کریں گے؟

شیر کو یہ سن کر غصہ آیا اور کہا بتلا تو وہ شیر کہاں ہے' میں بھی تو اسے دیکھوں۔ خرگوش نے کہا چلیے' چنانچہ اس کو ایک بڑے کنویں پر لے گیا اور کہا وہ اس کنویں میں ہے۔ شیر نے جھانک کر جو دیکھا تو کنویں میں ایک شیر اور ایک خرگوش نظر آیا۔ اس نے کہا کہ دیکھیے وہ ہے اور خرگوش بھی

ساتھ لیے ہوئے ہے' پس شیر کو غصہ آیا اور ایک دم کنویں میں کود پڑا۔ خرگوش کا کام بن گیا اور اچھلتا کودتا نخچیروں (جنگل کے جانوروں) کے پاس پہنچا اور مبارک باد دی کہ میں دشمن کو ہلاک کر آیا۔

فائدہ: دیکھیے اس شیر نے کیا غلطی کی جس سے لڑنے کو چلا تھا وہ اپنی صورت تو تھی مگر تمیز نہ ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود ہی ہلاک ہو گیا۔

ایک بچہ کا قصہ: ایسے ہی ایک بچہ روٹی کھا رہا تھا پانی کا لوٹا پاس رکھا تھا۔ اتفاق سے ٹکڑا آ گیا' جھانک کر جو دیکھا تو اپنی صورت نظر آئی کہ ایک بچہ ہاتھ میں ٹکڑا لیے ہوئے ہے۔ بس لگا رونے کہ ہائے ابا اس نے میرا ٹکڑا چھین لیا۔ ابا جان نے کہا کہ کس نے چھین لیا کہا یہ جو لوٹے میں بیٹھا ہے' وہ بھی اسی کے باوا تھے لوٹے میں جھانک کر جو انہوں نے دیکھا تو ان کو اپنی بزرگ صورت نظر آئی اس کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اتنی بڑی داڑھی لگا کر شرم نہیں آئی کہ بچہ کا لقمہ چھین لیا۔ یہ سب اپنے ہی کو ستا رہے تھے مگر حماقت سے سمجھ لیا کہ دوسرے کو ستا رہا ہوں۔

فائدہ: یہ تینوں قصے ایک دوسرے سے متعلق ہیں جو لوگ علماء پر مساجد پر مساکین پر اعتراض کرتے ہیں تو سمجھ لیں کہ یہ صورت حال انہیں کی بنائی ہوئی ہے' اگر صحیح طریقہ پر ان کی خبر گیری ہوتی رہے تو یہ ایسے شکستہ حال کیوں رہیں؟

بھانڈوں کے ہاتھی کا قصہ: اکبر بادشاہ نے ایک مرتبہ بھانڈوں کو انعام میں ہاتھی دیا' اس کو دو چار دن تو انہوں نے کھلایا مگر ہاتھی کو کہاں تک کھلاتے بس انہوں نے یہ کیا کہ اس کے گلے میں ڈھول ڈال کر بازار میں چھوڑ دیا۔ اس ہاتھی نے بازار میں بہت فساد مچایا یہاں تک کہ بادشاہ کو خبر پہنچی۔ بادشاہ نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم غریب لوگ ہیں ہاتھی کے کھلانے کو کہاں سے لاتے اور پیشہ ہمارا مانگنا اور کھانا ہے۔ ہم نے اسے بھی کہہ دیا کہ تو بھی مانگ اور کھا بادشاہ بہت خفیف ہوئے اور اس کی خوراک اپنے ہاں سے مقرر کر دی۔

ایک جاہل واعظ کی حکایت: ایک مولوی صاحب (ایسے ہی نام کے) نے وعظ کہا اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کا ترجمہ کیا ''دیا ہم نے تجھ کو مثل کوثر کے'' ایک صاحب نے ان سے پوچھا مثل کا ہے کے معنی ہیں۔ کہنے لگے ایک کاف تشبیہ کا ہوتا ہے۔ سائل نے کہا وہ تو ایسے موقع پر گول گول لکھا جاتا ہے۔ غرض سمت ہے مان گئے اور کہا مجھ کو معلوم نہ تھا ان کی سمجھ میں تو آ گیا۔

ایک اور جاہل واعظ کی افسوس ناک حالت: ایک اور صاحب نے میرے سامنے وعظ کہا تھا اور ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم علم رکھتے ہو۔) کا ترجمہ کیا گیا تھا کہ تمہارے لیے یہ بہتر ہے کہ جمعہ کی نماز کے وقت دکانوں کو تالا لگا کر مسجد میں آیا کرو۔ تعل کو تالا سمجھے اور مون کو موند سمجھے بند کرنے کے معنی میں۔

فائدہ: یہ حالت واعظوں کی رہ گئی ہے اور قوم کی یہ حالت ہے کہ جو منبر پر بیٹھ گیا وہ مولوی ہے۔

بلگرام کے ایک بزرگ کا قصہ: بلگرام میں ایک بزرگ تھے ان کو فاقہ تھا۔ ایک مرید کو آثار سے یہ بات محسوس ہوگئی کہ شیخ کو آج فاقہ ہے وہ اٹھ کر گئے اور ایک خوان میں کھانا لا کر خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے اس کے لینے سے عذر کیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت! یہ تو ہدیہ ہے اور بغیر سوال کے آیا ہے اس کو قبول کر لینے میں کیا حرج ہے۔ شیخ صاحب نسبت بھی تھے۔ نرا مولوی ایسا نہیں کر سکتا۔ صاف کہہ دیا کہ بے شک یہ ہدیہ ہے اور خلوص سے بھی ہے مگر اس وقت اس کا قبول کرنا سنت کے خلاف ہے۔ مَا اَتَاكَ مِنْ غَيْرِ اِشْرَاقِ نَفْسٍ فَخُذْهُ (جو چیز بغیر انتظار نفس کے تمہارے پاس آ دے اس کو لے لو) اور اس وقت یہ ہدیہ اشراق نفس کے بعد آیا ہے کیونکہ جس وقت تم اٹھ کر چلے تھے میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ کھانا لینے گئے ہو اس وقت سے نفس کو اشتیاق اور انتظار لگا ہوا تھا' یہی اشراق نفس ہے۔ مرید بھی سمجھ دار اور مخلص تھا اس نے کچھ اصرار نہیں کیا اور کھانے کا خوان اٹھا کر واپس لے چلے۔ شیخ کے حکم کے سامنے اور حدیث کے سامنے انہوں نے کوئی تاویل نہیں کی اور خوان واپس لے گئے۔ حتیٰ کہ پیر صاحب کی نظر سے غائب ہو گئے اور وہاں سے پھر لوٹا کر لے آئے اور سامنے رکھ دیا کہ حضرت اب تو لے لیجئے اب تو اشراق نفس جاتا رہا۔ شیخ نے مرید کو گلے سے لگالیا اور ہدیہ قبول کر لیا۔

فائدہ: دیکھیے شریعت سے عقل کیسی درست ہو جاتی ہے۔

عربی خواں اور انگریزی خواں کا سوال و جواب: ایک عربی مدرسہ کے طالب علم سے ایک سائنسدان اسکول کے طالب علم نے پوچھا بتاؤ آسمان میں کل کتنے ستارے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ تم یہ بتاؤ کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں؟ اس نے کہا یہ تو مجھے معلوم نہیں تو کہا افسوس ہے کہ تم کو زمین کی چیزوں کا بھی پورا علم نہیں جس میں تم رہتے ہو اور مجھ سے آسمان کی چیزوں کی تعداد پوچھتے ہو جو تم سے ہزاروں کوس دور ہے۔ پس وہ چپ ہی تو رہ گئے۔ دیکھیے ان دونوں میں کون

زیادہ عقلمند تھا۔

فائدہ: عقل اور تجربہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دونوں کو ایک سمجھنا غلطی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، عرض کیا کوئی عمل ایسا ارشاد ہو جس سے آپ کا خاص قرب حاصل ہو، ارشاد ہوا، تلاوتِ قرآن! انہوں نے عرض کیا سمجھ کر یا بلا سمجھے، ارشاد ہوا، دونوں طرح سے۔

قرآن وہ چیز ہے کہ اس کا ہم کو عطا ہونا محض موہبتِ خداوندی ہی ہے، اللہ تعالیٰ کی بخشش اور عطا ہے جس میں ہمارے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے حروف اچھے نہ تھے۔ ایک مرتبہ تہجد پڑھ رہے تھے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کے پیچھے شریک ہونا چاہا۔ لیکن ان کی غلطیوں کی وجہ سے گھر آ کر تہجد ادا کی۔ خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا پوچھا آپ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ پسندیدہ ہے؟ ارشاد ہوا

((الصلوٰہ خلف الحبیب العجمی))

''حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھنا۔''

فائدہ: دیکھیے یہ رتبہ ہے بعض غلط پڑھنے والوں کا۔ حق تعالیٰ کی نظر قلب پر ہے۔ اگر کوئی صحیح نہ پڑھ سکے اس کا غلط صحیح سے بڑھ کر ہے۔

غرض تلاوت بڑی چیز ہے جس کی طرف سے لوگوں میں عام غفلت ہے۔

ایک بنئے اور اس کی بیوی کی حکایت: ایک حکایت مشہور ہے کہ کسی بنئے نے اپنی عورت سے کہا ذرا مجھے باٹ اٹھا دے اس نے کہا اونہ بھلا مجھ سے اتنا بھاری باٹ اٹھے گا۔ اس نے کیا کیا، سنار سے کہہ کر ایک سل کے اوپر سونا مڑھوایا اور گھر میں لایا کہ لے بی میں نے تیرے واسطے نئی قسم کا زیور گڑھوایا ہے جیسے وہ زیور عورت کے سامنے آیا بے ساختہ گلے میں ڈال لیا پھر تو بنئے نے اس کی خوب مرمت کی۔ مردار کل تو تجھ سے باٹ تک بھی نہ اٹھتا تھا اب سل کو گلے میں بلا تکلف ڈالے پھرنے لگی۔

یہ حالت ہے ان کے زیور کے شوق کی لڑکیوں کو دیکھا ہے کہ کان لہولہان ہے مگر سونا لاد رکھا ہے کیسی ہی تکلیف ہو مگر اس کو نہیں چھوڑ سکتیں۔ کانوں کے بوجھ اور تکلیف کی وجہ سے گردن

تک نہیں جھکا سکتیں مگر تمام کنبے کو دکھلاتی پھرتی ہیں تاکہ اچھی لگیں۔ مشہور تو یہ ہے کہ بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ مگر ان کے نزدیک بھٹ وٹ کچھ نہیں پڑتا ہندوستان میں زیور کا کچھ ایسا رواج ہے کہ لڑکیوں کا تمام بدن ابتداء سے جکڑ بند ہو جاتا ہے۔ مگر اس کو اپنے لیے بڑا فخر سمجھتی ہیں۔

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دھوبی کا واقعہ: مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب سے میں نے سنا۔ فرماتے تھے کہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دھوبی جب مرا اور اس سے قبر میں سوال ہوا کہ من ربك وما دينك تو اس نے جواب دیا کہ حضور میں تو بڑے پیر صاحب کا دھوبی ہوں (مطلب یہ تھا کہ جو مذہب ان کا ہے وہی میرا ہے) اس پر فرشتے نے اسے ہنس کر چھوڑ دیا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تقلیدی بھی معتبر ہے اور اس پر اشکال نہ کیا جائے کیونکہ مقتدی کہا کرتا ہے کہ جو نیت امام کی وہی میری اور اس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا سے سوال و جواب: حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا اور قبر میں فرشتوں نے سوال کیا کہ من ربك وما دينك تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارے سوال کا جواب تو میں بعد میں دوں گی، پہلے میرے سوال کا جواب دو کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ کہا، آسمان سے، کہا، آسمان و زمین میں کتنا فاصلہ ہے؟ کہا، پانسو برس کی مسافت ہے فرمایا تم خدا تعالیٰ کو نہیں بھولے کیونکہ بہت دور سے آ رہے ہو۔ فرشتوں نے کہا ہم خدا تعالیٰ کو نہیں بھولے۔ فرمایا جب تم اتنی دور سے چل کر بھی نہیں بھولے تو کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ رابعہ زمین سے چار گز نیچے آ کر خدا تعالیٰ کو بھول گئی ہوگی، حالانکہ زمین پر ایک ساعت بھی میں اس سے غافل نہیں رہی، یہ سن کر فرشتے متعجب رہ گئے۔

فائدہ: یہ مقام ناز ہے جس کے آگے فرشتے بھی نہیں چل سکتے۔ اس کو عارف فرماتے ہیں

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی میں   کہ ناز بر فلک وحکم بر ستارہ کنم

یعنی میں میکدہ کا ایک معمولی آدمی ہوں مگر مستی کے وقت میں آسمان اور ستاروں پر بادشاہت کرتا ہوں۔

ایک عبرت آموز حکایت: گلزارِ ابراہیم میں ایک حکیم کا قصہ لکھا ہے کہ ایک دن اس کو پاخانہ میں بیٹھے بیٹھے خیال ہوا کہ یہ پاخانہ کے کیڑا کس کام آتا ہے اس میں بظاہر کوئی منفعت نہیں معلوم

ہوتی۔ اس خیال کا آنا تھا کہ چند روز میں اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں بڑا گھبرایا' بہت علاج کیے مگر کچھ نفع نہ ہوا۔

اتفاق سے ایک دفعہ کوئی دوسرا حکیم اس کی بستی میں آیا جو آنکھوں کا علاج کرتا تھا۔ اس اندھے حکیم نے بھی اس سے رجوع کیا۔ اس نے کوئی دوا اس کی آنکھ میں لگا دی جس سے بہت جلد آنکھیں کھل گئیں' اور اچھی طرح نظر آنے لگا۔ اس نے حکیم سے پوچھا کہ اس دوا کے کیا اجزا ہیں۔ دوسرے حکیم نے کہا کہ اس کا جزِ اعظم پاخانے کا کیڑا ہے۔ اس وقت اس کو تنبہ ہوا کہ یہ غیب سے مجھ کو سزا دی گئی تھی کیونکہ میں نے اس کو بے کار خیال کیا تھا حق تعالیٰ نے اس طرح مجھ کو اس کا نفع بتلایا ہے۔

فائدہ: منافع خفیہ سے تو کوئی چیز بھی خالی نہیں گو ہم کو علم نہ ہو۔

حیدر آباد کے ایک مدرس کا واقعہ: حیدر آباد میں ایک مدرس ہمارے اطراف کے وہاں پہنچ گئے' طلباء کے سامنے کتاب کی تقریر کر کے پوچھا سمجھ گئے! انہوں نے اپنے قاعدے کے موافق سر ہلا دیا۔ جس کو انہوں نے انکار پر محمول کر کے دوبارہ تقریر کی اور پوچھا سمجھ گئے تو انہوں نے پھر اسی طرح سر ہلا دیا۔ یہ بڑے پریشان ہوئے۔ تیسری تقریر کر کے پوچھا انہوں نے پھر اسی طرح سر ہلا دیا' اب تو یہ بالکل مایوس ہو گئے اور ایک شخص سے شکایت کی کہ یہاں کے طلباء بڑے غبی ہیں۔ میں نے تین دفعہ ایک مقام کی تقریر کی اور میرے پوچھنے پر یہی کہتے رہے کہ ہم نہیں سمجھے۔ وہ شخص عاقل تھا' دونوں مقامات کے عرف سے واقف تھا' اس نے کہا انہوں نے زبان سے کہا تھا کہ ہم نہیں سمجھے؟ کہا زبان سے نہیں بلکہ انکار کی ہیئت سے سر ہلایا تھا۔ جب انہوں نے بتلایا کہ یہاں کا عرف دوسرا ہے' یہاں اقرار کے لیے بھی سر اسی طرح ہلاتے ہیں۔

فائدہ: بعض احکام عرف کے تغیر سے بدل جاتے ہیں۔

دارا شکوہ اور عالمگیر کی حکایت: دارا شکوہ اور عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ دونوں کو تاج و تخت کی آرزو تھی۔ گو ایک کو دنیا کے لیے اور ایک کو ترقی دین کے لیے' کیونکہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ بزرگ تھے ان کو طمع دنیا کے لیے سلطنت کی خواہش نہ ہوگی' بہر حال دونوں کو بزرگوں سے دعا کرانے کا خیال دامن گیر تھا اور دارا شکوہ کو تو ہر طرح کے فقیروں سے بہت ہی اعتقاد تھا۔ مگر ایسا ہی جیسا کہ آج کل کے بدعتیوں کو ہوتا ہے کہ بھنگڑوں' سنگھڑوں کو ہی بزرگ سمجھتے ہیں۔

چنانچہ ایک دفعہ خبر ملی کہ کوئی بزرگ آئے ہوئے ہیں اور وہ واقعی بزرگ تھے' دارا شکوہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بزرگ نے شہزادہ کی خاطر اس کے لیے اپنی مسند چھوڑ دی' اور فرمایا' شہزادے یہاں بیٹھو' دارا شکوہ نے تو اضعاً عذر کیا۔ انہوں نے دوبارہ فرمایا جب بھی عذر فرمایا کہ میری کیا مجال ہے جو بزرگوں کی جگہ قدم رکھوں' فرمایا بہت اچھا اور وہ اپنی مسند پر بیٹھ گئے' چلتے ہوئے دعا کی درخواست کی کہ مجھے گدی مل جائے۔ فرمایا شہزادے ہم تو آپ کو گدی دے رہے تھے مگر افسوس کہ تم نے اس کو رد کر دیا! اب تو دارا شکوہ کو بڑا رنج ہوا کہ میں نے بڑی غلطی کی جوان کے اصرار کے بعد بھی مسند پر نہ بیٹھا۔ اب یہ فکر ہوئی کہ کسی طرح عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کی خبر نہ ہو اور وہ اس کے پاس نہ آئے۔ مگر عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ بھی حاضر ہوئے' بزرگ نے ان کے واسطے بھی مسند چھوڑ دی اول تو انہوں نے بھی عذر کیا' مگر جب انہوں نے دوبارہ کہا تو چونکہ صاحب علم تھے اس لیے اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ (حکم کو ادب پر فوقیت حاصل ہے) کہہ کر امتثال امر (حکم کے مطابق) کیا اور مسند پر جا بیٹھے' چلتے ہوئے انہوں نے بھی تاج و تخت ملنے کی دعا کی درخواست کی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ تخت تو ہے' باقی تاج میرے قبضہ میں نہیں ہے۔ پوچھا حضرت وہ کس کے قبضے میں ہے' کہا وہ آپ کے ایک ملازم کے قبضہ میں ہے جو آپ کو وضو کراتا ہے۔ اگر وہ اپنے ہاتھ سے آپ کے سر پر عمامہ یا ٹوپی رکھ دے تو تاج بھی آپ کو مل جائے گا۔

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ یہ کیا مشکل ہے' وہ تو ملازم ہے اور بزرگ و متقی آدمی عقدِ اجارہ (شرطِ ملازمت) کے لوازم سے انکار نہیں کر سکتا۔ جب ان کے سپرد ہی یہ کام ہے کہ وضو کرائیں اور کپڑے پہنائیں تو میرے کہنے سے وہ ضرور سر پر ٹوپی یا دستار رکھ دیں گے۔

چنانچہ انہوں نے رکھ بھی دی۔ جیسا کہ آگے آتا ہے' دوسرے خدا کو منظور ہی یہ تھا کہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو تاج و تخت دونوں مل جائیں۔ ورنہ ویسے کسی بادشاہ کی کیا مجال جوان حضرات پر زبردستی کر سکے' دیکھیے ظاہر میں تو یہ شخص عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا نوکر تھا مگر باطن میں زبردست کہ عالمگیر حصول تاج میں ان کی نظرِ عنایت کے محتاج و دست نگر تھے۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق راکیں قوم شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

''یعنی گدایانِ عشق کو حقیر نہ سمجھو' کیونکہ یہ لوگ شاہانِ بے تخت و تاج ہیں۔''

غرض عالم گیر اپنے مکان پر پہنچے اور تھوڑی دیر میں پھر اٹھے اور اسی ملازم کو آواز دی جو وضو

کراتا تھا' وہ وضو کا پانی لے کر حاضر ہوا' عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے عمامہ اتار کر وضو کرنا شروع کیا اور وضو کر کے حکم دیا کہ یہ عمامہ ہمارے سر پر رکھ دو۔ اس نے عذر کیا کہ میری کیا مجال جو آپ کے سر تک ہاتھ لے جاؤں کہاں ہمیں ہمارے سر پر رکھنا ہوگا' مجبور ہو کر ان کے سر پر عمامہ رکھ دیا اور اس فقیر کا نام لے کر بہت کوسا کہ اس کم بخت نے میرا پردہ فاش کر دیا اس کے بعد دہلی سے غائب ہو گئے۔

فائدہ: امتثال امر سب سے بڑا ادب ہے جیسا کہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے امتثال امر کیا اور اس کی برکت سے بادشاہت مل گئی اور ادب کا راز بھی محبوب یا معظم کو راحت پہنچانا ہے۔

بی بی تمیزن کا قصہ: ایک بی بی تمیزن تھی فاسقہ فاجرہ' کسی بزرگ نے اس کو وضو کرایا' نماز پڑھوائی اور نصیحت کی کہ نماز پڑھتی رہنا۔ ایک عرصہ کے بعد وہ بزرگ جو پھر ادھر آئے تو ان بزرگ نے پوچھا پابندی سے نماز پڑھتی ہو؟ کہا جی ہاں' فرمایا وضو بھی کرتی ہو' تو کہتی ہے کہ آپ جو وضو کرا گئے تھے میں اسی سے پڑھ لیتی ہوں۔ یہ حکایت تو کتابی ہے' ایک حکایت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کی ہوئی ہے کہ ایک سقہ کو وضو کرا دیا اور خیال کیا کہ یہ تو ہر وقت پانی میں رہتا ہے اس کو کیا مشکل ہے وضو کرنا' اس کے لیے کوئی خاص تاکید نہیں کی۔ کچھ روز کے بعد دیکھا کہ وہ سقہ بے وضو نماز میں آ کھڑا ہوا' اس سے پوچھا کہ یہ کیا تو وہ کہتا ہے کہ جی اس دن وضو کرا نہیں دیا تھا۔

فائدہ: سو جیسا اس کا وضو پکا تھا کہ نہ بدکاری سے ٹوٹتا نہ ہگنے سے نہ موتنے سے آج کل کی بزرگی بھی ایسی ہی پختہ ہے کہ اس میں کس طرح خلل نہیں آتا۔ حتیٰ کہ اگر نماز بھی نہ پڑھیں تب بھی بزرگ ہیں۔

ایک پیر کا قصہ: حکایت ہے کہ کسی مرید نے نکاح پڑھنے کے لیے اپنے پیر کو نہ بلایا دوسرے کسی آدمی سے نکاح پڑھوالیا' پیر نے سمجھا کہ یہ تو بری رسم نکلی اس سے تو بڑا نقصان ہوگا۔ وہ اس کے گھر پہنچے اور کہا کہ بغیر ہمارے کس نے نکاح پڑھایا ہے' بہت خفا ہوئے اور کہا کہ میں ابھی اس کو ادھیڑتا ہوں بس بیٹھ گئے پڑھنے وَالشَّمْسُ وَضُحٰهَا ادھیڑ بے نکاحا' تمام آیتوں میں اسی طرح جوڑ لگاتے چلے گئے اور کہا کہ ایک دو آیت اور رہتی ہے۔ بس ادھڑا ہی چاہتا ہے۔ اس بے چارے نے پانچ روپے نکال کر دے دیئے اور کہا الجی ایسا مت کرو۔

فائدہ: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پیر کا یہ قصہ اوپر والے قصے کے ضمن میں بیان فرمایا کہ بعض کا

تقویٰ ایسا ہے کہ جو کبھی ٹوٹتا ہی نہیں چاہے کچھ ہی کر لیں' اس کے بعد ہنس کر فرمایا کہ ہاں پیروں کے توڑنے سے نکاح تک ٹوٹ جاتا ہے۔

نادان کی دوستی: الف لیلہ میں ایک حکایت جاہل کی دوستی کی لکھی ہے کہ ایک شخص قاضی کی لڑکی پر عاشق تھا۔ وہ بھی اس کو بلاتی تھی مگر موقع نہ ملتا تھا۔ جمعہ کا دن آیا تو اس نے خیال کیا کہ آج اچھا موقع ہے سب لوگ نماز کے لیے چلے جائیں گے۔ میدان خالی ہوگا' اس سے کہلا بھیجا مگر اس نے خیال کیا کہ محبوبہ کے پاس اچھی ہیئت میں جانا چاہیے' چنانچہ ایک حجام کو بلوا کر خط بنوانے کا ارادہ کیا۔ وہ نائی اس قدر بکی تھا کہ ذرا سا خط بنا لیا اور پھر بک مارنے لگا' اور یہ شخص ادھورا خط چھوڑ کر اٹھ بھی نہیں سکتا تھا' حجام نجومی بھی تھا' کبھی خط چھوڑ کر دھوپ میں جا کھڑا ہوتا کبھی اسطرلاب نکال کر ارتفاع شمس کو دیکھتا' غرض اس نائی نے ایسے قصے پھیلا دیئے کہ جمعہ کا وقت بھی گزرنے لگا۔ یہ شخص اس سے پیچھا چھڑا کر معشوقہ کے مکان میں گیا' نائی صاحب بھی خیر خواہی سے جا کر باہر مکان کے ایک تخت پڑا تھا' اس پر بیٹھ گئے۔ جب قاضی صاحب جمعہ سے واپس ہو کر مکان پر آئے' گھر میں جا کر کسی غلام پر خفا ہو کر اس کو مارنے لگے' وہ رونے چلانے لگا حجام صاحب سمجھے شاید میرے میاں پکڑے گئے اور پٹ رہے ہیں فوراً امداد کے لیے پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ اپنی بیٹی کو نہیں کہتا اس نے تو میرے آقا کو بلوایا ہے' غرض اس نے راز ظاہر کر دیا۔ وہ آقا ڈرا کہ اب پکڑا جاؤں گا بیچارہ اندر مکان کے اس حال کو معلوم کر کے کہیں چھپ کر بھاگا اور چھت پر سے کودا پاؤں ٹوٹ گیا' جانے کس طرح پیچھا چھڑا کر وہاں سے بچا۔

فائدہ: نادان کی دوستی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

رئیس کے ریچھ کا قصہ: ایک رئیس کے یہاں ایک ریچھ پلا ہوا تھا' جب وہ رئیس سوتا تو ریچھ اس کی مکھیاں جھلا کرتا۔ ایک روز اتفاق سے مکھیوں نے بہت زور باندھا' ریچھ اڑاتے اڑاتے دق ہو گیا' اس نے دل میں کہا اچھا میں تمہارا علاج کروں گا' جب مکھیاں اچھی طرح آقا کے منہ پر بیٹھ گئیں اس نے بڑا سا پتھر لا کر ان مکھیوں کے مارا' مارا تو تھا مکھیوں کو مگر وہاں آقا صاحب ہی کا منہ چکنا چور ہو گیا۔

فائدہ: نادان کی دوستی مضر اور تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ: ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے پاس کسی امیر نے ایک بیش قیمت موتی ہدیہ بھیجا' خادم نے پیش کیا' فرمایا الحمدللہ اور حکم دیا کہ اس کو رکھ لو' خادم نے رکھ لیا اتفاق سے وہ موتی چوری ہو گیا۔ خادم نے یہ واقعہ بھی عرض کیا' ان بزرگ نے فرمایا' الحمدللہ خادم کو بڑا تعجب ہوا' اس نے دوسرے وقت پوچھا کہ حضرت مجھے بڑی حیرت ہے وہ یہ کہ جب موتی حضور کی خدمت میں آیا تھا اس وقت بھی آپ نے الحمدللہ فرمایا تھا اور ضائع ہونے کی خبر معلوم ہونے پر یہی الحمدللہ فرمایا اس میں کیا راز ہے؟ آنا جانا دونوں پر کیسے خوشی ہو سکتی ہے' فرمایا میں نے نہ آنے پر الحمدللہ کہا نہ جانے پر' بلکہ جس وقت آیا تھا میں نے قلب کو دیکھا کہ آنے پر کچھ خوشی نہیں ہوئی اس پر میں نے الحمدللہ کہا تھا' اسی طرح جاتے رہنے پر میں نے قلب میں کچھ رنج نہیں پایا اس لیے میں نے الحمد للہ کہا۔

فائدہ: اہل اللہ کی یہی حالت ہوتی ہے۔

ایک قیمتی آئینہ: کسی امیر نے ایک بزرگ (غالباً عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ) کی خدمت میں ایک چینی آئینہ بہت قیمتی ہدیۃً بھیجا تھا وہ بزرگ کبھی کبھی اس میں اپنا منہ دیکھا کرتے تھے اتفاقاً وہ آئینہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اس کو بڑا ہی ڈر ہوا کہ دیکھیے کیا ہوگا کیسا جلال آئے گا' جب خادم کو عتاب کا ڈر ہوا تو اس نے سوچا کہ بزرگ زندہ دل ہوتے ہیں لاؤ شاعری بگھاروخوش ہو کر کچھ نہیں کہیں گے' چنانچہ وہ حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

''از قضاء آئینہ چینی شکست'' آپ فی البدیہہ فرماتے ہیں: ''خوب شد اسباب خود بینی شکست'' یعنی اس آئینہ کا بھی جھگڑا تھا خود بینی کا سبب تھا اچھا ہوا ٹوٹ گیا۔ پاپ کٹا۔

فائدہ: اہل اللہ کے دنیوی تعلقات کی یہ حالت ہوتی ہے کہ انہیں کسی چیز کے نہ آنے سے فرحت ہوتی ہے اور نہ جانے سے غم' اسی انقطاع تعلق کو کہتے ہیں۔

تابدانی ہر کہ رایزداں نخواند از ہمر کار جہاں بیکار ماند

یعنی جسے اللہ تعالیٰ اپنا بنا لیتے ہیں اسے تمام دنیا کے کاروبار سے بیکار کر دیتے ہیں' مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ زراعت' تجارت' بیوی' بچے سب چھوٹ جاتے ہیں' بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے دل کو کوئی خاص لگاؤ اور تعلق نہیں رہتا بلکہ خاص لگاؤ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالیہ سے ہوتا ہے۔

حلال کمائی کی برکت: ایک شخص عبداللہ شاہ تھے دیو بند میں جو گھاس بیچتے تھے جو ملتا اس میں

ایک حصہ اپنی والدہ کو دیتے اور ایک حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور باقی اپنے خرچ میں لاتے۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات کی دعوت کی۔ مولانا نے فرمایا کہ دعوت کہاں سے کرو گے‘ تمہارے پاس ہے ہی کیا؟ کہنے لگے جو حصہ خیرات کا نکالتا ہوں اسی سے دعوت کر دوں گا‘ غرض پانچ آنے جمع کیے اور حضرت مولانا کے پاس لائے‘ اور کہا کہ تم ہی پکالیجیو‘ میں کہاں جھگڑا کروں گا‘ اگر دنیا دار بھی اس طرز کو اختیار کر لیں تو کیسا اچھا ہو۔ مہمان تھے کئی اور پیسے صرف پانچ آنے‘ بزرگ مہمانوں کا مشورہ ہوا کہ کوئی سستی سی چیز تجویز کی جاوے‘ چنانچہ میٹھے چاول گڑ کے تجویز کیے بڑی احتیاط سے پکوائے گئے‘ کوری ہانڈی منگائی گئی‘ پکانے والے کو وضو کرایا گیا‘ غرض ہر طرح کی احتیاط کی گئی‘ وہ چاول تھے ہی کتنے ایک ایک دو دو لقمہ کھالیے۔ مولانا خود فرماتے تھے کہ ان دو لقموں کی برکت دیکھی کہ ایک ماہ تک قلب میں انوار و برکات محسوس ہوتے تھے۔ ایک ماہ کامل یہ اثر رہا۔

فائدہ: حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں‘ میں کہتا تھا کہ جس کی کمائی کے ایک لقمہ کا یہ اثر ہے تو جو دن رات اسی کو کھاتا ہے اس کی کیا حالت ہوگی‘ دوستو! اگر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل محبت ہوگی تو یہ بات پیدا ہو جائے گی۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے ایک افیونی مرید کا قصہ: ایک گنوار شخص حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ مولوی جی مجھے مرید کرلو‘ حضرت نے فرمایا اچھا بھائی آ‘ مرید کرتے ہوئے جو باتیں کہلواتے ہیں کہ نماز پڑھا کرو اور روزہ رکھا کرو‘ سب کچھ کہلوایا‘ جب مولانا رحمہ اللہ اپنی باتیں پوری فرما چکے تو آپ کہتے ہیں کہ مولوی جی تم نے افیم سے تو توبہ کرائی نہیں‘ مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھائی مجھے کیا خبر تھی کہ تو افیم بھی کھاتا ہے‘ چونکہ طبیب بھی تھے جانتے تھے کہ دفعتہً افیون کا چھوڑنا مشکل ہے اور طالب کی حالت کی رعایت ضروری ہے آپ نے فرمایا کہ کتنی کھایا کرتے ہو‘ میرے ہاتھ پر رکھ دو اس نے گولی بنا کر حضرت کے ہاتھ پر رکھ دی‘ حضرت نے اس میں سے کچھ کم کر کے باقی اس کو دے دی اور فرمایا کہ اتنی کھالیا کرو‘ پھر مشورہ کر لینا‘ وہ شخص کچھ دیر خاموش بیٹھ کر کہنے لگا اجی مولوی جی جب توبہ ہی کر لی پھر اتنی اور اتنی کیا یہ کہہ کر چلا گیا نہ ذکر پوچھا نہ ہی کوئی وظیفہ‘ افیون کے چھوڑنے سے دست آنے لگے۔ اس نے کہلا بھیجا کہ مولوی جی دعا کرو کیونکہ میں اچھا ہو جاؤں مگر افیون نہ کھاؤں گا۔ غرض بری حالت تک نوبت پہنچی مرتے

مرتے بچا مگر اچھا ہو گیا' تندرست ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے کہا کون؟ کہا میں ہوں افیم والا' اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد دو روپے پیش کیے مولانا نے کسی قدر عذر کے بعد دل جوئی سے قبول فرما لیے تو آپ کہتے ہیں کہ اجی مولوی جی یہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں کہ یہ کیسے روپے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی اب بتلا دے کیسے روپے ہیں۔ اس نے کہا کہ روپے افیم کے ہیں' حضرت نے کہا کہ کیسے اس نے کہا دو روپے مہینے کی افیم کھاتا تھا' جب میں نے افیم سے توبہ کی تو نفس بڑا خوش ہوا کہ اب دو روپے ماہوار بچیں گے' میں نے کہا یہ تو دین میں دنیا مل گئی۔ بس میں نے نفس سے کہا یہ یاد رکھو یہ روپیہ تیرے پاس نہ چھوڑوں گا۔ یہ مت سمجھ کہ تجھے دے دوں گا بلکہ اسی وقت نیت کر لی جتنے کی افیم کھایا کرتا تھا وہ پیر کو دیا کروں گا' بس یہ دو روپے ماہوار آپ کے پاس آیا کریں گے۔

فائدہ: دیکھا آپ نے' یہ گنوار کی حکایت ہے' جو تھا تو بے پڑھا لکھا مگر دین کی ایسی سمجھ تھی کہ دین میں دنیا کی ملاوٹ کو فوراً سمجھ گیا' یہ وہ بات ہے کہ اچھے بھلے لوگوں کی بھی سمجھ میں نہیں آتی' البتہ کامل لوگوں سے ایسے واقعات منقول ہیں۔

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک جہاز میں بیس مٹکے شراب کے خلیفہ وقت کے واسطے آئے تھے۔ آپ بھی دریا کے کنارے ٹہلتے ہوئے پہنچے۔ جہاز والے سے پوچھا کہ اس میں کیا چیز ہے؟ اس نے کہا خلیفہ کے واسطے شراب آئی ہے' آپ نے مٹکوں کو توڑنا شروع کیا۔ انیس توڑ دیئے صرف ایک باقی رہ گیا تھا کہ اس کو آپ نے چھوڑ دیا' اس واقعہ کی خبر خلیفہ کو پہنچی' خلیفہ کو غصہ آیا اور ان کو پکڑ لانے کا حکم ہوا۔ حاضر کیے گئے' خلیفہ نے ایسی جرات کی وجہ دریافت کی تو آپ نے کہا حق تعالیٰ کا حکم ہے وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ۔ ترجمہ: حکم کر نیکی کا اور روک برائی سے اور جو تکلیف تجھ کو پہنچے اس پر صبر کر۔"

خلیفہ نے کہا کہ ایک کو کیوں چھوڑ دیا' فرمایا اس کے توڑنے میں نفس کی آمیزش ہو گئی تھی' اس لیے چھوڑ دیا' وہ اس طرح کہ جب انیس مٹکے توڑ چکا تو نفس کے اندر خیال ہوا کہ تو نے بڑا کام کیا کہ خلیفہ کی بھی پروانہ کی۔ اس بات پر نفس پھولا تو میں نے ایک چھوڑ دیا کیونکہ وہ کام خالص اللہ کے واسطے نہ رہا تھا' خلیفہ پر اس اخلاص کا یہ اثر ہوا کہ ان کا معتقد ہو گیا اور محتسب

(کوتوال) شہر بنا دیا۔ اسی طرح نفس کی کید کی طرف اس گنوار کا فہم بھی پہنچا۔ یہ حکایت (گنوار کی) اس پر یاد آ گئی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ دین اختیار کرنے سے فہم بھی درست ہو جاتا ہے۔

یہ تو معنوی نعمت تھی، باقی حسی (ظاہری) نعمتیں بھی ایسے لوگوں کو اوروں سے زیادہ عطا ہوتی ہیں، چنانچہ سب نعمتوں کی روح اطمینان ہے۔ اور ایسے لوگوں کو اس قسم کا اطمینان میسر آتا ہے جو مال سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

ایک جنٹل مین کا قصہ: ایک ادچھے صاحب تھے جنٹل مین، گھر کے غریب تھے، اس لیے کوٹ پتلون بھی صرف سوتی کپڑوں کا تھا جس میں ذرا گرمی نہ تھی، جاڑے کا موسم، ریل میں سفر کر رہے تھے، جنٹل مین لباس پہنے ہوئے تھے، کان بھی کھلے ہوئے، سر بھی کھلا ہوا، ایک انگریز نے لیمن پانی اور برف پیا، آپ نے بھی تقلید میں برف پیا بس اینٹھ گئے، ایک اور صاحب جو مجھ سے اس حکایت کو بیان کرتے تھے اس درجہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس رضائی تھی ان کو صاحب بہادر کے حال پر رحم آیا انہوں نے کہا رضائی لیتے ہو کچھ انکار نہ کیا چپکے سے لے لی، سب اینٹھ مروڑ نکل گئی۔

فائدہ: خدا کے بندے کو اس حالت میں بھی برف پینا یاد رہ گیا تھا، مگر صاحب بہادر کیسے بنیں اگر ایسا نہ کریں، وہی مثل ہے:

کرد	در گوش	کبک	تگ	کلاغے
کرد	فراموش	را	خویشتن	تگ

''جنگلی کوے نے چکور کی چال اختیار کی تو اپنی چال بھی بھول گیا۔''

ایک ایسا ہی قصہ: ایک اور صاحب بہادر ریل میں سفر کر رہے تھے اور ایک مولوی پرانے خیال کے سیدھے سادے چلن کے بھی اسی درجہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ صراحی تھی اس میں انہوں نے پانی بھر کر رکھ لیا تھا، کیونکہ راستہ میں پانی کی کمی تھی، آپ صراحی کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ کیا بھنگیوں کا سا برتن لیا ہے، انہوں نے کہا کہ جیسا میں ہوں ویسا ہی میرا برتن ہے، چونکہ بے چارے نے سادے کپڑے پہن رکھے تھے اور ایسے لوگوں کی آج کل کچھ قدر نہیں بلکہ ایسے لوگوں کہ یہ لوگ دقیانوسی خیال کرتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے ایسی بے باکی سے گفتگو کی۔ صاحب بہادر کو اتفاق سے پیاس لگی اور پانی ساتھ رکھنا خلاف تہذیب تھا اب لگے کن انکھیوں سے مولوی صاحب کی صراحی کو تکنے مگر شرم کے مارے مانگے کیسے۔ واقعی کریم النفس اہل اللہ پر ختم ہے۔

مولوی صاحب کو ان کی حالت پر رحم آیا کوئی اور ہوتا تو کبھی رحم نہ کرتا۔ انہوں نے قرائن سے معلوم کر لیا کہ اس کو پیاس لگی ہے مگر شرم کی وجہ سے کہہ نہیں سکتے تو یہ مولوی صاحب بہ تکلف آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے اور تھوڑی ہی سی دیر میں مصنوعی خراٹے بھرنے لگے تاکہ یہ صاحب سمجھیں کہ سو رہے ہیں، جب اپنے خیال میں انہوں نے سوتا ہوا سمجھ لیا تو اپنی جگہ سے اٹھے صراحی سے پانی پینے کی غرض سے، یہ بھی چپکے چپکے دیکھتے رہے، صاحب بہادر نے صراحی اٹھائی مگر ڈرتے جاتے ہیں کہیں جاگ نہ جائیں۔ مگر اس وقت انہوں نے کچھ نہیں کہا، اس خیال سے کہ بے چارے غریب کو پانی پی لینے دو پیاسا نہ رہ جائے، دیکھیے کیا حوصلہ ہے اہل اللہ کا، غرض آپ نے خوب پانی پیا، جب پانی پی کر صراحی رکھنے لگے تو مولوی صاحب نے فوراً ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، ہائیں آپ نے بھنگیوں کے برتن سے پانی کیسے پی لیا، اب تو بڑے خفیف ہوئے، اور کہا معاف کیجئے میں اپنی بات کو واپس لیتا ہوں واقعی مجھ سے حماقت ہوئی، پھر جو صاحب بہادر کو معلوم ہوا کہ مولانا کسی اسکول کے پروفیسر بھی ہیں اب تو لگے تعظیم کرنے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ: میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تادیباً اپنی بیبیوں کے پاس جانے کی قسم کھائی تھی، اور مشہور ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو طلاق دے دی ہے تو سب لوگ رو رہے تھے۔ اس حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی مگر اجازت نہیں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شبہ ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا ہو کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کرنے آئے ہیں اور اگر ایسا ہوا تو ان کی سفارش ماننی پڑے گی اس لیے اجازت نہیں ملی، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پکار کر عرض کی حفصہ رضی اللہ عنہا کا سر اتار لاؤں میں صرف واقعہ معلوم کرنے آیا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آنے کی اجازت دے دی، وہ حاضر ہوئے، اس کے بعد ان کی نظر دولت خانہ کی ہیئت پر پڑی تو دیکھا کہ گدے میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے ہیں اور کچھ چمڑے لٹکے ہوئے تھے، بس یہ کائنات تھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی، نہ بکس، نہ الماری نہ میز کرسی، نہ بنگلہ نہ کوٹھی، نہ اور کوئی سامان، اس حالت کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنسو جاری ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قیصر و کسریٰ خدا کے دشمن صلیب پرستی کرنے والے ان کے پاس تو ساز و سامان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے دعا کیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر دنیا کی وسعت فرما دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب سے یہ نہ کہا کہ

آپ ﷺ پر وسعت فرمادیں جیسے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے خادموں کو ایسا کر دیں۔ حضور ﷺ ان کی بات سن کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا۔ افی شك انت عمر اے عمر تم ابھی تک شک ہی میں ہو'ان لوگوں کو تو جو ملنا تھا سب دنیا میں مل گیا ہے' وہاں کچھ نہیں۔ اور ہمارے لیے آخرت کی راحت ہے۔ یہ حضور ﷺ کا ارشاد اور یہ معاشرت ہے۔

آج کل کے لوگوں کا خیال ہے یہ حدیث مولویوں کی گھڑی ہوئی ہے' میں کہتا ہوں کہ تمہارے نزدیک تاریخ تو گھڑی ہوئی نہیں' تاریخ ہی کو دیکھ لیجئے کہ حضور ﷺ کے یہاں دنیا کم تھی یا زیادہ' سو حدیث میں بھی ہے اور تاریخ میں بھی ہے کہ دنیا آپ ﷺ کے پاس بہت کم تھی۔ یہ حالت تھی کہ بعض دفعہ آپ ﷺ کے یہاں مہمان آئے ہیں' پوچھنے پر آپ ﷺ کے سارے گھروں سے جواب آیا کہ گھر میں پانی تو ہے اور کچھ نہیں' کیا اس واقعہ سے نہیں معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ صرف دین ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

فائدہ: پورا قرآن دیکھ جایئے' کہیں دنیا کو مقصود بنا کر ذکر نہیں کیا گیا جہاں بھی ذکر ہے' بالذات دین ہی کا ہے' اسی کے ساتھ کسب حلال سے منع نہیں کیا جاتا۔ حدیث ہے کَسْبُ اُلْحَلَال فَرِيْضَة' البتہ حب دنیا سے منع کیا جاتا ہے۔ حُبُّ الدُّنْيَا رَاسُ كُلّ خَطِيْئَة دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

ایک مولوی صاحب کا قصہ: ایک مولوی صاحب جو ایک دینی مدرسہ میں ملازم تھے مگر لکڑیوں کی تجارت بھی کرتے تھے' خود اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ مدرسہ کے وقت میں طلبہ کو پڑھانے بیٹھے ہیں کہ گاہک آ گیا اور اس نے لکڑی کا سودا کرنا چاہا پس مولوی صاحب کشمکش میں پڑ گئے' اگر اٹھتے ہیں تو مدرسہ کا حرج' اگر نہیں اٹھتے ہیں تو خریدار لوٹ جاتا ہے۔ مجبوراً اس سے کہتے ہیں کہ بھائی ابھی اٹھتا ہوں ذرا ٹھہرو' اس میں تھوڑا جھوٹ بھی تھا' غرض ان کا دل ٹوٹ جاتا ہے' سبق میں کچھ بیان کر جاتے ہیں پہلے تو طالب علموں کو ہنسی خوشی بتلا رہے تھے' اب دل دوسری طرف ہو گیا' طلبہ کچھ پوچھتے ہیں اور پوچھنے کے سبب اٹھنے میں دیر ہوتی ہے' تو ان پر جھنجھلاتے ہیں غصہ ہوتے ہیں۔

فائدہ: پس علماء کے دنیا میں مشغول ہونے کا یہی اثر ہوتا ہے کہ وہ دین کا کام پوری طرح نہیں کر سکتے۔

انہی صاحب کا دوسرا قصہ: وہ یہ ہے کہ ایک روز میں راستہ میں جا رہا تھا' ایک بڑھیا اپنے دروازہ میں جھانک رہی تھی' مجھ کو دیکھ کر بولی کہ بیٹا یہاں آنا' میں گیا تو بولی کہ ایک مسئلہ بتادو' وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ دینا مدرسہ میں جائز ہے یا نہیں۔ میں نے مسئلہ بتایا' پھر کہنے لگی کہ میں نے ان سے (یعنی لکڑیوں والے مولوی صاحب سے) بھی پوچھا تھا انہوں نے بھی تمہارے موافق بتلایا مگر مجھ کو ان کا یقین نہ ہوا کہ شاید اپنے مطلب کو کہتے ہوں' اب تمہارے بتلانے سے یقین ہوا کیونکہ تم پر یہ شبہ نہیں۔ خیر میں نے بڑی بی کو سمجھا دیا کہ' ایسا گمان علماء پر جائز نہیں۔

فائدہ: یہ ہے علماء کے دنیا میں مشغول ہونے کا نتیجہ' تو معلوم ہو گیا کہ مسائل تک میں ان کا اعتبار نہیں رہتا۔

ایک کابلی کی حکایت: ایک کابلی مولوی صاحب مجھ سے حکایت بیان کرتے تھے کہ میں ایک وزیر ریاست کے پاس بیٹھا تھا۔ وزیر صاحب داڑھی صاف کر رہے تھے' میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسا حسین چہرہ دیا ہے مگر جو چیز چہرہ کی زینت ہے اس کو آپ مٹا دیتے ہیں' اس کہنے سے وہ کچھ شرما گئے۔ ایک دوسرے مولوی صاحب ان کے ہاں اور بیٹھے تھے وہ خوشامد میں کیا کہتے ہیں کہ داڑھی کبھی نہ رکھنا چاہیے اور وجہ یہ بیان کی کہ اس میں جوئیں پڑ جاتی ہیں' اور باہم زنا کرتی ہیں' میں نے کہا پھر یہ چکلہ آپ نے کیوں رکھ چھوڑا ہے' اور باہر آ کر میں نے ان مولوی صاحب کو بہت لتاڑا اور کہا تم کو خوف نہ ہوا کہ ایسی باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے' تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ جب ہم مکان سے چلتے ہیں تو ایمان فلاں نالہ پر چھوڑ آتے ہیں۔

فائدہ: سو علماء کے لیے امراء کا اختلاط ایسا سم قاتل ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جو چیز علماء کے پاس ہے (یعنی علم) امراء کو بذات خود اس کی ضرورت نہیں اور جو چیز امراء کے پاس (یعنی مال) علماء کو اس کی ضرورت ہے اس واسطے ان امراء کے پاس جا کر لجانا پڑتا ہے' اس لیے حق بات نہیں کہہ سکتے بس علماء کو تو آزاد رہنا چاہیے۔

اکابر دیوبند کا بے نظیر استغناء: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ کو ایک صاحب ملازم رکھنا چاہتے تھے' تو آپ نے فرمایا کہ علمی لیاقت تو مجھ میں ہے نہیں اس لیے بڑا کام تو میں کر نہیں سکتا' البتہ قرآن پاک کی تصحیح کر لیا کروں گا۔ اس میں دس روپیہ ماہوار دے دیا کرو (اللہ! کیا تواضع اور زہد ہے) اسی زمانہ میں ایک ریاست سے تین سو روپیہ ماہانہ کی نوکری آ گئی' مولانا

جواب میں لکھتے ہیں کہ آپ کی یاد آوری کا شکر گزار ہوں مگر مجھ کو یہاں دس روپے ملتے ہیں پانچ روپے تو میرے اہل وعیال کے لیے کافی ہو جاتے ہیں اور پانچ بچ جاتے ہیں' آپ کے یہاں سے جو تین سو روپے ملیں گے ان سے پانچ روپے تو خرچ میں آئیں گے' آگے دو سو پچانوے جو بچیں گے میں ان کا کیا کروں گا۔ مجھ کو ہر وقت یہی فکر لگا رہے گا کہ ان کو کہاں خرچ کروں' اس لیے معذور ہوں' غرض تشریف نہیں لے گئے' اسی کے ساتھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کو بھی لکھا تھا اور سو روپے تنخواہ لکھی تھی' مولانا نے دوسرا جواب دیا کہ میں آ سکتا ہوں مگر تین سو روپے سے کم پر نہیں آ سکتا۔ حضرت مولانا قاسم صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مولانا ذرا سنبھل کر جواب لکھیے' اگر تین سو روپے کی منظوری پر طلبی آ گئی تو وعدہ پر جانا پڑے گا تو مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے اس کے ساتھ یہ جملہ بھی بڑھا دیا کہ مگر اس میں ایک شرط ہے' وہ یہ کہ جب چاہوں گا یہاں رہوں گا' جب چاہوں گا وہاں رہوں گا۔

وہ رئیس صاحب سمجھ گئے کہ ان حضرات کو آنا ہی منظور نہیں' اور واقعی جانا تھوڑا ہی منظور تھا' مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے یہ بات ظرافت کے طور پر لکھ دی تھی' اللہ اکبر کس قدر استغناء تھا ان حضرات میں' واقعی اہل اللہ کے دل پر مال کی کثرت سے بھی بار ہوتا ہے' ان کو خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے اس کے حقوق ہم سے ادا ہوں یا نہ ہوں؟

مثنوی کی ایک حکایت: مولانا روم رحمہ اللہ نے مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے ایک گودنے والے سے کہا' میری پیٹھ پر شیر کی تصویر بنا دو' تا کہ کمر میں قوت رہے' وہ تصویر بنانے بیٹھا اور سوئی چبھوئی' اس نے ایک آہ کی' اور پوچھا کہ کیا بناتے ہو' اس نے کہا دم بناتا ہوں' آپ بولے کہ دم نہ بناؤ یہ کوئی مکھیاں تھوڑا اڑائے گی' اس نے دم چھوڑ کر دوسری طرف سوئی چبھوئی' پھر آہ کی' اور پوچھا اب کیا کرتے ہو' اس نے کہا کہ سر بناتا ہوں۔ آپ نے کہا' یہ کوئی دیکھے گا تو تھوڑا ہی' ایسا ہی رہنے دو' پھر اس نے پیٹ بنانا چاہا تو' آپ کہتے ہیں کہ کوئی کھائے گا تھوڑا ہی' غرض' جس عضو کو بناتا تھا آپ یہی کہتے تھے کہ اس کو کیوں بناتے ہو' اس پر بنانے والے نے سوئی پھینک دی اور کہا

شیر بے گوش و سر وشکم کہ دید ایں چنیں شیر خدا ہم نافرید

ترجمہ: شیر بغیر کان اور سر پیٹ کا کس نے دیکھا ہے' ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا میں

کیا بناؤں گا۔

آگے مولانا فرماتے ہیں:

چوں نداری طاقت سوزن زدن از چنیں شیر زیاں بس دم مزن

یعنی اگر تمہارے اندر اتنی بھی طاقت نہیں کہ سوئی کو برداشت کر سکو تو شیر کا نام بھی مت لو۔

توکل کی تعلیم: ایک بزرگ نے اپنے بچہ کو شروع ہی سے توکل کی عملی تعلیم اس طرح دی تھی کہ اس کی ماں سے کہہ دیا کہ اس کو روٹی کپڑا تم خود مت دیا کرو، جب یہ کھانا مانگے' اس سے کہہ دو کہ بھائی خدا سے مانگو ہم بھی اسی سے مانگتے ہیں اور ایک الماری مقرر کر دی تھی جس میں کھانا پہلے سے رکھ دیا جاتا تھا اور لڑکے سے کہہ دیا کہ وہاں جا کر خدا سے دعا کرو پھر الماری کھولو جو کچھ تیری قسمت میں ہوگا مل جائے گا' بچہ وہاں جاتا اور دعا کرتا اور روزانہ وہاں سے کھانا لے لیتا۔

ایک دن اس کی ماں کھانا رکھنا بھول گئی بچہ اپنے معمول کے موافق الماری پر گیا اور خدا سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے کھانا دے دے، پھر الماری کھولی تو وہاں کھانا موجود تھا' اس کی ماں نے یہ واقعہ ان بزرگ صاحب سے بیان کیا انہوں نے سجدۂ شکر ادا کیا اور بیوی سے کہا کہ بس اب تم وہاں کھانا مت رکھا کرو' اب غیب سے امداد شروع ہو گئی اور یہ بچہ کھانے پینے کی فکر سے چھوٹ گیا۔

فائدہ: دنیا میں بڑی فکر اسی کی ہوتی ہے' اگر اسی طرح ہم بھی طلبہ کی روحانی تربیت کریں اور از خود ان کی خدمت کرتے رہا کریں تو ان میں استغناء کی شان پیدا ہو جائے گی۔

توکل اور استغناء: ایک حافظ صاحب لکھنؤ کے جو قاری بھی تھے' حج کرنے گئے تھے' واپسی پر جب وہ جہاز سے اتر کر وطن کو چلے' تو راستہ میں لٹ گئے' ایک پیسہ بھی پاس نہ رہا مگر اللہ کے بندے نے کسی سے بھی سوال نہ کیا' پیدل چل پڑے' راستہ میں کسی بستی میں راحت لینے کے خیال سے ٹھہرے' اس وقت ان پر کئی وقت کا فاقہ تھا' ایک مسجد میں ٹھہر گئے اور کسی سے اپنی حاجت کا ذکر نہیں کیا' قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے' لوگوں نے قرآن سنا معتقد ہو گئے' اس بستی میں کوئی رئیس تھے لوگوں نے ان تک بھی خبر پہنچائی کہ ایک قاری صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں' بہت عمدہ قرآن پڑھتے ہیں مگر بے چارے خستہ حال ہیں' راستہ میں کہیں لٹ گئے ہیں۔

پہلے زمانہ میں روساء کو علم کی قدر تھی اور اہل علم کی خدمت بھی بہت کیا کرتے تھے' وہ رئیس

قاری صاحب کے پاس مسجد میں مع سامان خدمت نقد و پارچہ وغیرہ لے کر حاضر ہوئے اور قرآن سننے کی درخواست کی اولاً انہوں نے عذر فرمایا کہ میں جب نماز میں پڑھوں گا سن لیجئے گا انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے کچھ پڑھ دیا قرآن سن کر عجب حالت ہوگئی اور اس وقت ایک خوان میں وہی جوڑے اور اشرفیاں جو کہ لائے تھے پیش کیں۔

قاری صاحب نے فرمایا کہ اس وقت جتنی چیزیں آپ نے پیش کی ہیں' مجھے ان سب کی ضرورت ہے' مگر چونکہ آپ نے قرآن سن کر یہ ہدیہ پیش کیا ہے اس لیے میں اس کو قبول نہیں کر سکتا' یہ تو قرآن کا بیچنا ہوا۔ اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ اب تو اگر سلطنت بھی دو گے تو نہ لوں گا۔ اگر تم قرآن سننے سے پہلے دیتے تو میں قبول کر لیتا' باقی اس وقت لینا تو سراسر قرآن کو بیچنا ہے۔

فائدہ: بعض رئیسوں کو خدمت کرنے کا شوق تو ہوتا ہے' مگر خدمت کا طریقہ نہیں آتا۔ پس اہل اللہ کو دین کی غیرت ایسی ہی ہونی چاہیے جیسی ان قاری صاحب کو تھی۔ اور دین کی غیرت کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ مگر یہ کب ہوگا' یہ جبھی ہو سکتا ہے جب کہ دونوں طرف سے خیال ہو' علماء استغناء سے رہیں اور عام لوگ ان کی خدمت خود کرتے رہیں ورنہ یہ حاجت ایسی چیز ہے کہ کبھی نہ کبھی اہل اللہ کو بھی رہتی ہی ہے جس میں آدمی بعض اوقات بے اختیار ہو جاتا ہے۔

حاجت چھپتی نہیں: ایک رئیس نے ایک باورچی ملازم رکھا تھا' جس کی خشک تنخواہ مقرر کی' باورچی خشک تنخواہ پر بہت کم رہتے ہیں مگر اس نے یہ خیال کر کے منظور کر لی کہ آخر تھوڑا بہت کھانا تو بچے گا ہی' میں اسی میں گزر کر لوں گا۔ اب اس نے کھانا پکایا تو' اول تو اس کو سامان ہی اتنا ملا جو بالکل نپا تلا تھا۔ پھر وہ کھانا سامنے لایا تو یہ خیال کیا کہ ایک دو روٹی تو بچے ہی گی' ایسا بھی کیا ہے کہ سارے کا صفایا کر دیں گے۔ رئیس نے کھانا شروع کیا اور باورچی نے روٹیاں گننا شروع کیں' اس اللہ کے بندے نے سب ہی ختم کر دیں' اس نے سوچا کہ سالن بچ گیا ہے' میں اسی کو پی کر گزارا کر لوں گا۔ رئیس نے سالن کا برتن بھی صاف کرنا شروع کر دیا۔ اس میں کچھ بوٹیاں اور ایک ہڈی تھی۔ باورچی نے خیال کیا کہ ایک آدھ بوٹی تو بچے گی وہ بھی ختم ہوئی تو سوچا کہ خیر ہڈی ہی چوس لوں گا مگر رئیس نے ہڈی بھی چوسنے کو اٹھائی اب تو باورچی سے نہ رہا گیا' بے ساختہ بڑے زور سے منہ سے نکلا کہ ہائے ہڈی بھی چوس لی' رئیس چونک اٹھا کہ کیا بات ہوئی معلوم ہوا

کہ یہ حضرت بڑی دیر سے مراقبہ میں ہیں۔

فائدہ: یہی حال ہر ضرورت مند کا ہے جب آدمی صبر کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو احتیاج زبان پر آجاتی ہے البتہ کوئی بڑا ولی کامل ہو جس کو توکل کی پوری قوت نصیب ہو وہ ہرگز اپنی احتیاج کسی پر ظاہر نہیں کر سکتا۔

سونے کی سوئیاں: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ کے پاس سلطنت چھوڑنے کے بعد ایک وزیر آیا کہ آپ کے سلطنت چھوڑ دینے سے لوگوں کو قلق ہے۔ فرمایا الحمد للہ مجھے قلق نہیں فقیری میں بہت راحت ہے۔ اس نے پوچھا کہ فقیری میں کیا راحت ہے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ سارا کام آپ کو خود ہی کرنا پڑتا ہے' نہ کوئی نوکر نہ خادم' اس میں تو سخت تکلیف ہے' جب اس نے بہت ہی اصرار کیا تو آپ نے اپنا ایک ظاہری تصرف دکھلایا کہ سمندر کے قریب جا کر ایک سوئی اس میں پھینک دی اور فرمایا کے اے سمندر کی مچھلیو! میری سوئی سمندر میں گری ہے نکال کر دے دو' صدہا مچھلیاں چاندی سونے کی سوئیاں منہ میں لیے کھڑی ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا وہی سوئی لوہے کی میری لا دو' ایک مچھلی آئی اور وہی سوئی لے کر رکھ گئی اس وقت وزیر کو معلوم ہوا کہ اس فقیری سے حضرت ابراہیم کو اتنی عظیم الشان سلطنت حاصل ہو گئی ہے کہ ہر چیز ان کے کہنے میں ہے۔

فائدہ: یہ اس کے مذاق کے موافق آپ نے ایک مثال دکھلا دی' ورنہ اصل دولت کے سامنے یہ کیا چیز ہے۔

موت سے پہلے مر نہیں سکتا: ایک شخص ایک انگریز کا واقعہ بیان کرتے تھے' کہ اس کو کسی نے کچھ تہمت لگائی تو بدنامی کے رنج سے اس نے استرہ لے کر اپنا گلا کاٹ لیا اور کمرے کو اندر سے بند کر لیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد نالی میں سے جو خون نکلا تو ملازم گھبرایا کہ یہ خون کیسا ہے۔ اس نے کمرے کے کواڑوں میں جو اوپر آئینے لگے ہوئے تھے ان میں سے جھانکا تو دیکھا کہ صاحب بہادر کا گلا کٹا ہوا پیچھے کو گرا ہوا ہے' مگر کھال اٹکی ہے اور خون بہہ رہا ہے اس نے فوراً پولیس اور ڈاکٹر کو اطلاع دی۔ سب نے آ کر کواڑ کھولے اور ڈاکٹر نے لاش کا معائنہ کیا۔ اس وقت ڈاکٹر کو یہ معلوم ہوا کہ بدن میں کچھ حرارت باقی ہے اور رگیں سب نہیں کٹیں' تو اس نے جلدی سے سر اٹھا کر سیدھا کر کے جما دیا' اور گلے میں فوراً ٹانکے لگا کر کوئی اور دوا لگا دی۔ شام تک اس مردے نے آنکھیں کھول دیں اور چند روز میں مقوی دوائیں کھا کھا کر چلنے پھرنے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ

بالکل اچھا خاصا ہو گیا صرف ایک عیب ہو گیا تھا کہ گنگنا بولتا تھا نہ معلوم حلقوم کی کون سی رگ خراب ہو گئی تھی۔

شیخ چلی: ایک شخص نے دو پیسے کی مزدوری پر تیل کا گھڑا اس سے اٹھوایا کہ فلاں جگہ تک پہنچا دو' آپ گھڑا سر پہ رکھے ہوئے چلے اور راستہ میں تجویزیں بنانے لگے کہ ان دو پیسوں کے دو انڈے لاؤں گا' ان کے بچے نکلواؤں گا اس طرح میرے پاس بہت سی مرغیاں ہو جائیں گی پھر ان کو بیچ کر بکریاں خریدوں گا ان میں بھی اس طرح سلسلہ توالد چلے گا' پھر ان کو بیچ کر گائے خریدوں گا' پھر بھینس خریدلوں گا پھر ان کو بیچ کر بہت سارو پیہ حاصل ہو گا تو میں ایک دکان کھولوں گا جس میں بہت نفع ہو گا تو ایک عالی شان محل بناؤں گا اور بادشاہ زادی کو پیغام نکاح دوں گا' بادشاہ میری ریاست کو دیکھ کر بس فوراً ہی میرا نکاح کر دے گا پھر اس سے ایک لڑکا ہو گا وہ میرے ساتھ ساتھ رہا کرے گا اسی خوشی میں سر ہل گیا' سر کے ہلنے سے گھڑا گر پڑا اور سارا تیل بہہ گیا۔ مالک نے کہا ارے یہ کیا کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ میاں جاؤ بھی تمہارا تو صرف چند پیسوں کا تیل ہی ضائع ہوا اور میرا تو سارا کنبہ ہی ہلاک ہو گیا اور سب کارخانہ تباہ ہو گیا۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری: مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری کے پاس ایک مریض آہ آہ کرتا ہوا آیا اس کو درد شکم کی شکایت تھی' مولوی صاحب طبیب بھی تھے۔ آپ نے ایک نسخہ تجویز کر کے اس کو دیا کہ یہ دوا پی لو' تو آپ کہتے ہیں کہ حضرت اگر پیٹ میں دوا پینے کی گنجائش ہوتی تو میں کھانا اور نہ کھا لیتا' اس کے نزدیک بھی درد کا علاج کھانا ہی تھا۔ ایسے ہی آج کل لوگوں نے مرض حرص کا علاج الٹا کیا ہے اور یہ بھی وہ لوگ کرتے ہیں جو حرص کو مرض سمجھتے ہیں ورنہ عام طور پر تو اس کو مرض بھی نہیں سمجھتے' چنانچہ آج کل تعلیم یافتہ لوگوں نے حرص کا نام ترقی رکھا ہے اور اس کے فضائل بیان کیے جاتے ہیں۔

حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ: حافظ محمد ضامن شہید صاحب اور ہمارے حاجی صاحب میں یہ معاہدہ قرار پایا تھا کہ جہاں ایک صاحب بیعت ہوں وہ دوسرے کو خبر کر دیں وہ دوسرے بزرگ سے بیعت ہوں گے پھر حضرت حاجی صاحب لوہاری جا کر میاں جی صاحب سے بیعت ہو گئے اور حافظ صاحب سے تذکرہ کرنا بھول گئے۔ جب حافظ صاحب نے دیکھا کہ یہ بار بار لوہاری جاتے ہیں' تو دریافت کیا کہ آپ بار بار لوہاری کیوں جاتے ہیں تب فرمایا کہ ایک بزرگ سے بیعت ہو

گیا ہوں' فرمایا اور ہم میں تم میں جو معاہدہ ٹھہرا تھا کہ دونوں ایک ہی جگہ بیعت ہوں گے۔ آپ نے ہم سے کیوں تذکرہ نہ فرمایا' فرمایا میں بھول گیا تھا اب چلے چلو۔ چنانچہ حافظ صاحب بھی ہمراہ ہوئے' جب آپ لوہاری پہنچے تو میاں جی صاحب نے فرمایا کہ حافظ صاحب کیسے آئے۔ عرض کیا کہ حضرت بیعت کے ارادہ سے آیا ہوں' فرمایا کہ میں تو بزرگ نہیں ہوں ایک میاں جی ہوں بچوں کو پڑھاتا ہوں' کسی بزرگ سے بیعت ہونا چاہیے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ میں نے تو اپنا ارادہ عرض کر دیا آگے آپ کو اختیار ہے۔ اس کے بعد حافظ صاحب برابر لوہاری آتے جاتے رہے اور بیعت کے لیے پھر عرض نہیں کیا۔ آخر میاں جی صاحب نے خود ہی ایک بار فرمایا کہ حافظ صاحب! کیا اب بھی وہی خیال ہے۔ حافظ صاحب نے عرض کیا۔ حضرت میں تو دل سے بیعت ہو چکا ہوں کیونکہ بیعت اعتقاد ہی کا نام ہے۔

باقی بزرگوں پر اصرار کرنا بے ادبی ہے اس لیے صورت بیعت پر میں نے اصرار نہیں کیا بس اپنے اعتقاد و انقیاد کو کافی سمجھا' پھر خود ہی شیخ نے بیعت کے لیے فرمایا تو صورت بیعت بھی نصیب ہوگئی۔ مگر جیسے حافظ صاحب کو شیخ نے دیر سے بیعت کیا تھا ایسے ہی وہ بھی بہت دیر میں بیعت کرتے تھے انہوں نے اپنے مریدوں سے اس کی کسر نکالی' چنانچہ عمر بھر میں آٹھ سے زیادہ آپ کے مرید نہیں ہیں۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: حضرت حاجی صاحب پہلے شاہ نصیر الدین صاحب سے بیعت ہوئے تھے پھر تکمیل سے پہلے ہی ان کا وصال ہو گیا تھا تو حضرت کو دوسرے شیخ کی تلاش تھی اور اس تلاش میں بے چین تھے اور شاہ سلیمان صاحب سے کبھی کبھی بیعت ہونے کا ارادہ ہوتا تھا کیونکہ اس وقت وہ مشہور تھے۔ اسی عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا اپنے مشائخ میں سے کسی کو (الشك مني) آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بزرگ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی صاحب کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ یہ تمہارے شیخ ہیں۔ حاجی صاحب خواب بیدار ہوئے تو بہت پریشان تھے کہ یا اللہ یہ کون بزرگ ہیں اور کہاں رہتے ہیں' کیونکہ خواب میں پتہ کچھ نہیں بتلایا گیا۔ آخر ایک دن کسی شخص سے میاں جی صاحب کا تذکرہ سنا تو قلب میں میاں جی صاحب کی طرف ایک خالص کشش پائی پھر معلوم ہوا کہ وہ تو یہاں سے قریب ہی لوہاری میں رہتے ہیں۔ حضرت نے زیارت کا ارادہ کیا اب حالت یہ تھی کہ جوں جوں

لوہاری کی طرف پہنچے اور میاں جی صاحب کی صورت دیکھی تو بعینہ وہی صورت تھی جو خواب میں دکھائی گئی تھی۔ اب تو حاجی صاحب کی اور ہی حالت ہوئی' قریب جا کر سلام عرض کیا تو میاں جی نے فرمایا صاحب زادے کیسے آنا ہوگیا بس حاجی صاحب پر گریہ طاری ہوگیا اور جوش میں عرض کیا' کیا حضرت کو معلوم نہیں؟ نہ معلوم اس وقت حاجی صاحب کی کیا حالت تھی' اس کے جواب میں میاں جی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ صاحبزادے خواب وخیال کا کیا اعتبار' اس میں خواب کی طرف اشارہ تھا۔ اب حاجی صاحب کو اور بھی یقین ہوگیا اور زیادہ گریہ طاری ہوگیا۔ میاں جی صاحب نے تسلی فرمائی کہ آپ گھبرائیں نہیں جو تم چاہتے ہو وہی ہوگا' چنانچہ فوراً بیعت فرمالیا۔ حضرت حاجی صاحب پر یہی اثر غالب تھا کہ طالب کو پریشان نہیں کرتے تھے مگر دونوں صاحبان کی نیت بخیر تھی' حضرت حاجی صاحب کی نظر وسعت رحمتی پر تھی اس لیے فیض کو عام کر رکھا تھا اور حافظ صاحب کی نظر اس پر تھی کہ سلسلہ کی بے قدری نہ کرنی چاہیے بلکہ اچھی طرح مرید کا امتحان کرنے کے بعد بیعت کرنا چاہیے۔

خواجہ عبید اللہ احرار اور ایک فقیر: خواجہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بڑا ساز وسامان تھا' سلطنت جیسے ٹھاٹ تھے مگر مال سے بے تعلقی کی یہ حالت تھی کہ ایک فقیر نے آپ کا امتحان لینا چاہا کہ دیکھوں ان کو مال سے کتنا تعلق ہے۔ اس نے ایک دن خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت میرا جی چاہتا ہے کہ اس سال آپ کے ساتھ حج کروں' اس نے دل میں سوچا ہوگا کہ خواجہ صاحب انتظام ریاست کا عذر کر کے کچھ طویل معیاد مقرر کریں گے مگر وہاں کیا دیر تھی خواجہ صاحب فوراً رومال جھاڑ کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا بہت اچھا چلو۔ فقیر نے کہا حضرت ریاست کا کچھ انتظام فرما دیجئے' فرمایا کہ یہ تو خدا کا مال ہے وہ خود اس کی حفاظت کرلیں گے۔ میں تو برائے نام ایک محافظ ہوں اگر میں نہ ہوں گا تو وہ کسی دوسرے کو میری جگہ مقرر کردیں گے۔ مجھے انتظام کی ضرورت نہیں۔ اس نے کہا اچھا ذرا میں کمبل اور کپڑے لے آؤں' خواجہ صاحب نے فرمایا بس اسی پر اپنے کو دنیا سے بے تعلق سمجھتے ہو مجھے اتنی بڑی ریاست کی بھی فکر نہ ہوئی اور تمہارا دل ابھی تک کپڑے اور کمبل میں اٹکا ہوا ہے' درویش اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

امام اعظم کی حکایت: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ایک لڑکا تیزی کے ساتھ چلا جارہا تھا' امام صاحب نے فرمایا کہ صاحبزادہ سنبھل کر چلو گر پڑو گے۔ وہ لڑکا بولا کہ آپ سنبھل کر چلیں اس

لیے کہ آپ کے سنبھلنے سے عالم سنبھل جاوے گا اور آپ کے بگڑنے سے عالم بگڑ جاوے گا اور میرے گرنے سے تو صرف مجھ ہی پر اثر ہو گا۔ امام صاحب بچے سے یہ بات سن کر بہت متاثر ہوئے۔ ان حضرات میں خوبی تھی لَا تَنْظَر الیٰ من قال و انظر ما قال پر پورا عمل تھا یعنی وہ حضرات قائل کو نہیں دیکھتے تھے بلکہ بات کو دیکھتے تھے کہ کس درجہ کی ہے۔ یہاں یہ کیفیت ہے کہ چھوٹوں کی بات پر تو کیا ہی عمل کرتے چھوٹوں کی باتوں کو کان لگا کر سنتے بھی نہیں بلکہ بڑوں کی باتوں کو بھی نہیں سنتے اور بڑوں کے ارشاد پر عمل نہیں کرتے۔

حکیم معین الدین نانوتوی کی حکایت: حکیم معین الدین نانوتوی میرٹھ میں حافظ عبدالکریم صاحب رئیس کے یہاں اتفاقاً تشریف لے گئے۔ حافظ صاحب موصوف نہایت ہی بھولے بھالے تھے کسی کو بار بار دیکھ کر بھی دیر میں پہچانتے تھے' چنانچہ میں بچپن سے اپنے والد صاحب کے ساتھ میرٹھ انہیں کے یہاں رہا۔ مگر جب ان کے بڑے بھائی کا انتقال ہوا تو میں تعزیت کے لیے میرٹھ گیا اور حافظ صاحب سے جا کر ملا۔ اس وقت اور لوگ بھی تھے تو اس وقت وہ دریافت کرتے ہیں کہ آپ کی تعریف؟ کسی نے کہا اشرف علی ہیں تب وہ مجھ سے ملے۔

اسی طرح حکیم معین الدین صاحب حافظ صاحب کے پاس تشریف لے گئے تو حافظ صاحب نے ان سے بھی دریافت فرمایا کہ آپ کون ہیں۔ حکیم صاحب نے جواب دیا کہ میں جولاہا ہوں' حافظ صاحب نے فرمایا کہ آپ کا مکان کہاں ہے؟ جواب دیا کہ پھوٹے شہر' تھوڑی دیر کے بعد مولوی رعایت الحق صاحب جوان کی ریاست کے مدار المہام تھے تشریف لائے جو حکیم صاحب کو پہچانتے تھے۔ وہ حکیم صاحب سے تپاک سے ملے اس وقت حافظ صاحب کو شبہ ہوا کہ یہ کون صاحب ہیں جن سے اس قدر تپاک سے مولوی صاحب نے ملاقات کی۔ چنانچہ انہوں نے دریافت کیا' مولوی صاحب نے کہا کہ یہ حکیم معین الدین صاحب ہیں' حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادہ' تب حافظ صاحب کو پتہ چلا اور حکیم صاحب سے فرمایا کہ آپ تو یہ فرماتے تھے کہ میں جولاہا ہوں۔

حکیم صاحب نے فرمایا جب جناب نے مجھ سے دریافت فرمایا تو میں بھلا اپنے منہ سے کیا کہتا کہ فلاں ہوں اگر آپ نہ پہچانیں تو میں کیا کہوں۔

فائدہ: دیکھیے چونکہ حکیم صاحب خود صاحب کمال تھے تو ان کو جولاہا کہنے سے عار نہ آیا ورنہ اپنے

کو جولا ہا کون کہتا ہے الا ماشاء اللہ ہمارے حضرات کا تو یہی مذاق ہے مگر دوسرے بعض کا دوسرا مذاق ہے وہ ایسے مواقع میں تواضع کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

مولوی عبدالرب صاحب کی حکایت: مولوی عبدالرب صاحب واعظ دہلوی ایک امیر کے یہاں سہمان ہوئے' مولوی صاحب کو کسی وقت رفع حاجت کی ضرورت ہوئی' میزبان کے یہاں دو پاخانہ تھے' ایک عام دوسرا خاص۔

چونکہ مولوی صاحب مہمان خاص تھے' خاص پاخانے میں جانے لگے محافظ نے ٹوکا کہ کون' مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اگر میں اس وقت تواضع کرتا تو نہ معلوم کیسی پریشانی ہوتی اس لیے میں نے ذرا سخت لہجہ میں جواب دیا کہ ہم ہیں مولوی صاحب دہلی والے' تو ہمیں نہیں جانتا دیکھ صبح کو تیری کیسی خبر لی جاتی ہے وہ ہاتھ جوڑنے لگا کہ معاف کر دیجئے میں نے پہچانا نہیں۔ اس کے بعد مولوی صاحب فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر اسی طرح بے باکانہ بات کہنا چاہیے اور دیوبند کے مولویوں کی طرح تواضع نہ کرنا چاہیے۔ اس وقت اگر میں کہتا کہ میں ہوں حقیر فقیر ذرہ بے مقدار تو بعد میں کچھ بھی ہوتا مگر اس وقت تو پریشانی ضرور ہی ہوتی۔ مگر صاحبو! ایسی ہمت مولوی صاحب کی ہی تھی ہر شخص اپنے منہ سے اس طرح نہیں کہہ سکتا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: چنانچہ مجھے بھی کانپور میں ایک مرتبہ اتفاق ہوا صاحب منٹ کے اجلاس پر جانے کا کیونکہ ایک مرتبہ فتویٰ پر میں نے دستخط کر دیئے تھے وہ مقدمہ اٹھارہ برس سے عدالت میں تھا اور کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا دستخط کرنے والے علماء میں سے جس عالم پر ایک فریق رضامند ہوتا تو فریق ثانی انکار کر دیتا' مجھ پر فریقین نے رضامندی ظاہر کی چنانچہ میرے نام سمن آیا اور مجھے جانا پڑا' مجھ سے سوال کیا گیا کہ آپ عالم ہیں اس وقت مجھے بے حد خلجان ہوا۔ اگر انکار کروں تو وہ کلام از قسم تواضع کو کیا جانیں کہ یہ انکار تواضع ہے۔ چنانچہ ایسے اتفاقات ہوئے ہیں کہ لوگوں نے تواضعاً انکار کیا اور وہ واقعی انکار سمجھے اور اگر یہ کہوں کہ عالم ہوں تو اولاً یہ اپنی تواضع کے خلاف ہے اور ثانیاً یہ ہے کہ عالم ہوں کہاں؟ ان دونوں پہلوؤں پر نظر کر کے میں نے کہا کہ مجھے مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں اور چند سوال ایسے ہی پیچیدہ کیے گئے' میں نے سب کے جواب میں مصلحت وقت اور اپنی وضع کو پوری طرح ملحوظ رکھا۔ وکلا نے باہر آ کر مجھے کہا ماشاء اللہ بہت اچھا جواب دیا اس وقت تو ہم بھی چکر میں آ گئے تھے دیکھیے اس کا جواب کیا ہوتا ہے۔

غرض اپنے منہ سے مولوی عبدالرب صاحب کی طرح یہ کہنا کہ میں عالم ہوں مجھے بہت مشکل تھا' ہاں ایسی بات کہہ دی جس سے دعوائے علم بھی نہ ہوا اور مصلحت بھی فوت نہ ہوئی اور یہ خدا کا فضل ہے کہ باوجود قلت تجربہ کے ضروری مصالح کے طریقے ذہن میں آ جاتے ہیں۔

شیخ شبلی اور سبزی فروش: چنانچہ شبلی رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ ایک سبزی فروش سبزی فروخت کرتا پھر رہا تھا اور یہ آواز لگا رہا تھا کہ الخیارا لعشرۃ بذانق جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دس ککڑی ایک دانگ میں اور ایک لغت میں یہ ترجمہ بعید جو کہ مراد نہ تھا نہ اس کا کوئی قرینہ تھا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ دس نیک لوگ ایک دانگ میں۔ شیخ کے کان میں یہ آواز پڑی اور شیخ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے کہ جب خیار یعنی نیکوں کی یہ حالت ہے تو ہم اشرار کو کون پوچھے گا' کیا اچھے لوگ تھے۔

بے نمازی کی حکایت: بعض لوگ نماز شروع کر کے پھر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ نمازی مشہور ہو گئے ہیں' استیلاء شہرت حاصل ہو چکا ہے چاہے اب وہ عید ہی کے نمازی ہوں کیونکہ نمازی کی ایک قسم یہ بھی ہے۔

چنانچہ ایک واعظ صاحب گاؤں میں پہنچے اور وعظ میں کہا کہ بے نمازی سور ہیں' یہ سن کر گاؤں کے لوگ بگڑ گئے اور لاٹھیاں لے کر چڑھ آئے' مولوی صاحب نے کہا کیوں آئے' خیر تو ہے' کہا تم نے ہم کو سور کہا تھا کہنے لگے میں نے تم کو تھوڑا ہی کہا تھا تم تو نمازی ہو کیا تم کبھی عید کی نماز بھی نہیں پڑھتے تھے۔ گاؤں والوں نے کہا ہاں عید کی نماز تو پڑھ لیتے تھے کہا تم پھر بے نمازی کدھر ہوئے میں نے تم کو سور نہیں کہا' اس پر سب راضی ہو گئے۔

مولانا عطار کی حکایت: مولانا عطار سے ایک مجذوب نے کہا تھا اس وقت مولانا عطاری کی دکان کرتے تھے طریق کی طرف متوجہ نہ ہوئے تھے حق تعالیٰ نے ایک مجذوب کے ذریعہ ان کو ہدایت دی۔ وہ ان کی دکان پر کھڑا ہو گیا اور ایک بوتل کی طرف اشارہ کر کے پوچھا اس میں کیا ہے' کچھ بتلایا' دوسری طرف کو پوچھا کوئی خمیرہ بتلایا تیسری طرف کوئی لعوق بتلایا گیا تعجب سے پوچھنے گلا سب چیزیں چپکتی ہی چپکتی ہیں تو ایسی حالت میں اتنی چپکتی چیزوں میں سے تیری جان کیونکر نکلے گی؟

مولانا نے ہنس کر فرمایا جس طرح تمہاری جان نکلے گی۔ مجذوب نے کہا ہمارا کیا ہے ہم تو یوں جان دے دیں گے' یہ کہہ کر لیٹ گیا۔ جب دیر ہو گئی تو مولانا نے آ کر ہلایا اور دیکھا تو وہ

جان دے چکا تھا' بس ان کے قلب پر ایک چوٹ لگی اور اسی وقت تمام دکان کا سامان خیرات کر کے اللہ کی طلب میں نکل گئے' سو جو ہماری حالت ہے اس میں تو واقعی ہماری جان بھی مرتے ہوئے اس سامان میں اٹکی رہے گی۔

ایک بڑھیا کی حکایت: ہمارے یہاں ایک بڑھیا کی ایک لڑکی سے تکرار ہوئی۔ لڑکی نے کہا اللہ کرے تو مر جائے تو بڑھیا کو ناگوار ہوا۔ رونے لگی اور گھر والوں سے شکایت کی کہ یہ لڑکی مجھ سے کہتی ہے کہ تو یوں ہو جا' مرنے کا نام نہیں لیا' اے اللہ سینو مت! حالانکہ وہ اتنی بوڑھی تھی کہ کمر تک جھک گئی تھی۔ مگر پھر بھی اسے زندگی کی تمنا اور امید اور موت سے نفرت و کراہیت تھی۔ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے ﴿يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ مشرکین میں سے بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہزار برس کی عمر ہو' حق تعالیٰ نے تو یہ حالت کفار کی نقل فرمائی ہے مگر افسوس یہ ہم لوگوں میں بھی موجود ہے۔

دیکھیے جب کسی کو دعا دیتے ہیں کہ یہ ہزار برس جیے اس جملہ میں ہزار کا لفظ بھی تحدید کے لیے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ عمر طبعی میں بھی نہ مرنا چونکہ اس سے زیادہ بلکہ اتنی بھی کہیں عمر طبعی نہیں ہے اس واسطے ہزار کے لفظ کو اختیار کیا ہے کہ اگر اس سے بھی زیادہ زمانہ عمر طبعی کا ہے تو آگے کی دعا دیتے حالت یہ ہے کہ مرنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے۔ جو عارف ہوتا ہے اس کو بری بات میں بھی اچھی بات مل جاتی ہے کہ انہوں نے ایک چور کو دیکھا کہ سولی پر چڑھا ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا قصہ ہے' لوگوں نے کہا یہ وہ شخص ہے جس نے ایک دفعہ چوری کی اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تیسری اور چوتھی مرتبہ میں دوسرا ہاتھ اور پیر بھی کاٹ دیئے گئے کمبخت پھر بھی باز نہ آیا پانچویں مرتبہ بھی چوری کی' بادشاہ نے تنگ آ کر سولی کا حکم دے دیا۔ آپ نے اس کے پاؤں چوم لیے۔ لوگوں نے کہا حضرت ایسے فاسق کے ساتھ یہ برتاؤ' آپ نے فرمایا میں اس کے پاؤں نہیں چومتا بلکہ اس کی استقامت کے پیر چومتا ہوں کیونکہ اس نے وہ عمل کیا کہ:

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید

ہاتھ طلب سے نہ روکوں گا یعنی ہمت نہ ہاروں گا جب تک میرا کام پورا نہ ہو جائے اس نے جان دی مگر آن نہ دی کاش ہم طریق حق پر ایسے ہی مستقیم ہو جائیں۔

شیطان کے شیرہ کا قصہ: جس کا ایک قصہ ہے کہ شیطان سے کسی نے کہا کہ میاں تم بڑے فساد کراتے ہو کشت و خون کرا دیتے ہو' گھر کے گھر برباد کرا دیتے ہو۔

شیطان نے کہا کہ مجھے مفت بدنام کر رکھا ہے میں تو کچھ نہیں کرتا چلو میں تمہیں نمونہ دکھلاؤں۔ حلوائی کی دکان پر پہنچے' شیطان نے ایک انگلی بھر شیرہ دیوار پر لگا دیا' اس شیرہ پر مکھیاں آ بیٹھیں' ان مکھیوں پر چھپکلی آ گئی اتفاق سے دکاندار کی بلی آ گئی' وہ چھپکلی پر دوڑی ایک خریدار سوار کے ساتھ کتا تھا وہ بلی پر جھپٹا' حلوائی نے غصے میں آ کر ایک پتھر اس کتے کے مار دیا۔ اس کتے کے مالک یعنی سوار کو جوش آیا اس نے حلوائی کے ایک تلوار ماردی۔ بازار والوں نے جمع ہو کر اس سوار کو قتل کر دیا فوج میں خبر ہو گئی انہوں نے بازار والوں کا قتل عام شروع کر دیا' شیطان نے کہا دیکھا' انصاف سے کہیے میرا کیا قصور! میں نے تو ایک انگلی پر شیرہ دیوار پر لگا دیا تھا اور شیرہ لگانا کوئی جرم نہیں اور قصہ میں تو ایک انگلی ہی بھر شیرہ تھا جس نے طول یہاں تک کھینچا۔

ایک طالب علم کی حکایت: میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک طالب علم کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ اس نے استاد سے مختصر المعانی پڑھی تھی۔ جب ختم کر چکا تو اس نے دوسری کتاب پڑھنی چاہی۔ استاد نے کہا امتحان لے کر شروع کراؤں گا وہ آمادہ ہو گیا مگر استاد نے متعارف طریق سے امتحان نہیں لیا بلکہ اس نے کہا کہ بازار میں جا کر دیکھو کہ لوگ مختصر المعانی کے قواعد کا استعمال کرتے ہیں یا نہیں۔ وہ گیا اور واپس آ کر کہنے لگا کہ لوگوں کو تو ان قواعد کی ہوا بھی نہیں لگی۔ یہ طالب علم ابھی اصطلاحی الفاظ کے چکر میں تھا اس پر حقیقت منکشف نہیں ہوئی تھی' اس لیے استاد نے کہا تم نے مختصر المعانی ابھی نہیں سمجھی' دوبارہ پھر پڑھو چنانچہ اس نے دوبارہ پھر پڑھی اس کے بعد استاد نے کہا اب تم بازار میں جا کر دیکھو وہ گیا اور واپس آ کر کہنے لگا کہ حضرت واقعی کوئی شخص بھی ان قواعد سے خالی نہیں' فرمایا اب تم مختصر المعانی سمجھ گئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ حدیث پڑھا رہے تھے کہ بچھو نے انہیں کاٹا اور گیارہ بار کاٹا مگر ذرا بھی اف نہ کی اور برابر حدیث بیان کرتے رہے۔ یہ انہیں کا دل گردہ تھا کہ گیارہ بار بچھو نے کاٹا مگر حدیث کو ترک نہیں کیا۔ یہ بات کہہ دینی تو آسان ہے چنانچہ میں نے بھی کہہ دی ہے مگر ابھی بچھو سامنے سے نکل آئے تو شاید سب سے پہلے میں ہی بھاگوں۔

جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث پڑھا چکے تو خادم نے دریافت کیا کہ اثناء درس میں آپ کے

چہرے کا رنگ کیوں بدل رہا تھا۔ فرمایا بچھو نے میرے گیارہ بار ڈنک مارا مگر میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے نہ اٹھا اب اس کی تلاش کر کے مار ڈالو چنانچہ تلاش کر کے مار دیا گیا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: شیخ سعدی نے لکھا ہے کہ ایک رات مجھے ایک تاجر کے پاس رہنے کا اتفاق ہو گیا جس کے پاس سامان تجارت تھا اور بہت سے غلام اور خدمت گار تھے۔ اس نے تمام رات میرا سر کھایا کہ اس وقت میرے پاس اتنا مال ہے اور میرا فلاں شریک ترکستان میں ہے اور کچھ سامان تجارت ہندوستان میں ہے اور یہ فلاں زمین کی دستاویز ہے اور فلاں سامان کا ایک شخص ضامن ہے۔ کبھی کہتا کہ اسکندریہ جانے کا خیال کر رہا ہوں اور وہاں کی آب و ہوا اچھی ہے کبھی کہتا کہ وہاں کا دریا خطرناک ہے۔

پھر کہنے لگا سعدی! مجھے ایک سفر اور درپیش ہے اگر وہ پورا ہو جائے تو پھر بقیہ زندگی قناعت کے ساتھ گوشہ نشین ہو کر گزاروں گا۔ میں نے پوچھا وہ کون سا سفر ہے کہا فارس کی گندھک چین میں لے جانا چاہتا ہوں کیونکہ سنا ہے کہ وہاں بہت قیمت ہے اور چینی گلاس روم میں لے جا کر فروخت کروں گا اور دیبائے رومی ہندوستان میں اور فولاد ہندی حلب میں اور حلبی شیشہ یمن میں اور یمنی چادر فارس میں اس کے بعد میں سفر ترک کر کے ایک دوکان میں بیٹھ جاؤں گا۔ اب بھی ترک دنیا کا ارادہ نہیں دکان ہی میں بیٹھنے کی نیت ہے۔ غرض اس قسم کا خیالی پلاؤ پکاتا رہا۔ اخیر میں سعدی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا آپ بھی کچھ اپنی دیکھی اور سنی ہوئی باتیں سنائیں۔ سعدی نے جواب دیا:

آں شنید ستی کہ در صحرائے غور بار سالارے بیفتا داز ستور

"تو نے غور کے جنگل کا قصہ سنا ہوگا کہ ایک تاجر کا سامان سواری سے گر گیا۔"

گفت چشم دنیا دار را یا قناعت پر کند یا خاک گور

"وہ بولا کہ دنیا دار حریص کی آنکھ کو یا تو قناعت بھرتی ہے یا قبر کی مٹی۔ واقعی دنیا دار کی حرص کبھی ختم نہیں ہوتی۔ بس مر کر ہی ختم ہوتی ہے۔"

حدیث میں بھی آیا ہے کہ انسان کی حرص کے شکم کو مٹی ہی بھر سکتی ہے۔

((وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابَ وَیَتُوْبَ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ))

اس طول امل اور فضول لایعنی خیالات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ صبح آوے تو شام کی فکر نہ کرو اور شام ہو تو صبح کی فکر نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو یعنی یہ سمجھ لو کہ گویا

آج ہی کا تھوڑا سا وقت زندگی کا باقی ہے۔

حضرت غوث اعظم اور آئینہء چینی: حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک آئینہء چینی ہدیہ میں آ گیا تھا، آپ نے ہدیہ دینے والے کا دل خوش کرنے کے لیے خادم سے فرمایا کہ اس کو احتیاط سے رکھو اور جب ہم کنگھی کیا کریں اس وقت سامنے لا کر رکھ دیا کرو، لوگ سمجھے ہوں گے کہ شیخ کو اس سے تعلق ہو گیا ہے۔ اتفاق سے ایک دن خادم کے ہاتھ سے وہ آئینہ گر کر ٹوٹ گیا وہ ڈرا کہیں عتاب نہ ہو اور ڈرتے ڈرتے اس نے عرض کیا (از قضا آئینہ چینی شکست) یعنی قضائے الٰہی سے آئینہ چینی ٹوٹ گیا۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فورا فی البدیہہ جواب دیا۔ (خوب شد اسباب خود بینی شکست) بہت خوب جو اسباب خود بینی کو شکست ہوئی نیز حال ایسا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ملک سنجر نے حضرت کو لکھا میں آپ کی خانقاہ کے لیے ملک سنجر کی آمدنی مقرر کرنا چاہتا ہوں اجازت عطا فرمائیے۔ آپ نے یہ قطعہ جواب میں لکھ بھیجا:

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد　　در دل بودا گر ہوس ملک سنجرم

سنجر کے بادشاہ کے چھتر کی طرح میرا نصیبہ سیاہ ہو اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ادنیٰ ہوس بھی ہو۔

زانگہ کہ یافتم خبراز ملک نیم شب　　من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

جس دن سے ملک نیم شبی کی خبر ملی ہے میں ملک نیمروز کا ایک دانۂ جو کے بدلے خریدار نہیں ہوں۔

ایک بزرگ کے تواضع کا واقعہ: ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے وقت میں ایک دفعہ بارش نہ ہوئی۔ لوگ عقیدت کی وجہ سے ان کے پاس آئے عرض کیا کہ حضرت دعا کیجیے کہ بارش ہو جائے، فرمایا میں کیا دعا کروں یہ میری ہی آفت ہے یہ میری ہی شامت اعمال ہے کہ بارش نہیں ہوتی۔

اس کو معتقدین کب تسلیم کرتے، عرض کیا، حضرت آپ تو مقبول بندے ہیں اور بزرگ ہیں اور چناں وچنیں ہیں آپ یہ کیا فرماتے ہیں یہ ہم لوگوں کی نحوست ہے۔ ہمارے واسطے استغفار کیجیے کہ حق تعالیٰ ہمارے گناہوں پر نظر نہ فرمائیں اور اپنی طرف سے رحمت نازل فرما دیں۔ فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ میری ہی نحوست ہے جب تک میں شہر میں رہوں گا رحمت نہ

ہو گی' لوگ مجبور ہوئے اور ان کو شہر سے باہر پہنچا دیا بس ان کا شہر سے باہر نکلنا تھا کہ فوراً بارش ہو گئی۔

فائدہ: کیا ٹھکانہ ہے حق تعالیٰ کے معاملات کو کوئی سمجھ نہیں سکتا ان کی تربیت کی تکمیل مقصود تھی اس واسطے ایسا ہوا کہ جب تک شہر میں رہے بارش نہیں ہوئی۔ گو اس میں یہ راز ہو سکتا ہے کہ اس تواضع پر عمل کرنے کی برکت سے بارش ہوئی۔ غرض وہ لوگ خود اپنے آپ کو مٹاتے ہیں اور حق تعالیٰ بھی ان کے واسطے ایسا ہی سامان کرتے ہیں کہ ان کی ہستی بالکل مٹ جائے۔

قصہ حضرت سید احمد رفاعی: ایک بزرگ تھے سید احمد رفاعی' یہ سیدنا حضرت غوث پاک کے معاصر ہیں یہ اتنے بڑے شخص ہیں کہ جب مدینہ طیبہ پہنچے وہاں' روضہ اقدس کے اوپر ذوق و شوق کی حالت میں یہ شعر پڑھے'

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها تقبل الارض منی وھی نائبتی
ھذہ نوبة الا شباح قد حضرت فامل یدیك لکی تحظی بھاشفتی

جن کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم دور تھے تو اپنی روح کو بھیج دیا کرتے تھے' وہ روضہء اقدس پر زمیں بوس ہو جایا کرتی تھی' اب جسم کے حاضر ہونے کی نوبت آ گئی ذرا اپنے دست مبارک کو بڑھائیے تا کہ میرا لب اس سے بہرہ ور ہو سکے اور ہونٹوں کو یہ دولت نصیب ہو جائے۔

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ روضہء منور کے اندر سے ایک نہایت نورانی ہاتھ ظاہر ہوا اور وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے دوڑ کر بوسہ دیا اور بے ہوش ہو گئے بس ہاتھ غائب ہو گیا مگر کیفیت یہ ہوئی کہ تمام مسجد نبوی میں نور ہی نور پھیل گیا ایسا نور کہ اس کے سامنے آفتاب کی بھی کوئی حقیقت نہ تھی اور واقعی آفتاب کی اس نور کے سامنے کیا حقیقت ہوتی۔ جب ان کو افاقہ ہوا تو خیال ہوا کہ میری بڑی عظمت ظاہر ہو گی جس سے میں ہلاک ہو جاؤں گا بس کیا کیا کہ دروازہ پر جا کر زمین پر لیٹ گئے اور پکار کر کہا کہ میں سب کو قسم دیتا ہوں کہ میرے اوپر سے پھاندتے ہوئے اور روندتے ہوئے جائیں یہ اس واسطے کیا کہ عُجب پیدا نہ ہو جائے کہ میں ایسا ہوں کہ میرے واسطے ایسا ہوا۔ چنانچہ کوتاہ نظر عوام الناس نے ایسا ہی کیا کہ سب ان کے اوپر کو پھاندتے ہوئے گئے ان کو اس میں لطف آتا تھا اور انہیں اس کی کچھ بھی پرواہ نہ تھی کہ ابھی کیا شان تھی اور ابھی کیا گت بن رہی ہے۔

ایک بزرگ سے جو اس مجمع میں موجود تھے اس قصے کے بعد کسی نے پوچھا کہ آپ بھی ان کے اوپر سے پھاند کر گئے تو انہوں نے کہا توبہ توبہ یہ کیسے ہو سکتا ہے خدا کا غضب فوراً نازل ہوتا اگر میں ایسا کرتا عوام تو معذور ہیں کیونکہ ان کو پہنچانتے نہ تھے اور جو ان کو پہچانتا ہے وہ بے ادبی کرے تو فوراً پکڑ لیا جائے گا۔

ان بزرگ سے اس شخص نے یہ بھی پوچھا کہ آپ کو رشک تو بہت ہوا ہوگا' فرمایا ہمیں تو کیا اس وقت ملائکہ کو بھی رشک تھا کہ ہمیں بھی یہ دولت نصیب ہوتی۔

فائدہ: تو اخفاء کمالات کی یہ حالت ہوتی ہے اور جو کبھی کسی کمال کو ظاہر بھی کر دیا ہے تو وہ اس اظہار کے ماذون بلکہ مامور تھے' سو جب اس کے اظہار کے لیے کوئی حکم ہو جاتا ہے اس کو نہیں چھپا سکتے اس وقت کوئی بات ظاہر ہو جاتی ہے سو کمالات کو چھپایا ہے بلاغات کو نہیں چھپایا ہے یعنی احکام کو پوشیدہ نہیں رکھا۔ لیکن اس صورت میں بھی جب کہ حکم سے ان کا کوئی کمال ظاہر ہو گیا تو انہوں نے دوسرے طریق سے اپنے آپ کو اس قدر مٹایا کہ کسی کو نیک گمان ان کی طرف ہو ہی نہ سکے۔ یہ حالت تھی مٹانے کی جو آپ نے ابھی سنی۔

غرض اپنے آپ کو مٹانا جس کو تواضع کہتے ہیں بڑے کام کی اور نفع کی چیز ہے۔ یہ مٹانا وہ چیز ہے جس کو حاصل کرنے کے واسطے بندگان خدا نے سلطنتیں چھوڑ دیں۔ دنیا بھر کی پرواہ نہ کی۔ کوئی بات تو تھی جس کی بدولت دنیا بھر سے اس کو ترجیح دیتے تھے تو یہ صفت جس درجہ تک بھی کسی میں ہو محمود اور مقصود ہونی چاہیے۔

اللہ اللہ کیے جاؤ: ایک شخص ذکر اللہ کرتا تھا تہجد کو اٹھتا تھا شیطان نے کہا ارے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے اللہ اللہ کرنے کے لیے تو نے اتنا اللہ اللہ کیا' کیا فائدہ ہوا۔ دماغ خراب کیا' مغز مارا مگر وہاں سے کوئی رسید ہی نہیں ملتی۔

بس وہ شخص مایوس ہو کر آرام سے مکان میں جا کر سو رہا اور سوتے وقت ہی نیت کر لی کہ تہجد کو نہ اٹھوں گا۔ فائدہ کیا جب اتنے دن محنت کی اور کچھ نہ ہوا تو آگے کیا ہوگا' بس وہ کام سے رہ گیا۔ یہ نیت کر کے سو گیا کہ میں تہجد میں نہ اٹھوں گا خواب میں فرشتے کے ذریعہ اس کو تنبیہ کی گئی' اس نے تو ذکر چھوڑنا چاہا مگر حق تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اس کو اس طرح چھوڑیں فرشتے نے کہا کہ بھائی اللہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ آج تو نے میرا نام کیوں نہیں لیا: کہا کہ میں عرصہ سے نام

لیتا تھا مگر ادھر سے کچھ جواب ہی نہیں ملتا' میں یہ سمجھا کہ میرا عمل قبول ہی نہیں ہوتا' جب عمل قبول نہیں ہوتا تو اس کا کرنا فضول ہے۔ میں پکارتا ہوں مگر ادھر سے نہ سلام ہے نہ جواب بس میری ہمت ٹوٹ گئی۔ جواب میں ارشاد ہوتا ہے جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں:

گفت ان اللہ تو لبیک ماست دین نیاز و سوز و دردت پیک ماست

یعنی وہ تیرا اللہ اللہ کہنا ہی ہمارا جواب ہے' اگر ہم کو تیرا اللہ اللہ...... کہنا پسند نہ ہوتا تو دوبارہ توفیق ہی نہ ہوتی' تمام عالم بھرا پڑا ہے اللہ اللہ کون کرتا ہے سوا اس کے جس کو ہم توفیق دیں۔ جب ہم نے توفیق دی تو سمجھ لینا چاہیے کہ ہم کو تیرا عمل پسند ہے۔

ایک گنوار کا قصہ: ایک گنوار کا قصہ ہے کہ گاؤں میں ایک واعظ صاحب آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ جب تک نیت نہ کرے روزہ نہیں ہوتا اور نیت بتائی کہ یوں کہنا چاہیے بصوم غد نویت کوئی ایسے ہی ٹٹ پونجیا واعظ ہوں گے جیسے گشتی واعظ اور کھانے کمانے والے ہوا کرتے ہیں ورنہ نیت کی حقیقت بھی بیان کر دیتے پھر غلطی نہ ہوتی۔ اگلے دن کیا دیکھتے ہیں کہ دن میں چودھری صاحب بے دھڑک حقہ پی رہے ہیں۔ کہا مردود! رمضان ہے تو نے روزہ نہیں رکھا' کہا مولوی جی خفا مت ہو' تم ہی نے یہ مسئلہ بیان کیا تھا کہ بے نیت کے روزہ نہیں ہوتا اور جو نیت تم نے بتائی تھی وہ مجھے یاد نہیں ہوئی اب اسے یاد کر کے روزہ رکھا کروں گا' آج میں نے سوچا کہ روزہ تو ہوا ہی نہیں پھر حقہ کا ذائقہ کیا چھوڑوں۔

فائدہ: اس حکایت کو سن کر ہم لوگ ہنستے ہیں اور اس روزہ نہ رکھنے والے کو گنوار سمجھتے ہیں مگر انصاف سے کہیے اس میں قصور کس کا ہے قصور واعظ کا ہے بات کہی مگر ادھوری مسئلہ اس طرح بتایا کہ اس گنوار سے اس پر عمل نہ ہو سکا جب اس نے دیکھا کہ اس طرح تو میرے بس کا نہیں ہے تو عمل ہی کو چھوڑ دیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: حضرت جنید بغدادی ایک بار چلے جا رہے تھے' ایک مرید ساتھ تھا' راستہ میں ایک خوبصورت عیسائی لڑکا دیکھا' مرید کی نظر اس پر پڑ گئی' مرید نو آموز یا نا آموز تھا اس کو نظر بھر کر دیکھا۔ شیطان نے اس کو بہکا دیا کہ صنعت خدا دیکھ لے' اس نے نظر کر لی' پھر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس صورت کو بھی دوزخ میں ڈال دے گا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کیا تو نے اس کو دیکھا ہے' اچھا اس کا وبال سامنے آئے گا' اس وقت تو بات رفع

دفع ہوگئی بیس سال کے بعد وبال کا ظہور ہوا کہ وہ مرید قرآن بھول گیا۔

غرور سے نہ چلو: ایک بزرگ نے ایک شخص کو ٹوکا کہ غرور سے نہ چلو وہ غصہ میں آ کر کہنے لگا لاَ تَدرِیُ مَنُ اَنَا یعنی جانتا نہیں میں کون ہوں؟ ان بزرگ نے کہا جانتا ہوں وَلَكَ نُطُفَةٌ قذرَة۔ وَاٰخِرُكَ جِيُفَةٌ قذرَة وَاَنتَ بَيْنَ ذٰلِكَ تَحمِلُ الُعذرَة یعنی پہلے تو ایک پلید نطفہ تھا اور انجام کار ایک گندہ مردار ہو جائے گا اور اس کے بیچ میں یہ حالت ہے کہ پیٹ میں نجاست کو لیے پھرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجذوم عورت کو طواف کرتے دیکھا تو فرمایا یَا اَمَتَ اللّٰہ اقعدی فی بیتك ولا تؤذی الناس یعنی اے خدا کی بندی اپنے گھر بیٹھ اور لوگوں کو تکلیف مت دے۔ وہ طوعاً وکرہاً چلی گئی چند سال بعد دیکھا گیا پھر آ رہی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا مگر اس کو خبر نہ تھی۔ ایک شخص نے اس سے کہا: اِبُشِرِیُ فَقَدُ مَاتَ ذَاكَ الرَّجُل۔ یعنی اب دل کھول کر طواف کر لے کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ (جنہوں نے منع کیا تھا) وفات پا چکے ہیں۔ اس نے بہت تاسف کیا اور اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور کہا میں اب آئندہ طواف نہ کروں گی اگر عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو طواف کرتی میں ان کو مردہ سمجھ کر نہیں آئی تھی' بلکہ زندہ سمجھ کر آئی تھی۔ طواف کے شوق نے مجھے مجبور کیا اور میں نے جی میں کہا طواف کروں گی بہت سے بہت یہ کہ سزا ہو جائے گی' عمر رضی اللہ عنہ ایسا شخص نہ تھا کہ زندگی میں تو اس کا حکم مانا جاوے اور مرنے کے بعد نہ مانا جاوے یہ کہہ کر چلی گئی۔

ایک عہدہ دار کا واقعہ: ایک عہدہ دار ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کر رہے تھے تیسرے درجہ میں معمولی آدمی بیٹھتے تھے۔ یہ سفید پوشاک پہنے ہوئے تھے اس واسطے سب لوگ ان کا لحاظ کرتے تھے انہوں نے بستر کھول کر تمام بینچ کو گھیر لیا اور اس روز مسافر زیادہ تھے بہت سے لوگ کھڑے کھڑے جا رہے تھے۔ یہ پیر پھیلائے مزے سے لیٹے تھے۔ بعض مسافروں نے خوشامد کی کہ منشی جی ذرا بیٹھ جاؤ انہوں نے ڈانٹ دیا۔ غرض سب کو پریشان کر رکھا تھا' خدا کی قدرت! ان کو پاخانہ کی ضرورت ہوئی اور وہ ریل کے پاخانہ میں گئے۔ اتفاق سے ایسی صورت ہوئی کہ کواڑ بند کرنے میں چٹخنی باہر سے ایسی لگی کہ اندر سے کھل نہ سکی۔ اول تو انہوں نے اپنے تکبر کو نبھایا کہ کھٹ کھٹ کرتے رہے اور چٹخنی کے ساتھ زور لگاتے رہے مگر کہاں تک جب نہ کھلی تو آخر اندر

سے آواز دی اور اول سخت لہجہ میں کہا کہ ذرا چٹخنی کھول دینا لوگوں نے آپس میں کہا کہ اب بدلہ لینے کا اچھا موقع ہے۔ سُسرے کو بند پڑا رہنے دو ذرا دیر بیٹھنے کو جگہ تو ملے گی۔

جب کسی نے سخت لہجہ سے نہ سنا تو انہوں نے کہا کوئی صاحب چٹخنی کھول دیں اس پر بھی کسی نے نہ سنا تب آپ کا تکبر ٹوٹا اور خوشامد کی' غرباء رحم دل ہوتے ہیں کسی نے کہا میاں کھول دو۔ بہت دق کرلیا۔ دوسرے نے کہا یوں نہیں توبہ کرا کے کھولنا۔ جب توبہ کرالی تب کھول دی۔ اب ان کا شیطان اتر گیا اور بستر سمیٹ کر الگ بیٹھ گئے وعدہ کے سچے نکلے؟

بزرگوں کے شیون: ایک بزرگ سے ان کے مرید نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ بزرگوں کے شیون (حالات) مختلف ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھنا چاہتا ہوں' انہوں نے کہا فلاں مسجد میں جاؤ وہاں تین بزرگ مشغول بیٹھے ہیں۔ ایک ایک دھول سب کے مارو' اس نے ایسا ہی کیا۔ ایک صاحب کو جو دھول ماری تو وہ اٹھے اور اس کا بھی ہاتھ پکڑ کے ایک دھول اسی طرح ماری اور زبان سے کچھ نہیں کہا اور جا کر ذکر میں بدستور مشغول ہو گئے یہ ہے مثہا۔ دوسرے بزرگ کے جو دھول ماری تو انہوں نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ ان کی نظر اس پر تھی کہ

ہر چہ از دوست میر سد نیکوست

(یعنی ہر کام اللہ کی منظوری سے ہوتا ہے اس لیے وہ خیر ہی ہے اور ہم اس پر راضی ہیں۔)

تیسرے صاحب کے جو دھول ماری تو انہوں نے یہ کیا کہ اٹھ کر اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا اور سہلانے لگے اور دم کیا کہ بھائی تمہارے ہاتھ میں چوٹ تو نہیں لگی۔ وہ اس شان کے تھے۔ یہ بزرگوں کے شیون ہیں جن میں مثہا کی صورت وہ وہی ہے جو پہلے صاحب نے کیا۔

حضرت سمنون کی محبت کا قصہ: حضرت سمنون کی محبت کا قصہ ہے کہ یہ اپنی محبت کا قصہ بیان کر رہے تھے کہ ایک چڑیا ان کے قریب آ بیٹھی اور تھوڑی دیر کے بعد ان کی گود میں آ بیٹھی اور تڑپنے لگی اور مر گئی۔ دیکھیے درجہ محبت کا اثر ہے۔ اب جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ بتائیں کہ کاہے کا اثر تھا جس نے جانوروں میں آگ لگا دی وہ انسان میں آگ لگا دے تو کیا بعید ہے۔

توجہ کا اثر: ایک بزرگ سے ان کے مرید نے اپنی محبت کا اظہار کیا' فرمایا تمہیں کیا محبت ہوتی ہم کو ہی تم سے محبت ہے' اگر ہم اپنی توجہ کو ہٹالیں تو کبھی ہمارے پاس نہیں آ سکتے۔ چنانچہ مرید کی تنبیہ کے لیے انہوں نے ایک بار توجہ ہٹالی۔ کئی مہینے تک پاس آنے کی توفیق نہیں ہوئی حالانکہ تھا

اسی شہر میں، پھر توجہ کی آ موجود ہوا' فرمایا دیکھا یہ ہے تمہاری محبت کی حقیقت واصلیت۔

مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کا قصہ: ہمارے ایک اور بزرگ استاد تھے' ان کی عادت تھی کہ جب کوئی ان کی تعریف کرتا تو خاموش محض ہو جاتے' اس سے ناواقف دیکھنے والا یوں سمجھتا کہ یہ اپنے آپ کو اس تعریف کا اہل سمجھتے ہیں اور یہ تکبر ہے مگر دوسرے وقت ان کی یہ حالت تھی کہ دیوبند کے قریب املیاں ایک گاؤں ہے اس میں دعوت ہوتی' داعی یعنی دعوت کرنے والے نے سواری تک نہیں بھیجی' یہ بزرگ مع رفقاء کے پیدل چلے گئے جب وہاں سے آم کھا کر چلنے لگے تب بھی بلانے والے نے سواری کو نہ پوچھا پیدل ہی چلے۔ چلتے وقت گھر والوں کے واسطے اس نے آم دیئے۔ ظاہر ہے کہ مولانا کو اوروں سے زیادہ حصہ دیا ہوگا مولانا نے اپنا حصہ لنگی میں باندھ لیا۔

مولانا دہلی میں شہزادوں کی گودوں میں پلے ہوئے تھے اور بہت نازک بدن تھے بوجھ لے کر چلنے کی عادت کہاں' اس گٹھڑی کو کبھی اس ہاتھ میں لیتے اور کبھی اس ہاتھ میں لیتے بمشکل دیوبند کے قریب پہنچے جب بازار کے قریب پہنچے تو تھک کر ایک دفعہ اس گٹھڑی کو سر پر رکھ لیا تو بڑا آرام معلوم ہوا تو فرماتے ہیں کہ میاں پہلے سے ترکیب سمجھ میں نہ آئی بڑے آرام سے آتے سر پر گٹھڑی رکھے ہوئے چلے جاتے ہیں اور دونوں طرف سے سلام ہوتے چلے جاتے ہیں اور مصافحے ہوتے جاتے ہیں اور مولانا بے تکلف چلے جاتے ہیں' مدرسہ تک اسی طرح چلے گئے راستہ میں معتقدین نے لینا بھی چاہا مگر کسی کو نہیں دیا ہشاش بشاش ذرا طبیعت پر بار نہیں تھا۔

مولانا مظفر حسین کے واقعات: ہماری طرف ایک بزرگ مولانا مظفر صاحب تھے اور اپنے معمولات کے بہت پابند تھے' تہجد سفر میں بھی قضا نہ کرتے تھے' اس وقت ریل نہ تھی لوگ بہلیوں میں سفر کرتے تھے۔ مولانا اس میں بھی تہجد پڑھتے تھے مگر کبھی اس ضرورت کے لیے بہلی کو ٹھیرایا نہیں کیونکہ اس سے دوسرے رفقاء کا حرج ہوتا یا کم از کم گاڑی بان کا تو حرج ہوتا اور عارفین کسی کی کلفت کو کبھی گوارا نہ کرتے بس یہ کرتے کہ گاڑی سے آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے۔ جب گاڑی نزدیک آ جاتی اور آگے بڑھ جاتے پھر دو رکعت پڑھ لیتے اسی طرح تہجد ختم کرتے بھلا آج تو کوئی شیخ صاحب ایسا کر کے دکھاویں۔

اول تو سفر میں تہجد ہی کون پڑھتا ہے اور جو کسی کو شوق ہوا تو بس گاڑی بان کم بخت کی

مصیبت ہے کہ گھنٹہ بھر تک گاڑی کو روکے کھڑا رہے تہجد اور راحت رسانی مخلوق دونوں کو جمع کر کے دکھاؤ۔

ان ہی مولانا مظفر حسین کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ مولانا دہلی سے کرایہ کی ایک بہلی میں چلے' گاڑی بان سے دیہاتیوں کی طرح باتیں کرتے رہے تا کہ وہ مانوس ہو' کیونکہ رفیق سفر کو مانوس کرنا بھی حق رفاقت ہے پھر اس سے باتوں باتوں میں معلوم ہو گیا کہ یہ بہلی رنڈی کی ہے' مولانا کو بڑی وحشت ہوئی کیونکہ آپ بڑے متقی تھے ان کا تقویٰ مشہور ہے' وہ ایسی گاڑی میں کیونکر سوار ہو سکتے تھے جو حرام کمائی سے تیار ہوئی ہو مگر کمال یہ ہے کہ آپ نے اترنے میں جلدی نہیں کی سنتے ہی فوراً نہیں اتر پڑے اس خیال سے کہ گاڑی بان کی دل شکنی نہ ہو تھوڑی دور جا کر رخصت پیشاب کے بہانے سے اترے پھر اس سے کہا کہ اب تو پیدل چلنے کو دل چاہتا ہے۔ گاڑی بان سمجھ گیا اور عرض کیا کہ میں سمجھ گیا ہوں اب بہتر ہے کہ مجھ کو رخصت فرمایئے۔ فرمایا' یہ نہیں ہو سکتا میرے کرایہ کے سبب ممکن ہے کہ کوئی کرایہ دار لوٹ گیا ہو یعنی چونکہ میں نے یہ گاڑی کرایہ پر کی تھی اس لیے تمہیں اور کوئی گاہک بھی نہیں ملا تو یہ خسارہ مجھ کو گوارہ نہیں اسی طرح کاندھلہ تک بہلی لائے اور خود پیدل تشریف لائے یہاں پہنچ کر پورا کرایہ دے کر رخصت کیا' یہ ہے کمال۔

ان ہی بزرگ کا یعنی مولانا مظفر حسین صاحب کا قصہ ہے انہوں نے دیکھا کہ ایک پہلوان مسجد میں آیا اور غسل کرنا چاہتا تھا۔ مؤذن نے اس کو ڈانٹا اور کہا نماز کے نہ روزے کے مسجد میں نہانے کے لیے آ جاتے ہیں۔ ان بزرگ نے ڈانٹنے والے کو منع کیا اور خود اس کے نہانے کے لیے پانی بھرنے لگے اور اس سے کہا ماشاءاللہ تم بڑے پہلوان معلوم ہوتے ہو ویسے تو زور بہت کرتے ہو ذرا نفس کے مقابلہ میں بھی زور کیا کرو نفس کو دبایا کرو اور ہمت کر کے نماز پڑھا کرو پہلوانی تو یہ ہے' بس وہ شخص پانی پانی ہو گیا اور بہت شرمایا اسی وقت سے نماز کا پابند ہو گیا۔

اسی طرح ان ہی مولوی صاحب کا قصہ ہے کہ انہوں نے ایک رئیس سے کہا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے' انہوں نے کہا کہ نماز تو پڑھ لیں مگر وضو کی بیخ ایسی ہے کہ ہمارے بس کی نہیں بار بار داڑھی کو اتار کر کون چڑھائے۔ یہ رئیس داڑھی چڑھانے کے عادی تھے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ بے وضو ہی نماز پڑھ لیا کیجئے مگر پابندی کے ساتھ پڑھیے۔ رئیس نے کہا کہ بے وضو پڑھنے سے گناہ تو نہ ہو گا۔ فرمایا آپ بے فکر رہیں' اگر گناہ ہو گا تو مجھے ہو گا آپ تو میرے کہنے سے

پڑھیں گے۔ اب کیا تھا مجبوراً نماز شروع کرنا پڑی اور مولوی صاحب کی یہ برکت تھی کہ اول ہی وقت یہ بات خیال میں آئی کہ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ بدون وضو یعنی بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی یہ تو ان کی شفقت تھی کہ مجھ کو راہ پر لگا لیا اور قطع حجت یعنی میرا بہانہ ختم کرنے کے لیے یہ گنجائش دے دی تو بے وضو پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔ اور خود مولوی صاحب کا بھی یہی مقصود تھا اور ان رئیس کے نہج پر اعتماد تھا تو وہ گنجائش صرف صورۃً تھی حقیقتاً نہ تھی پھر جب بار بار داڑھی چڑھانے میں وقت معلوم ہوئی داڑھی بھی چھوڑ دی پس اہل اللہ میں اس قدر شفقت ہوتی ہے کہ خلق خدا کو اولاد کے اور بھائیوں کے برابر سمجھتے ہیں۔

ان ہی بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ راستہ میں ایک بڈھے کو دیکھا کہ بوجھ سر پر لئے ہوئے آ رہا ہے اور تھک گیا ہے۔ آپ سے نہ رہا گیا اس سے کہہ سن کر اس کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیا حالانکہ خود بھی جوان نہ تھے۔ اس نے کہا میاں جی تم بھی بڈھے ہی ہو' کہا اول تو میں تجھ سے کم بڈھا ہوں' دوسرے تازہ دم ہوں اس کا بوجھ دور تک لیے چلے گئے اور اس سے باتیں کرتے رہے۔ اس نے کہا مولوی مظفر حسین سے ملنے کا بہت مشتاق ہوں' سنا ہے وہ آج کل ادھر آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں میں ان سے ملا دوں گا یہاں تک کہ جب اس کے گاؤں میں پہنچ گئے وہاں پہنچ کر اس نے پھر کہا کہ بھائی یاد رکھو' مجھ کو مولوی مظفر حسین سے ضرور ملائیو' اس وقت فرمایا کہ مظفر حسین تو میں ہی ہوں' وہ نہایت شرمندہ ہوا اور ان کے قدموں پر لوٹنے لگا۔ مولانا نے کہا کہ بھائی شرمندگی کی کیا بات ہے' ایک مسلمان کا کام کر دیا تو کیا ہو گیا؟

اور ان ہی مولانا کی حکایت ہے جو بالکل اس کی مصداق ہے

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمنان ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوستانت خلاف است جنگ

''میں نے سنا ہے کہ مردان راہ خدا نے دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ نہیں کیا ہے تجھ کو یہ مرتبہ کب حاصل ہو سکتا ہے' اس لیے کہ دوستوں کے ساتھ بھی تیری لڑائی اور ان سے مخالفت ہے۔''

ایک قصبہ ہے بیڑولی' کسی سفر میں مولانا وہاں پہنچے اور سرائے میں ٹھہرے۔ وہاں ایک مہاجن بھی مع اپنے لڑکے کے ٹھہرا ہوا تھا۔ لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے۔ اس نے

مولانا سے سب پتہ وغیرہ پوچھا۔ آپس میں مسافر پوچھا کرتے ہیں کہ آپ کہاں سے آئے اور کہاں جائیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں صبح کو فلاں جگہ جاؤں گا چنانچہ مولانا شب کو تہجد پڑھ کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس بنیے کی جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ لڑکے کے ہاتھ میں کپڑے ندارد۔ حضرت مولانا نہایت ہی غریبانہ حالت سے رہتے تھے' بنیے نے خیال کیا کہ ضرور وہی غریب سا آدمی جو یہاں ٹھہرا ہوا تھا کپڑے اتار کر لے گیا۔ اس نے پتہ تو مولانا سے پوچھ ہی لیا تھا بس اٹھ کر سیدھا اس طرف ہولیا' مولانا جا ہی رہے تھے۔ بنیے نے آواز دی۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی کیوں کیا ہے اس نے پاس جا کر ایک گھونسا لگایا اور کہا کپڑے لے کر چلے آئے اور کہتے ہیں کیا ہے؟ چلو تھانہ کو' اس پر حضرت جی نے کہا کہ تو کیوں ایسی حالت میں رہتا ہے جو اس کا تیری طرف ایسا خیال ہوا تیرا علاج یہی ہے پھر حضرت نے فرمایا کہ بھائی چل۔ چنانچہ چلتے چلتے جھنجھانہ کے قریب آئے۔ تھانہ آبادی کے باہر تھا' تھانہ دار مولانا کا معتقد تھا جوں ہی حضرت مولانا کو دور سے دیکھا سروقد تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اب تو بنیا گھبرایا اور سمجھا یہ تو کوئی بڑے آدمی ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ ڈرومت میں تجھے کچھ نہ کہنے دوں گا۔ چنانچہ تھانیدار نے جب اس کی خبر لینی چاہی تو مولانا نے فرمایا کہ اس سے کچھ بھی کہو گے تو مجھے سخت تکلیف ہوگی اور بنیے سے کہہ دیا کہ جا بھاگ جا بھاگ جا۔ پھر مولانا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تو اس واقعہ سے بڑا نفع ہوا۔ جب لوگ مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور ہاتھ چومتے ہیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ مظفر حسین اللہ کا تجھ پر بڑا فضل ہے کہ تجھے ان لوگوں کی نظروں میں معزز بنا دیا ہے ورنہ تیری حیثیت وہی ہے جو اس بنیے کی نظر میں تھی۔ یہ ہیں اخلاق اہل اللہ کے اور یہ ہے تواضع کہ

دل دشمنان ہم نکردند تنگ دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ نہ کیا

کتاب میں تو پڑھا ہی ہوگا مگر یہ اس طرح کی نظیریں اس زمانہ تک موجود ہیں اب تو کسی کو ایک لفظ کہہ دینے سے توہین کی نالش ہوتی ہے کہ میری ہتک عزت کی گئی ایک لاکھ روپیہ معاوضہ کا دلوایا جاوے۔

مولانا محمد مظہر صاحب کا واقعہ: مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کا واقعہ ہے کہ حجام خط بنانے کو آیا تو مولانا اس وقت چارپائی پر پائینتی کی طرف بیٹھے تھے۔ مولانا نے سرہانے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بھائی بیٹھ جا' اس نے سرہانے بیٹھنے سے انکار کیا۔ مولانا نے فرمایا تو تو کھڑا

ہے تیرے ساتھ سب جگہوں کو برابر نسبت ہے پھر تو خالی جگہ میں نہیں بیٹھتا اور میں بیٹھا ہوا ہوں مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں بیٹھا ہوا اٹھوں۔ حجام نے عرض کیا کہ مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ سرہانے بیٹھوں۔ مولانا نے فرمایا کہ پھر بھائی جب تو مجھے سرہانے بیٹھا دیکھے اس وقت خط بنا دیجیو' آخر کار لوگوں نے کہا کہ بھائی تو حجامت بنا بھی دے یہ تو اٹھیں گے نہیں۔ اب تو یہ حالت ہے کہ سرہانے بٹھانا کیسا' اگر حجام السلام علیکم بھی کہے تو جوتیاں پڑیں حجام کو سرہانے بٹھانا تو بڑوں کا کام تھا۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اور علاج غرور: مولانا اسمٰعیل صاحب مسجد میں سو جاتے مسافروں کے پیر دابایا کرتے تھے صرف اس واسطے کہ تواضع اور تذلل پیدا ہو' ایک دفعہ مولانا سفر میں لشکر سے نکل کر شہر کی مسجد میں جا ٹھہرے۔ مؤذن عام طور سے مسافروں سے جلا کرتے ہیں ان کو بھی منع کیا۔ مولانا نے اس کا کہنا نہ مانا اس نے دھکے دے کر ان کو نکال دیا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا آخر اس نے تنگ ہو کر کہا اچھا بھئی بیٹھ جا تھوڑی دیر میں لشکر سے دو سوار مولانا کو ڈھونڈتے ہوئے آئے۔ اب تو مؤذن کے ہوش خطا ہوئے اور سمجھا اب پٹوں گا یہ تو کوئی بڑے آدمی ہیں۔ مولانا نے کہا ڈرو مت تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا میں جاتا ہوں تجھے کھانا بھی بھجوا دوں گا۔ وہ پیروں پر گر گیا اور معافی چاہی پھر پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا' فرمایا یہ میں نے اپنا علاج کیا مجھے کسی وجہ سے خیال ہو گیا تھا کہ لوگ مجھ کو بڑا سمجھتے ہیں اس کبر کا یہ علاج کیا کہ دھکے کھائے یہ اس مادۂ فاسد (گندی بیماری) کا مسہل ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور علاج غرور: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ کمر پر مشک لادے ہوئے مسلمانوں کو پانی پلاتے پھرتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ اے امیر المومنین یہ کیا ہے' کہا کچھ لوگ بطور وفد آئے تھے انہوں نے میری مدح کی اس سے انبساط پیدا ہوا اس کا میں نے یہ علاج کیا۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کرتا پہنا وہ اچھا معلوم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی آستین بالشت بھر کاٹ دی تاکہ عیب پڑ جائے اور بدنما ہو جائے۔

فائدہ: یہ وہ حضرات ہیں جن سے زیادہ کامل النفس (نفس کے دھوکوں سے محفوظ) کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان کو اتنا اہتمام اس مرض کا تھا۔ اس بھروسہ میں نہ رہتے تھے کہ ہم نے تہذیب نفس (نفس

کو سنوار لیا) کر لی ہے اور ایک دم غوائل نفس (نفس کے دھوکوں سے) سے غفلت نہ کرتے تھے کہ ہم کس خیال میں ہیں کہ ذرا ذکر و شغل کر لیا اور مطمئن ہو گئے کہ اب ہم نفس و شیطان کی قید میں نہیں آ سکتے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی ظرافت: جیسے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ زمین پر بے ہوش پڑا ہے۔ لوگ اس کے گرد کھڑے ہوئے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے، لوگوں نے کہا کہ یہ عاشق ہے عشق میں دو منزلہ مکان سے کود پڑا ہے۔ وہاں قریب ہی ایک زینہ تھا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اس ایک سیڑھی پر چڑھ کر کود پڑے اور کہا ہم بھی عاشق ہیں مگر عشق سعدی تا بزانو یعنی عشق کے مراتب مختلف ہیں ایک درجہ ہم کو بھی حاصل ہے گو بڑا درجہ حاصل نہ ہو۔ یہ تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی ظرافت تھی۔

عالم نما جاہل کی حکایت: ایک عامل بالحدیث کی حکایت ہے کہ وہ امامت کے وقت نماز میں ہلا کرتے تھے اور تنہا نماز پڑھتے ہوئے نہ ہلتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ امامت کے وقت تم کو کیا ہو جاتا ہے جو اس قدر ہلتے ہو، کہا حدیث میں آیا ہے کہ امام کو ہلنا چاہیے لوگوں نے کہا ذرا ہم بھی دیکھیں، تو آپ حدیث کی مترجم کتاب اٹھا لائے، اس میں حدیث میں من ام منکم فلیخفف کا ترجمہ یہ لکھا تھا کہ جو شخص امام بنے وہ ہلکی نماز پڑھائے۔ یعنی طویل نہ کرے۔ آپ نے ہلکی کو ہل کر پڑھا کیسا ناس کیا۔

فائدہ: اسی طرح ایک شخص کا دوست پٹ رہا تھا اور خود بھی کچھ کچھ ہاتھ چلا رہا تھا آپ نے دوڑ کر دوست کے ہاتھ پکڑ لیے دشمن نے زیادہ مرمت کی جب اس سے فراغت ہوئی تو دوست نے جھلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی؟ میری امداد تو کرنے سے رہا الٹے میرے ہاتھ بھی پکڑ لیے کہ میں خود بھی مدافعت نہ کر سکوں۔ کہا میں نے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے موافق حق دوستی ادا کیا تھا وہ فرما گئے ہیں:

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ‏ ‏ در پریشاں حالی و در ماندگی

اگر قواعد شریعت سے کام نہ لیا جائے تو محض ترجمہ دیکھنے سے ایسا عمل ہو گا جیسا اس شخص نے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کیا تھا۔ آج کل جن لوگوں کو قرآن و حدیث کے ترجمہ کا شوق ہے یہ شوق بہت اچھا ہے میں اس کی قدر کرتا ہوں کیونکہ

چونکہ گل رفت و گلستان شد خراب   بوئے گل را از کہ جوئم از گلاب
چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ   چارہ نبود در مقامش از چراغ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے نہیں ہیں تو اب قرآن و حدیث ہی سے نفع اٹھانا چاہیے اور کسی کی سمجھ میں وہ بھی نہ آئے تو اس کے ترجمہ ہی سے ہم آپ کی محبت کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔

اس کے سوا اور کیا صورت ہے۔ مگر اس کا یہ طریقہ صحیح نہیں کہ ہر شخص خود ترجمہ کا مطالعہ کرنے لگے بلکہ اس کو سبقاً سبقاً کسی عالم سے پڑھنا چاہیے ورنہ بعض لوگ اس حدیث سے یہ مطلب کہ ''تقدیر کو تدبیر کے سامنے مت دیکھو'' لیں گے جیسا کہ درج ذیل قصہ میں ایک دیہاتی مریض نے حکیم صاحب کی باتوں کا لیا تھا۔

ایک گاؤں والا کسی حکیم کے پاس گیا اور نبض دکھلا کر اپنے مرض کا علاج حکیم سے پوچھا' حکیم نے نسخہ لکھا جس میں ایسی دوائیاں لکھیں جو اس گاؤں میں نہیں ملتی تھیں۔ پھر غذا کو پوچھا تو حکیم نے سویا پالک کے ساگ اور مونگ کی دال کی اجازت دی مگر وہ دیہاتی ایسے گاؤں کا رہنے والا ہے جہاں نہ مونگ کی دال نہ پالک ملتا ہے۔ حکیم نے کہا اچھا کدو کھالیا کرو' اس نے کہا وہاں تو یہ بھی نہیں ملتا۔ حکیم نے پوچھا پھر کچھ وہاں ملتا بھی ہے کہا وہاں تو مسور کی دال چنے کی دال اور کریلے اور بینگن ملتے ہیں۔ حکیم نے کہا یہ ہرگز مت کھانا' اب اگر یہ دیہاتی یوں کہے کہ مطب تو تنگ نہیں بلکہ میرا گاؤں تنگ ہے تو بتلایئے عقلاء کیا کہیں گے یقیناً سب یہی کہیں گے کہ مطب تو تنگ نہیں بلکہ تیرا گاؤں تنگ ہے جہاں معمولی دوائیں اور معمولی غذائیں بھی نہیں ملتیں؟

ایک لطیفہ: ایک بوڑھا آدمی حکیم کے پاس جا کر کہنے لگا کہ میری آنکھوں میں کمزوری ہے۔ کہا بڑھاپے سے' کہا' میرا دماغ خالی سا ہو گیا ہے' کہا بڑھاپے سے' کہا میرے ہاتھ پاؤں میں درد ہوتا ہے کہا' یہ بھی بڑھاپے سے۔ بڈھے نے جھلا کر حکیم کے ایک دھول رسید کی کہ نامعقول تو نے بڑھاپے کے سوا حکمت میں کچھ اور بھی پڑھا ہے۔ حکیم نے ہنس کر کہا کہ میں آپ کے غصہ کا برا نہیں مانتا کیونکہ یہ غصہ بھی بڑھاپے ہی کی وجہ سے ہے۔

فائدہ: اسی طرح آپ کو جو مولویوں کے فتووں پر غصہ آتا ہے اس کا سبب وہی جہل اور معاشرت کی تنگی ہے ورنہ شریعت میں کوئی بھی اشکال نہیں جیسے قرآن بے دھڑک کہتا ہے۔ ﴿ذٰلِكَ

الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ﴾ حالانکہ آگے چل کر اسی سورت کے تیسرے رکوع میں ہے۔ ﴿وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا﴾ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو قرآن میں شک بھی تھا' مگر قرآن اس کے باوجود بے دھڑک لَا رَیْبَ فِیْہِ کہہ رہا ہے کیونکہ ان لوگوں کے شک کی ایسی مثال تھی جیسے یرقان والا کہتا ہے۔ ھٰذَا الثَّوب اَصْفَر کہ یہ کپڑا زرد ہے اور تندرست آدمی اس کے جواب میں کہتا ہے۔ ھٰذَا لَا صَفْرَۃ فیہ کہ اس میں زردی نہیں' تو وہ صحیح کہتا ہے کہ کیونکہ وہ زردی تو اس کی آنکھوں میں ہے۔

اس طرح اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں تو ریب (شک) نہیں تم خود ریب میں جا گھسے ہو اور وہ ریب بھی تم کو خود نہیں لپٹا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ہر شخص کو ریب سے پاک پیدا کیا ہے' چنانچہ حدیث میں ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ مگر یہ خدائی باغ ہے اس میں پھول بھی ہیں اور جھاڑ بھی ہیں' ایمان بھی ہے اور کفر بھی' تم کو اللہ تعالیٰ نے جھاڑوں سے الگ رکھا تھا تم خود ان میں جا پھنسے۔ رہا یہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے باغ میں جھاڑ کیوں رکھے ہیں تو اس سوال کا کسی کو حق نہیں۔ اور اجمالی جواب یہ ہے کہ اس میں بھی حکمتیں ہیں؟

نماز با جماعت اور احمد غزالی رحمہ اللہ کا واقعہ: امام غزالی رحمہ اللہ کے بھائی احمد غزالی رحمہ اللہ جو صاحب حال زیادہ تھے اور امام صاحب (یعنی امام غزالی ہی اس وقت امام مسجد تھے) صاحب علوم زیادہ ہیں جماعت کی نماز میں پڑھتے تھے بلکہ تنہا پڑھتے تھے۔ امام صاحب نے والدہ سے شکایت کی کہ احمد میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتا اور جماعت ترک کرتا ہے۔ والدہ نے ان کو جماعت کی تاکید کی تو وہ نماز میں آئے۔ اس زمانے میں امام غزالی رحمہ اللہ فقہ کی کوئی کتاب لکھ رہے تھے اور کتاب الحیض تک پہنچے۔ نماز میں ان کو کتاب الحیض کے مسئلہ پر خیال آ گیا اور اس کو سوچتے رہے۔ ان کے بھائی صاحب نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور تنہا نماز پڑھ کر چلے آئے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے والدہ سے شکایت کی کہ آج تو انہوں نے بہت سخت حرکت کی کہ شرکت کر کے پھر جماعت سے الگ ہو گئے۔ والدہ نے اس کا سبب پوچھا تو کہا ان سے پوچھئے کہ اگر کسی کا کپڑا خون آلودہ ہو تو نماز ہوئی یا نہیں کہا نہیں' کہا اور دل کا درجہ کپڑے سے زیادہ ہے۔ جب کپڑوں کا خون سے پاک ہونا شرط ہے تو دل کا پاک ہونا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے اور تم نماز کے اندر حیض کے مسائل پر سوچ رہے تھے' تمہارا دل خون آلودہ تھا اس لیے میں نے علیحدہ نماز

پڑھی۔ والدہ نے کہا احمد تمہارا دل بھی اس دھبہ سے محفوظ نہیں رہا' تم نے ان کے دل پر توجہ ہی کیوں کی تم کو چاہیے تھا کہ اپنے شغل میں لگے رہتے۔

فائدہ: والدہ دونوں سے زیادہ عارف تھیں' کیسا عجیب فیصلہ کیا' غرض بعض اہل حال اس مشقت حضور کو دیکھ کر نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ بدون (بغیر) حضور نماز نہیں اور حضور ممکن نہیں مگر یہ سخت غلطی ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ایک شخص کا قول ہے۔

برزباں تسبیح ودر دل گاؤ خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

''میں نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے''ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر۔''

ایک عاشق الٰہی کی حکایت: ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ قافلہ کے ساتھ ایک صاحب تھے شریعت سے تو آزاد نہ تھے مگر ہاں دنیا کی وضعداری سے آزاد تھے یعنی کبھی کبھی ذوق وشوق میں آ کر آپ ناچنے کودنے بھی لگتے تھے چکر بھی لگانے لگتے تھے اور اشعار عاشقانہ پڑھنے لگتے' غرض بظاہر بالکل رندانہ روش تھے۔ سب کہتے تھے یہ کوئی مسخرہ ہے اور سب کو ان کی حرکتیں ناگوار بھی ہوتیں کہ مہمل (بے کار) شخص ہے جو حج کے راستہ میں بھی تمسخر (مذاق) سے باز نہیں آتا۔ یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ صاحب ورد ہیں اور ورد مجاز کا نہیں حقیقت کا' اس کے درد کا ظہور اس طرح ہوا کہ جب مکہ پہنچے اور مطوف طواف (طواف کرانے والا معلم) کو لے چلا تو حرم شریف کے دروازے سے بہت باہر ہی سے خانہ کعبہ نظر آتا ہے۔ مطوف نے اپنے حاجیوں سے کہا کہ بھائیو! دیکھ لو یہی ہے بیت اللہ جب اس شخص نے مطوف کی زبان سے یہ سنا کہ دیکھ لو یہ ہے بیت اللہ اور اس کی نظر اچانک بیت اللہ پر پڑی تو اس شخص پر خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی بے ساختہ ایک کیفیت طاری ہو گئی اور بے ساختہ اس کے منہ سے یہ شعر نکلا

چوری بکوئے دلبر بسیار جان مضطر کہ مبادا دیگر نہ رسی بدیں تمنا

بس یہ کہنا تھا کہ زور سے ایک چیخ ماری اور فوراً زمین پر گرے اور دم نکل گیا اور وہیں حرم شریف کے باہر ہی فنا ہو گیا۔

فائدہ: بے چارہ طواف بھی نہ کرنے پایا تھا ورنہ طواف ہی میں جان نکلتی لیکن خیر ایک طواف فوت ہوا تو کیا ہے۔ اس کی روح تو قیامت تک طواف کرتی رہے گی اور عشاق کو ہر وقت طواف میسر ہے۔ یہ تو زاہدین ہی کا طواف ہے جو ختم ہو جانے والا ہے۔ عاشقین کا طواف دائم ہے وہ ہر وقت

طواف ہی میں رہتے ہیں؟

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خلوص: حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک شیخ تھے ان کے بارے میں حضرت مجدد صاحب کو لوح محفوظ دیکھنے سے یہ مکشوف (کشف ہوا کہ یہ اشقیاء (بدکاروں) میں سے ہے) بس حضرت بے چین ہو گئے اور اتنی دعائیں مانگیں اتنی دعائیں مانگیں یہاں تک کہ پھر مکشوف ہوا کہ ان کا نام اشقیاء کی فہرست سے کٹ گیا اور شہداء میں لکھ لیے گئے اتنا بڑا نفع تو انہیں پہنچایا اور پھر کہلا کر بھی نہیں بھیجا اور کیوں کہلا کر بھیجتے۔

فائدہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے کام کرتے ہیں انہیں نام کی ضرورت نہیں۔ اہل اللہ اس طرح دستگیری فرماتے ہیں۔

ایک جلالی بزرگ کی حکایت: قصبہ رام پور میں ایک بزرگ تھے حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب، بڑے تیز مزاج تھے۔ بس رعد اور برق تھے۔

ایک بار حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ان کے یہاں مہمان تھے ایک مسئلہ طلاق کا پیش آیا۔ مولانا نے فتویٰ دیا، ایک ملانی کہنے لگیں کہ قرآن مجید میں تو اس کے خلاف لکھا ہے۔ حکیم صاحب بگڑ گئے کہاری چل بیٹھ چڈو تو کیا جانے قرآن کو، اتنے جوتے پڑیں گے کہ سر پر ایک بال بھی باقی نہ رہے گا تو کیا جانے چڑیل کہ قرآن کسے کہتے ہیں۔

فائدہ: جواب مخاطب کے علم اور فہم کے مطابق دینا چاہیے چنانچہ ایک شخص نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ حیض میں عورت کو نمازیں تو بالکل معاف ہیں ان کی قضا بھی واجب نہیں لیکن روزے بعد کو رکھنے پڑتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

مولانا نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ پر عمل نہ کرو گی تو اتنے جوتے سر پر پڑیں گے کہ سر پر بال نہ رہیں بس یہی وجہ ہے۔

اس کے چلے جانے کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ایک طالب علم نے اس کی وجہ دریافت کی تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس میں حرج ہے، اس میں حرج نہیں اور بعض اور نکات بھی بیان فرمائے۔ آپ نے جاہل کو یہ جواب دیا کہ اگر عمل نہ کرو گے تو اتنے جوتے لگیں گے کہ سر پر ایک بال بھی نہ رہے گا۔ مثل مشہور ہے کہ اندھے کے آگے روئے اپنی بھی آنکھیں کھوئے؟

ایک شاعر اور امیر کی حکایت: ایک شاعر نے ایک قصیدہ کسی امیر کی شان میں لکھا، وہ سن کر

بہت خوش ہوا اور انعام کا وعدہ کر لیا اور کہا کہ کل آنا انعام دیں گے۔ اب شاعر صاحب بڑے خوش۔ ساری رات حساب کتاب کیا کہا اتنا بیوی کو دوں گا' اتنے کا حلوہ بناؤں گا' اتنے کا گھی خریدوں گا۔ غرض کے مارے خوشی کے نیند بھی نہیں آئی۔ صبح ہوتے یہ پہنچے سلام کیا۔ اب وہ امیر صاحب اجنبی بن گئے جیسے کبھی دیکھا ہی نہیں۔

عرض کیا حضور! میں شاعر ہوں' کہا کون شاعر؟ عرض کیا' اجی حضور کل میں نے ہی تو حضور کی شان میں قصیدہ سنایا تھا اور حضور نے آج انعام دینے کا فیصلہ فرمایا تھا چنانچہ انعام لینے ہی کے لیے حاضر ہوا ہوں وعدہ پورا فرمایئے۔ امیر نے نہایت ہی روکھے پن سے جواب دیا کہ یہ خوب کہی' کچھ آپ کا میرے ذمے قرض آتا ہے' میاں اپنا روپیہ کیوں فضول ضائع کروں؟

اس نے کہا آپ نے جو وعدہ کیا تھا' کہا میاں! تم نے ایک بات کہہ کر میرا جی خوش کر دیا' ایک بات میں نے کہہ کر تمہارا جی خوش کر دیا۔ واقعیت (اصلیت وحقیقت) نہ اس میں تھی نہ اس میں' بدلہ تو ہو گیا' پھر انعام کیسا بلکہ تمہارے قصیدے نے تھوڑی ہی دیر کے لیے مجھے خوش کیا تھا جبکہ میرے وعدے نے تو رات بھر تمہیں خوش رکھا' تھوڑی دیر کے بدلہ میں تمہیں ساری رات کی خوشی مل گئی پھر انعام کیسا۔ غرض بجائے روپے کے ٹکا سا جواب دے دیا اور شاعر صاحب اپنا سا منہ لے کر چلے آئے۔

دشنام محبت: ایک مرید تھے ان کو غیب سے آواز آئی کہ کافر ہو کر مرے گا چاہے لاکھ عبادت کر۔ یہ سن کر ان کے ہوش جاتے رہے اب سخت پریشان اور صاحب کیوں نہ ہو پریشانی' ہے ہی پریشانی کی بات' گھبرائے ہوئے فوراً شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے! اللہ اکبر! شیخ بھی واقعی خدا کی رحمت ہے۔ بہت بڑی رحمت ہے' یہ تو پہنچے تھے سراسیمہ (پریشان) اور سخت پریشان انہوں نے ہنس کر کہا' میاں بے فکر رہو۔ کچھ نہیں یہ دشنام محبت ہے۔ اجی محبوب اپنے محبوں کو چھیڑا ہی کرتے ہیں۔ برا بھلا کہا ہی کرتے ہیں' کہنے بھی دو میاں کچھ پروانہ کرو تم اپنا کام بھی کیے جاؤ بس یہ سنتے ہی اطمینان ہو گیا اور ساری پریشانی بھی ختم ہو گئی پھر وہ کشف بھی ختم ہو گیا۔

فائدہ: کیونکہ وہ تو محض ایک امتحان تھا اور اگر کوئی کہے کہ نعوذ باللہ! کیا خدا نے جھوٹ بولا' تو سنئے' جھوٹ کہا ہوا' اجی اسے تو کہہ دیا کہ کافر مرے گا اور اتنا چپکے سے کہہ لیا اگر ہمارا فضل نہ ہو؟

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت: حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ

کسی مقام پر وہ پہنچے تو ان کی شہرت سن کر ایک مجمع زیارت کے لیے جا پہنچا۔ وہ گھبرائے کہ یہ کہاں کی بلا آ ٹوٹی' آپ نے کیا ترکیب کی کہ پکار کر کہہ دیا (لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُنِیْ) یعنی کوئی خدا نہیں سوائے میرے پس عبادت کر میری۔ یہ سنتے ہی سب لوگ لاحول پڑھ کر بھاگ گئے کہ یہ شخص تو مردود (راندہ درگاہ خداوندی) ہو گیا۔ اب یہ بایزید کہاں رہے یہ تو یزید ہو گئے۔ یہ زمانہ تھوڑا ہی تھا کہ جتنی کفریات بکے اتنا ہی وہ مقبول اور خدا رسیدہ سمجھا جائے۔ غرض سب لاحول پڑھ کر بھاگ گئے۔ لیکن بعض خاص خاص لوگ جو مشاق تھے وہ البتہ رہ گئے۔ انہوں نے موقع پا کر نہایت ادب سے عرض کیا کہ حضرت کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا تھا بظاہر تو خدائی کا دعویٰ معلوم ہوتا تھا۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہنسنے لگے کہ نعوذ باللہ میں نے خدائی کا دعویٰ تھوڑا ہی کیا تھا اجی میں تو سورۂ طٰہٰ میں پڑھ رہا تھا میں نے صرف یہ کیا کہ آیت ذرا پکار کر پڑھ دی لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُنِیْ پھر اس میں حرج ہی کیا ہو گیا میاں یہ کیا جائز نہیں ہے؟ کہ آہستہ پڑھتے پڑھتے تھوڑا سا کلام مجید پکار کر پڑھ دے۔ آخر میں نے خلاف شرع کون سا کام کیا عجب پاگل ہو جو اس کو خدائی کا دعویٰ سمجھ بیٹھے' اجی مجھے لوگوں سے پیچھا چھڑانا منظور تھا اس لیے میں نے یہ کیا کہ یہ آیت پکار کر پڑھ دی تا کہ لوگوں کو مجھ سے وحشت ہو جائے اور میرا پیچھا چھوڑ دیں۔

ایک ملازم کا قصہ: ایک صاحب بہادر تھے (انگریز) اپنے نوکر کو کسی خطا پر برخواست کر دیا۔ اس نے معذرت چاہی اس نے کہا چلے جاؤ۔ وہ بولا کہاں جاؤں اس نے نہایت برہم ہو کر کہا جہنم میں جاؤ۔ خیر اس وقت تو وہ نکل گیا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر آ گیا' سامنے جا کر کہا سلام صاحب۔ صاحب بہادر بولے ہیں! تم پھر آ گئے۔ اس نے کہا حضور نے حکم دیا تھا کہ جہنم میں جاؤ' چنانچہ وہاں گیا تھا لیکن حضور وہاں تو صرف صاحب لوگ کا چہرہ دکھائی دیتا ہے کسی نے مجھے گھسنے نہیں دیا کہنے لگے کہ یہ جگہ تمہارے لیے نہیں یہ تو خاص صاحب لوگوں کی ہے کسی ہندوستانی کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔ یہ سن کر وہ بہت ہنسا اور خوش ہو کر اسے پھر نوکر رکھ لیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا خواب: میں نے دیوبند میں خواب دیکھا کہ منشی سراج الحق ایک پلنگ پر بیٹھے ہیں۔ لیکن وہ دو ہیں یعنی سرہانے پر بھی وہی بیٹھے ہیں اور پائینتی پر بھی وہی بیٹھے ہیں۔ غرض یہ دیکھا کہ دو سراج الحق ہیں۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب سے میں نے یہ خواب بیان کیا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فی البدیہہ فرمایا کہ انشاء اللہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا کیونکہ اولاد جو ہے وہ باپ کا وجود ثانی ہے چنانچہ ان کے گھر میں امید تھی لڑکا ہی پیدا ہوا۔

مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے ایک شاگرد کا قصہ: دیوبند میں ایک ذی علم پر تخیل کا غلبہ تھا کہ وہ یوں کہتے تھے کہ سوکھے ٹکڑے بھی اگر پلاؤ کے تصور سے کھاؤ تو پلاؤ کا لطف آتا ہے مجھے بھی ان کی زیارت ہوئی ان ہی کا یہ واقعہ بھی ہے کہ وہ رضائیاں اور لحاف اپنے سر پر باندھتے تھے انہیں یہی وہم سوار ہوگیا تھا کہ میرا سر نہیں رہا ہے اس لیے سر کی جگہ وہ ان چیزوں کو باندھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ طبیب بہت اچھے تھے طب میں اچھی خاصی عقل تھی لیکن اس خبط میں مبتلا ہوگئے تھے کہ میرا سر نہیں رہا۔ مولانا کو خبر کی گئی' مولانا علاج کے لیے تشریف لے گئے حال پوچھا تو وہی ہانکا کہ سر نہیں۔ مولانا نے نکال کے جوتہ سر پر مارنا شروع کیا وہاں اس کا بہت خرچ تھا چلانے لگے کہ مولوی صاحب چوٹ لگی۔ مولانا نے فرمایا چوٹ کہاں لگی۔ بولے سر میں۔ بولے سر تو ہے ہی نہیں کہنے لگی اجی ہاں ہے' اب معلوم ہوا کہ واقعی ہے۔ بس جاتا رہا مالیخولیا۔

شیشے کا بدن: ایک شخص کو یہ خیال ہوگیا کہ میرا بدن شیشے کا ہے۔ حکیم صاحب نے نبض جو دیکھنی چاہی تو آپ یہ کہنے لگے ہیں یہ کیا کرتے ہو مجھے ہاتھ نہ لگانا میرا بدن شیشے کا ہے ٹوٹ جاوے گا۔ حکیم صاحب نے اپنے دل میں کہا کہ اچھا یہ تو بڑی دور پہنچے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کیا تدبیر کی' اگلے دن بلایا اور آنے سے قبل خادموں کو حکم دیا کہ یہ جب آوے اس پر کمبل ڈال کر گرا کر اوپر سے شیشے کے ٹکڑے پتھر سے توڑ دو لیکن اس طرح کہ چوٹ نہ لگے۔ اگر غل مچائے تو مچانے دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس نے بڑا غل مچایا کہ ہائے میں ٹوٹا ہائے میں پھٹا لیکن کسی نے ایک نہ سنی۔ بالآخر حکیم صاحب نے اسے شیشہ کے ٹکڑے دکھا کر کہا کہ دیکھو میاں ہم نے تمہارے بدن پر سے شیشے کا خول اتار دیا اب تو اصلی بدن ہوگیا یا نہیں؟

شیشے کے ٹکڑے دیکھ کر اسے یقین ہوگیا کہ شیشے کا جو خول تھا وہ تو واقعی معلوم ہوتا ہے کہ اتر گیا پھر آپ نے بدن ٹٹول کہ کہا کہ ہاں اب تو ہوگیا بدن' غرض یہ خیال ایسی چیز ہے؟

افلاطون کا تصرف: ایک بار شاہ وقت افلاطون کے پاس آیا اور بعد امتحان اس نے بادشاہ کو

اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی جب رخصت ہونے لگا تو افلاطون نے کہا کہ میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے دل میں کہا کہ معلوم ہوتا ہے زیادہ دنوں تنہائی میں رہتے رہتے خبط ہوگیا ہے یہ جنون ہی تو ہے کہ آپ کی ایسی پھٹی ٹوٹی حالت اور بادشاہوں کی دعوت کرنے کے حوصلے اور بادشاہ اسی خیال میں مغرور بھی تھا کہ وہ تو اسی متاع کو بڑی چیز سمجھتا تھا مگر افلاطون کی نظر میں اس کی بڑی وقعت نہ تھی جیسے بچے ایک گھر بناتے ہیں پیر مکوڑا دیکھو وہاں سہ دریاں بھی ہیں کوٹھے بھی ہیں۔ سب کچھ وہاں موجود ہے مگر باپ اس کو دیکھ کر ہنس رہا ہے کہ ان حضرات کا سارا گھر میری ایک لات کا ہے بس ایسی ہی متاع ہے عقلاء دنیا کی جیسے ایک منیہار اپنے سر پر چوڑیوں کا ایک ٹوکرا لیے جا رہا تھا۔ گاؤں والوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی چیز کی بابت پوچھنا ہوتی ہے اپنی لاٹھی سے آہستہ سے ایک کھودا دیا کرتے ہیں کھود کرید کرنے کے لیے اسی طرح دیہاتی نے ان چوڑیوں میں لاٹھی سے کھودا دے کر منیہار سے پوچھا کہ اے یہ کیا ہے۔ اس نے کہا اجی بس ایک دفعہ اور مار دو تو کچھ بھی نہیں یعنی ایک ضرب سے سب تقسیم تفریق سے مبدل ہو کر کسور تک پہنچ گئی اور کسور بھی صرف کسور عام نہیں بلکہ کسور اعشاریہ تک۔ غرض سارا حساب یہیں ختم ہوگیا تو اہل دنیا کے نزدیک دنیا کی متاع بڑی چیز ہے۔

اسی بنا پر بادشاہ نے عذر کیا افلاطون کو اس خیال کا ادراک تھا اس لیے بادشاہ کی خام خیالی پر ہنسنے لگا اور خیر خواہی سے اس نے یہ چاہا کہ اس کو یہ خاص نفع پہنچاؤں کہ اسے دنیا کی یہ بے ثباتی دکھلاؤں جس پر اس کو بڑا ناز ہے' اس لیے افلاطون نے کہا تھا میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں' یہ سن کر بادشاہ نے دل میں تو یہی کہا کہ واقعی اس کے دماغ میں خلل معلوم ہوتا ہے اس کے پاس ضروری سامان تک نہیں یہ مجھے کھلا دے گا کیا۔ لیکن زبان سے یہ بات ادب کی وجہ سے نہ کہہ سکا بلکہ یہ عذر کیا کہ آپ کو فضول تکلیف ہوگی۔ افلاطون نے کہا کہ نہیں مجھے تکلیف نہیں ہوگی میرا جی چاہتا ہے۔ جب اصرار دیکھا تو بادشاہ نے دعوت منظور کر لی۔ اچھا آ جاؤں گا اور ایک آدھ ہمراہی بھی میرے ساتھ ہوگا۔ افلاطون نے کہا نہیں مع لشکر اور وزراء امراء سب کی دعوت ہے۔ غرض ایک ساتھ دس ہزار کی دعوت کر دی اور لشکر معمولی نہیں' خاص شاہی لشکر۔

بادشاہ نے کہا' خیر خبط تو ہے ہی۔ یہ بھی سہی' غرض تاریخ معین پر بادشاہ مع لشکر اور جملہ وزراء امراء کے افلاطون کے پاس جانے کے لیے شہر سے باہر نکلا تو کئی میل پہلے سے دیکھا کہ

چاروں طرف استقبال کا سامان نہایت تزک واحتشام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ہر شخص کے لیے اس کے درجہ کے موافق الگ الگ کمرہ موجود ہے اور دو طرفہ باغ لگے ہوئے ہیں۔ رات کا وقت تھا ہزاروں قندیل' جگہ جگہ ناچ رنگ' نہریں یہ اور وہ ایک عجیب منظر پیش نظر تھا۔ اب بادشاہ نہایت حیران کہ یا اللہ! یہاں تو کبھی ایسا شہر تھا نہیں۔ غرض ہر شخص کو مختلف کمروں میں اتارا گیا اور ہر جگہ نہایت اعلیٰ درجہ کا سامان' فروش' جھاڑ فانوس' افلاطون نے خود آ کر مدارات کی اور بادشاہ کا شکریہ ادا کیا۔

ایک بہت بڑا مکان تھا' اس میں سب کو جمع کر کے کھانا کھلایا گیا کھانے ایسے لذیذ کہ عمر بھر کبھی نصیب نہ ہوئے تھے۔ بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ معلوم نہیں اس شخص نے اس قدر جلد یہ انتظامات کہاں سے کر لیے بظاہر اس کے پاس کچھ پونجی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ سب کھا پی چکے تو عیش وطرب کا سامان ہوا ہر شخص کو ایک الگ کمرہ سونے کے لیے دیا گیا جو ہر قسم کے ساز وسامان سے آراستہ' پیراستہ' اندر گئے تو دیکھا کہ تتمیم لطف اور تکمیل عیش کے لیے ایک ایک حسین عورت بھی ہر جگہ موجود ہے۔

غرض سارے سامان عیش وطرب کے موجود تھے۔ خیر وہ لوگ کوئی متقی پرہیز گار تو تھے نہیں اہل خانقاہ تھوڑا ہی تھے بلکہ خواہ مخواہ کے آدمی تھے جیسے مشہور تھے۔ الغرض خواہ مخواہ مرد آدمی یہ رنگ مہمانی کا دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور رات بھر بڑے عیش اڑائے کیونکہ ایسی رات انہیں پھر کہاں نصیب ہوتی۔ یہاں تک کہ سو گئے جب صبح آنکھ کھلی تو دیکھتے کیا ہیں کہ نہ باغ ہے بلکہ نراراغ ہے نہ درخت ہیں بلکہ نرے کرخت ہیں۔ یعنی بجائے درختوں کے دیکھا کہ پتھر کھڑے ہوئے ہیں اور ایک پولا سب کی بغل میں ہے اور پاجامہ خراب ہے یہ عورتیں تھیں۔ بڑے شرمندہ ہوئے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ یہ کیا قصہ ہے بادشاہ کی بھی یہی حالت تھی افلاطون نے بادشاہ سے کہا کہ تم نے دیکھا یہ ساری دنیا جس پر تمہیں اتنا ناز ہے ایک عالم خیال ہے اور حقیقت اس کی کچھ بھی نہیں۔

فائدہ: اس قدر قوی تصرف تھا افلاطون کے خیال کا' پس اس نے خیال جمالیا کہ ان سب کے متخیلہ میں یہ ساری چیزیں موجود ہو جائیں بس سب کو وہی نظر آنے لگیں' جب وہ لوگ سو گئے اس نے اپنے خیال کو ہٹا لیا' پھر صبح اٹھ کر انہوں نے دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا' افلاطون مجاہدہ و

ریاضت بہت کیے ہوئے تھا اس لیے یہ قوت اس کے خیال میں پیدا ہوگئی تھی۔ یہ تصوف نہیں ہے تصرف ہے یہ اور چیز ہے وہ اور چیز ہے پس مزہ سب سرد ہوگیا۔ افلاطون نے کہا کہ جیسے تمہیں ان چیزوں میں مزا آتا ہے مجھے بالکل نہیں آیا۔ کیونکہ مجھے ان کی حقیقت معلوم ہے تو واقعی جو کچھ نظر آیا وہ سب عالم خیال تھا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ: ایک بار حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں بلا اجازت چلے گئے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کی بیوی بیٹھی تھی وہ بھاگنے لگیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا بیٹھی رہو ان کو اس وقت غیبت ہے۔ وہ کہنے لگیں کہ اچھے خاصے تو ہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہیں کیا تم بیٹھی رہو تم ان کی حالت کیا سمجھو' غرض' حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ آ کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھ گئے۔ اب یہ بچھی جاتی ہیں کہ غیر مرد کے سامنے کیسے بیٹھی رہوں بار بار اٹھنے کو ہوں مگر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ انہیں روک روک لیں۔ پھر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے باتیں جو کرنی شروع کیں تو نہایت ہوش کی کسی بات سے یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ برابر بیٹھے حقائق و معارف بیان کرتے رہے۔ اب وہ ان سے ہوش کی باتیں سن سن کر بے چاری اور بھی پریشان ہوں اور اٹھنا چاہیں لیکن حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ پکڑ پکڑ کر بٹھالیں کہ تمہیں کیا وہم ہوگیا ہے' یہ شخص اپنے ہوش میں ہی نہیں ہے اور لطف یہ کہ گفتگو نہایت مسلسل اور جو کچھ پوچھا جائے اس کا نہایت معقول جواب دیں۔ غرض بظاہر کوئی صورت ایسی نہ تھی کہ دیکھنے والا ان کو بے ہوش سمجھ سکے' اسی دوران میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مضمون جو بیان فرمایا' اس پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے' اس وقت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ بس اب بھاگ جاؤ اب ان کی وہ حالت جاتی رہی اب انہیں افاقہ ہوگیا اب یہ ہوش میں آ گئے یعنی جو بعد میں غلبہ گریہ سے مغلوبیت کی حالت معلوم ہوتی تھی اس میں تو ہوش تھا اور جو ابتداء میں بظاہر ہوش کی حالت تھی اس میں بے ہوشی تھی۔

فائدہ: گویا احوال باطنی کی تشخیص کے لیے مشخص (تشخیص کرنے والا) اور نباض بھی کامل چاہیے۔ اس واسطے ایسے امور میں نہ محض اہل ظاہر کا فتویٰ معتبر ہے نہ محض اہل باطن کا بلکہ جامع محض کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی اہل ظاہر ہوتا تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ پر بھی فتویٰ لگا دیتا کہ بی بی کو نامحرم کے

پاس بٹھا رکھا ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ: ایک بزرگ تھے جن کو ان کی بیوی بہت ستاتی تھی یہاں تک کہ لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ بیوی ان کو بہت دق کرتی ہے۔ بعض لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ایسی بیوی کو طلاق دے دینا چاہیے۔ فرمایا طلاق تو میرے بس میں ہے مگر یہ تو سوچو کہ اگر اس نے کسی اور سے نکاح نہ کیا تب تو یہ تکلیف اٹھائے گی اور اگر کسی اور سے نکاح کیا تو اس مسلمان کو تکلیف پہنچے گی، اس سے اچھا یہ ہے کہ میں ہی تکلیف اٹھالوں اور مسلمانوں کا وقایہ بن جاؤں کہ جب تک میں موجود ہوں کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف کیوں پہنچے؟

فائدہ: غرض عورتوں میں بدزبانی کا بڑا عیب ہے مگر اس کے ساتھ یہ صفت بھی ہے کہ ان کم بختی کی ماریوں کے دل میں خاوند کی محبت بے حد ہوتی ہے جو کسی موقع پر ظاہر ہوتی ہے۔

بدزبان بیوی کا قصہ: چنانچہ لکھنؤ کا ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ کی بیوی بہت ہی بدزبان تھی، انہوں نے اس کی اصلاح کی تدبیریں، کچھ نفع نہ ہوا۔ ایک دن انہوں نے کہا کم بخت تو بہت ہی بدقسمت ہے۔ کتنی دور سے میرے یہاں لوگ آتے ہیں اور ان کو نفع ہوتا ہے تو میرے یہاں کتنی مدت سے ہے مگر تجھے کچھ نفع نہیں ہوتا۔ بولی میں بدقسمت کیوں ہوتی میں تو بڑی خوش قسمت ہوں کہ ایسے بزرگ ولی اللہ کے پلے سے بندھی ہوں میرے برابر کوئی ہو تو بولے۔ بدقسمت تم ہو کہ تمہیں مجھ جیسی بری عورت ملی۔

یہاں بھی اللہ کی بندی زبان درازی سے نہ چوکی خاوند کو بدقسمت بنا کر چھوڑا مگر اس بدتمیزی میں بھی اعتقاد ٹپکتا ہے کہ انہیں بزرگ اور ولی اللہ کہتی جاتی ہے۔ اس کا منشا وہی محبت ہے۔

حضرت لقمان کا واقعہ: حضرت لقمان علیہ السلام جو حکیم تو سب کے نزدیک ہیں اور بعض کے نزدیک پیغمبر بھی ہیں۔ انہوں نے ایک باغ میں نوکری کر لی۔ اس سے سبق لینا چاہیے کہ حلال پیشہ کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔ مالک باغ میں آیا اور ان سے ککڑیاں منگائیں اور اس کو تراش کر ایک ٹکڑا ان کو دیا یہ بے تکلف بکر بکر کھاتے رہے۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ بڑے مزے سے کھا رہے ہیں یہ سمجھا کہ یہ ککڑی نہایت لذیذ ہے ایک قاش اپنے منہ میں بھی رکھ لی تو وہ کڑوی زہر تھی فوراً تھوک دی اور بہت منہ بنایا۔ پھر کہا، اے لقمان! تم تو اس ککڑی کو برے مزے سے کھا رہے ہو یہ تو کڑوی زہر

ہے' کہا جی ہاں' کڑوی تو ہے پھر تم نے کیوں نہیں کہا کہ یہ کڑوی ہے۔ کہا مجھے یہ خیال ہوا کہ جس ہاتھ سے ہزاروں دفعہ مٹھائی کھائی ہے اگر اس ہاتھ سے ساری عمر میں ایک دفعہ کڑوی چیز ملی تو اس کو کیا منہ پر لاؤں؟

فائدہ: یہ ایسا اصول ہے کہ اگر اس کو میاں بیوی دونوں یاد رکھیں تو کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہو اور کوئی بدمزگی پیش نہ آوے بیوی یاد کرلے کہ میاں نے ہزاروں طرح کے ناز میرے اٹھائے ہیں ایک دفعہ سختی کی تو کوئی بات نہیں اور خاوند خیال کرے کہ بیوی ہزاروں قسم کی خدمتیں میری کرتی ہے ایک بات خلاف طبع بھی سہی۔

امام بخاری کے شیخ کا واقعہ: یحییٰ بن اکثم جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے خواب میں دیکھا' پوچھا کیا گذری۔ فرمایا مواخذہ شروع ہو گیا تھا اور حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے برے بڈھے تو ایسا ایسا کرتا تھا تو میں سہم گیا اور خاموش ہو گیا' سوال ہوا خاموش کیوں ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ ایک بات سوچ رہا ہوں' پوچھا گیا کیا سوچ رہے ہو' عرض کیا' میں نے تو سند کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تھا ان اللہ یستحیی من ذی الشیبۃ المسلم کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے شرماتے ہیں میں تو حیران ہوں کہ میں تو بوڑھا ہوں مگر یہاں دوسرا معاملہ ہو رہا ہے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا اور راوی بھی سچے ہیں آج ہم تیرے بڑھاپے کی بدولت تجھے بخشتے ہیں اور تیرے بڑھاپے کا لحاظ کرتے ہیں۔

ایک مسخرے کا قصہ: ایک اور شخص کا قصہ ہے جو نہایت مسخرہ تھا اس نے مرنے کے وقت اپنے ایک دوست کو یہ وصیت کی کہ جب مجھ کو قبر میں رکھو تو میری داڑھی پر آٹا چھڑک دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا' لوگ دیکھ کر ہنس پڑے اور کہنے لگے یہاں بھی مسخرہ پن نہ چھوڑا' دفن کر دیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا تو کہا پیشی ہوئی تو میں نے عرض کیا' میں نے سنا تھا ان اللہ لا یستحیی من ذی الشیبۃ المسلم میرے پاس سفید داڑھی تو تھی نہیں میں نے اس خیال سے اس کی نقل کر لی من تشبہ بقوم فھو منھم شاید اسی بنا پر مغفرت ہو جائے چنانچہ مغفرت ہو گئی۔

فائدہ: یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بالوں کا رنگ قدرتی سفید ہو ان کے لیے بھی امید رحمت

کی ہے۔ ویسے حق تعالیٰ بادشاہ ہیں جو چاہیں کریں ان کو کوئی روکنے والا نہیں۔ زبردست ہیں بہر حال رحمت کے آسان کے ذریعے بھی رکھ دیئے گئے ہیں۔

شیطان کا قصہ: شیطان کی ملاقات سہیل رضی اللہ عنہ سے ہوئی' اس نے کہا کہ میں بھی حق تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہوں۔

کیونکہ ارشاد ہے وَسِعَتْ رَحْمَتِي كُلَّ شَيْءٍ اور میں بھی شئی میں داخل ہوں' حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آگے یہ بھی تو ہے فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ جس کا ادنیٰ درجہ ایمان ہے پس ایمان کی قید بھی تو اس میں لگی ہوئی ہے۔ شیطان نے کہا خدا کی صفات میں قید نہیں ہوتی وہ کسی قید کا مقید نہیں۔ وہ خاموش رہے مگر انہوں نے وصیت کی کہ شیطان سے کوئی مناظرہ نہ کرے۔

فائدہ: واقعی شیطان کے مغالطات بھی عجیب ہوتے ہیں اس نے منطق میں باب مغالطات ہی پڑھا ہے' اور کچھ نہیں پڑھا' نام بھی اس کا ابلیس ہے جو ماخوذ ہے تلبیس سے اس لیے اگر وسوسے آئیں تو ان میں خوض نہ کرے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والدین سے بھی زیادہ: ایک رئیس کی حکایت ہے کہ انہوں نے مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ مولانا حدیث میں ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ماں باپ اور سب سے زیادہ نہ ہو تو مومن نہیں ہوتا سو یہ درجہ تو محبت کا ہم اپنے دل میں نہیں پاتے۔ مولوی صاحب نے اس کا عملی جواب دیا' وہ اس طرح کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا تذکرہ شروع کیا پھر اس کو بند کر کے یہ کہنے لگے کہ آپ کے والد صاحب بھی اچھے آدمی تھے اور ان کی خوبیوں کا ذکر شروع کر دیا' رئیس صاحب جھلا کر کہنے لگے کہ حضرت میرے والد کا ذکر کہاں سے داخل کر دیا' مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں نے آپ کی بات کا جواب دیا ہے کہ آپ کو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باپ سے زیادہ محبت نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے درمیان میں باپ کا ذکر کیوں ناپسند ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت باپ سے زیادہ ہے۔ رئیس صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور شبہ رفع ہو گیا۔

فائدہ: حقیقت یہ ہے کہ عامی سے عامی کو بھی محبت شدیدہ ہے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مگر اس کا اظہار موقع پر ہوتا ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ: حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا جن کا رتبہ ناز کا تھا وہ حج کو گئیں۔ جب حج کر چکیں تو کہتی ہیں کہ میں ثواب کی ہر حالت میں مستحق ہوگئی اگر حج قبول ہوا ہے تو ظاہر ہے اور جو قبول نہیں ہوا تب بھی ثواب کی مستحق ہوں کیونکہ عاشق کے لیے بڑی سخت مصیبت ہے کہ وہ محبوب کی درگاہ میں آوے اور محروم واپس جائے تو اس صورت میں مصیبت زیادہ ہوگی کہ میرا حج مردود ہوگیا اور آپ نے مصیبت پر بھی اجر کا وعدہ فرمایا ہے بہر حال ثواب دینا پڑے گا میں ٹلوں گی نہیں۔

فائدہ: اس قسم کی باتیں انہیں کے لیے ہیں جو اس مقام بلند کے مالک ہیں، ہر کس و ناکس کے لیے اس کی ہرگز نقل کا حق نہیں، اس مقام کو اصطلاح تصوف میں ادلال کہتے ہیں۔ ناز را روئے باید، ہمچو ورد!

ایک درویش کی حکایت: ایک درویش نے حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر ناز کیا تھا حالانکہ اس کا رتبہ ایسا نہ تھا۔ پھر دیکھیے اس کا کیا حشر ہوا۔

قصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سلطنت کو ترک کر کے ایک جنگل میں پہنچے وہاں ایک درویش رہتا تھا کہ اس کے پاس غیب سے کھانا آتا تھا۔ اس نے خیال کیا کہ اگر یہ شخص یہاں ٹھہر گیا تو میرے کھانے میں کمی ہوگی اس نے کہا کہ یہاں ٹھہرنے کا حکم نہیں ہے گویا وہ درویش گھبرایا اگرچہ وہ بھی صاحب کرامت تھا اس کو غیب سے روٹی ملتی تھی مگر وہ حالت غربت سے فقیر ہوا تھا اس کا وہی حوصلہ تھا وہ بڑبڑایا اور کہا کہ یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں روٹی نہیں مانگتا تب اس کو تسلی ہوئی خوش ہو گیا اور حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو ٹھہرنے کی جگہ دیدی کھانے کے وقت اس کے پاس معمولی روٹی اور سالن مٹی کے پیالہ میں آیا اور ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس غیب سے ایک خوان لگا ہوا آیا جس میں رنگا رنگ کے کھانے تھے کہ تمام جنگل اس کی خوشبو سے مہک گیا۔ وہ درویش جانتا تھا کہ یہ ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو ابھی سلطنت کو چھوڑ کر فقیر ہوئے ہیں تو وہ حق تعالیٰ سے کہنے لگا کہ کیا یہی انصاف ہے؟ ہم اتنے دنوں کے خادم ہیں اتنی مدت مجاہدات میں گزری ہمیں تو معمولی روٹی اور سالن دیا جائے اور اس نے نہ ابھی زیادہ عبادت کی نہ مجاہدہ اور پھر یہ خاطر داری؟ وہاں سے حکم ہوا کہ بکومت اپنی حیثیت یاد کر کہ تو کون تھا ایک گھس کھدا تھا اور اس

کی حیثیت کو دیکھ کہ بادشاہت چھوڑ کر آیا ہے اگر منظور نہیں تو فلاں درخت کی جڑ میں کھرپا خالی رکھا ہوا ہے۔اس کو سنبھال وہ بزرگ جوتیاں لگ کر سیدھے ہو گئے۔

فائدہ: ہر ایک کا منہ ناز کا نہیں حضرت رابعہ بصریہ ؒ کا منہ ناز کا تھا مگر جن کا منہ ناز کا نہیں وہ بھی بزبان حال ناز کر رہا ہے کہ سوئیں یا جاگیں اجر لینے کو تیار۔

حضرت مرزا جان جاناں ؒ کی حکایت: حضرت مرزا جان جاناں ؒ کی عادت تھی کہ جس وقت جامع مسجد میں نماز پڑھ کر واپس ہوتے وہاں ایک بزرگ برآمدہ میں بیٹھے ملتے' مرزا صاحب ان کے پاس جا کر ان کی جانماز الگ پھینک دیتے' تسبیح ادھر ادھر کر دیتے' عمامہ سر سے اتار دیتے' ایک دھول لگا دیتے اور وہ بچارے سب چیزوں کو سمیٹ سماٹ کر پھر بیٹھ جاتے۔

لوگوں کو یہ قصہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ حضرت مرزا صاحب کی بزرگی اور ایک بزرگ کے ساتھ یہ حرکت' بالآخر بعض لوگوں نے جرات کر کے اس کا سبب دریافت کیا تو مرزا صاحب نے فرمایا کہ جب ہم جوان تھے اور ہماری صورت و شکل بھی اچھی تھی تو ہمارے چاہنے والے بہت تھے ان ہی میں یہ بزرگ بھی تھے اور اس زمانہ میں ہمارا ان کے ساتھ یہی معمول تھا جس سے یہ خوش ہوتے تھے۔ جب ہمارے داڑھی آ گئی تو سب عشاق ایک ایک کر کے رخصت ہوتے گئے کیونکہ:

عشق ہائے پے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے بود

یعنی جو عشق کہ محض رنگ وروپ کے لیے ہوتا ہے وہ حقیقت میں عشق نہیں ہوتا بلکہ انجام کار بدنامی کا باعث ہوتا ہے۔ مگر یہ شخص محبت میں ثابت قدم رہے پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو نسبت باطنہ سے نوازا تو ہمارے دل میں آیا کہ یہ شخص وفادار ہے لاؤ ہم اس کو بھی حصہ دیں۔

چنانچہ یہ ارادہ کر کے میں ایک دن ان کی طرف متوجہ ہوا تاکہ ان کے دل میں القائے نسبت کروں تو معلوم ہوا کہ ان کا تو بڑا بلند مقام ہے' اس وقت سے ہم ان کا ادب کرنے لگے اور وہ بے تکلفی کا برتاؤ بدل دیا جو پہلے سے معمول تھا۔ اس پر یہ کہنے لگے کہ مرزا اپنی خیر چاہتا ہے تو اسی طرح رہو جس طرح اب تک رہے تھے اور اگر تم نے اپنا طرز بدل دیا تو یاد رکھنا سب دولت سلب کر لوں گا جو پوٹلہ کی طرح بغل میں دبائے پھرتا ہے۔

ہر پہلو پر نظر رہے: شیخ محی الدین ؒ کو ایک عالم سے اس لیے بغض تھا کہ ان عالم کو ان

کے شیخ ابومدین سے بغض تھا۔ جس کی کچھ اور روایات تھیں۔

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے اس کی وجہ دریافت فرماتے ہیں کہ تم فلاں عالم سے کیوں بغض رکھتے ہو' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میرے شیخ سے بغض ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن اس کو میرے ساتھ تو محبت ہے۔ بس تم نے اس کے ساتھ اس لیے بغض کیا کہ اس کو ابومدین سے بغض ہے مگر اس لیے محبت نہ کی کہ اس کو میرے ساتھ محبت ہے' اس خواب سے شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ان عالم سے اور ان عالم کی ابومدین سے صفائی ہوگئی۔

فائدہ: اس واقعہ میں بتلایا گیا ہے کہ کسی کے ساتھ حب و بغض کے لیے اتنا کافی نہیں کہ اس کو ہمارے معتقد فیہ (جس کے ہم معتقد ہیں) کے ساتھ محبت یا بغض ہے بلکہ دوسرے پہلوؤں پر بھی نظر کرنا چاہیے۔ اگر کسی کو ہمارے محبوب یا ہمارے معتقد فیہ سے محبت ہے تو طبعاً ہم کو اس کے ساتھ محبت ہونا لازمی ہے۔ مگر اس محبت کا یہ اثر نہ ہونا چاہیے کہ دوسرے پہلو نظر سے غائب ہو جائیں مثلاً اگر وہ اس حالت محبت میں حقوق اللہ یا حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوتاہی کرتا ہے تو اس پہلو کا حق ادا کرنے کے لیے اس سے کچھ بغض بھی کرنا چاہیے جب تک وہ اپنی اصلاح نہ کرلے۔ اسی طرح اگر کسی کو ہمارے استاد یا شیخ سے بغض ہے تو اس کے ساتھ طبعی بغض کسی قدر ضرور ہوگا مگر اس کے ساتھ دوسرے پہلوؤں سے قطع نظر نہ کرنا چاہیے۔ یعنی اگر اس کے اندر دوسری خوبیاں اور بھلائیاں بھی ہوں تو ان کا حق بھی ادا کرنا چاہیے۔

اکبر بادشاہ کا عبرت آموز قصہ: اکبر بادشاہ کا ایک قصہ یاد آ رہا ہے وہ ایک بار رات کو اٹھے تو سارے قندیل گل تھے' بہت گھبرائے اور چونکہ آخر مسلمان تھے اس لیے قبر یاد آئی کہ جب تھوڑی دیر کی ظلمت سے اتنی وحشت اور پریشانی ہے تو قبر میں کیا ہوگا' جہاں کسی وقت بھی روشنی کا گزر نہ ہو گا' اس کو یاد کر کے ان پر بڑا تردد اور غم سوار ہو گیا' وزراء کو اس حال کی اطلاع دی سب نے تسلی دی مگر کسی طرح تسلی نہ ہوئی۔ بیربل گو ہندو تھا مگر عاقل تھا اس نے کہا حضور آپ بالکل بے فکر رہیں آپ کی قبر میں ہرگز ظلمت نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں صرف تریسٹھ سال زندہ رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے زیر زمین تشریف لے گئے ہیں وہ نور اب زیر زمین ہے جس

سے وہ حصہ منور ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی سب قبریں آپ ﷺ کے اس نور سے منور ہیں۔ اس بات سے اکبر کی تسلی ہوگئی۔

فائدہ: گو یہ بات بیربل نے لطیفہ کے طور پر کہی تھی کہ آپ ﷺ کے زیرزمین جانے سے وہ حصہ بھی منور ہوگیا ہے مگر اس کا اعتراف ہوگیا کہ آپ ﷺ کی تریسٹھ سالہ زندگی سے تمام عالم منور ہوگیا ہے والفضل ماشھدت به الاعداء ترجمہ: کمال وہی ہے جس کی دشمن گواہی دیں۔

ایک احول کی حکایت: ایک استاد نے اپنے شاگرد سے جو بھینگا تھا کہا کہ فلاں طاق میں ایک بوتل رکھی ہوئی ہے اس کو لے آ۔ وہ پہنچا تو اس کو دو بوتلیں نظر آئیں کہنے لگا یہاں تو دو بوتلیں ہیں کون سی لاؤں۔ استاد نے کہا ارے احمق! ایک ہی ہے تجھ کو بھینگے پن سے دو نظر آتی ہیں۔ اس نے کہا نہیں یہ واقعی دو ہیں۔ اس پر استاد نے کہا اچھا ایک کو توڑ دو اور دوسری کو لے آ' اس نے جو ایک کو توڑا دوسری بھی غائب۔ اب معلوم ہوا کہ واقعی میری ہی نظر کا قصور تھا۔

فائدہ: مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے تفریق بین الانبیاء کے تحت یہ قصہ ذکر فرمایا ہے' یعنی جو شخص تفریق بین الانبیاء کرتا ہے اور کسی ایک سے عداوت رکھتا ہے تو اسی احول کی طرح دونوں سے منقطع ہو جاتا ہے اور یہ مثل کہ۔

"عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود" باطل ہے۔

عمل کے لیے عقل چاہیے: ایک شخص نے اپنے ملازم کو ایک پرچہ لکھ کر دے دیا تھا جس میں کاموں کی تفصیل تھی کہ تیرے ذمہ اتنے کام ہیں۔ ایک دفعہ آقا اور ملازم کہیں سفر میں چلے آقا گھوڑے پر سوار تھا ملازم پیچھے پیچھے تھا۔ ایک جگہ منزل پر پہنچے تو آقا کی چادر غائب تھی اس لیے ملازم سے پوچھا کہ چادر کہاں ہے' اب آپ بہت صفائی سے کہتے ہیں کہ وہ راستہ میں گر پڑی تھی کیا تو نے گرتے ہوئے دیکھا' کہا جی ہاں' پوچھا کہ پھر تو نے اٹھایا کیوں نہیں۔ اس نے کاغذ سامنے کر دیا یہ کام اس میں لکھا ہوا نہیں ہے وہ بہت جھلایا اور کاغذ میں اتنا اور بڑھا دیا کہ راستہ چلتے ہوئے اگر کوئی چیز گر جاوے تو اس کو اٹھالیا کر اس کے بعد پھر چلے تو جب اگلی منزل پر پہنچے تو ملازم نے ایک بڑا پوٹلہ لا کر سامنے رکھ دیا۔ پوچھا کہ یہ کیا ہے کہا گھوڑے کی لید ہے۔ کہا یہ کیوں جمع کی' نوکر نے کہا آپ نے ہی تو لکھا تھا کہ جو چیز راستہ میں چلتے ہوئے گرے اس کو اٹھالیا کرو

لید گرتی جا رہی تھی، میں نے اس کو جمع کر لیا۔ آقا نے کہا بھائی میں تم کو سلام کرتا ہوں تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔

ادب اس کو کہتے ہیں: حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک بار حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے ایک مضمون لکھ کر نقل کے واسطے مولانا کو دیا۔ اس میں ایک جگہ املا کی غلطی تھی اتفاقاً ہوگئی تھی مگر مولانا کا ادب دیکھیے کہ اس میں خود اصلاح نہیں دی بلکہ اس لفظ کی جگہ چھوڑ دی بعد میں حاجی صاحب سے آ کر عرض کیا کہ اس مضمون میں ایک لفظ سمجھ میں نہیں آیا اس کو دوبارہ بتلایا جاوے۔ حاجی صاحب نے جو اس کو دیکھا تو قلم لے کر فوراً کاٹ دیا اور صحیح طور پر لکھ دیا اور فرمایا کہ یہاں مجھ سے املا میں غلطی ہوگئی تھی۔ اس کے بعد حاجی صاحب بار بار اس واقعہ کو بیان فرماتے تھے اور مولانا کی تعریف فرماتے تھے کہ سبحان اللہ! مولانا میں ادب کا بہت ہی بڑا حصہ ہے کہ باوجود بڑے عالم ہونے کے خود غلطی کو درست نہیں کیا بلکہ اول دکھایا جب میں نے درست کر دیا بعد میں صحیح نقل کیا۔

فائدہ: مولانا نے اس واقعہ پر تو غلو فی الاعتقاد سے کام لیا کہ پیر کی غلطی کو غلطی بھی نہ سمجھتے تھے اور نہ بے ادبی کی کہ اصلاح خود دے کو پیر سے کہہ دیتے کہ یہاں آپ نے غلطی کی تھی میں نے اس کو صحیح کر دیا ہے بلکہ لطیف طریقہ سے شیخ کو مطلع کر دیا جب انہوں نے خود غلطی کی اصلاح کر دی تو اس کے بعد صحیح لفظ لکھا۔

دل کا سکون عظیم دولت ہے: ایک بزرگ ایک شہر میں تشریف لے گئے دیکھا کہ دن میں شہر پناہ بند ہے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کا باز اڑ گیا ہے۔ اس نے اس خیال سے شہر پناہ بند کرائی ہے کہیں دروازہ میں سے نکل نہ جائے۔ یہ بزرگ بہت ہنسے اور آسمان کی طرف منہ کر کے ناز میں آ کر حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اچھے احمق کو بادشاہی دی اور ہم اتنے بڑے عاقل اور ہمارے لباس بھی درست نہیں۔ وہاں سے الہام ہوا کہ بہت اچھا، کیا تم اس پر راضی ہو کہ بادشاہ کی حماقت مع بادشاہی کے تم کو دے دی جائے اور تمہاری معرفت مع فقر کے اس کو دے دی جائے۔ یہ سن کر وہ بزرگ لرز گئے اور فوراً سجدہ میں گر پڑے کہ میں اپنی معرفت دینے پر راضی نہیں چاہے اس سے بھی زیادہ فقر کیوں نہ ہو۔

آخر ان کے پاس کوئی تو دولت تھی جسے بادشاہی سے بدلنے پر راضی نہ ہوئے وہ دولت یہ

تھی

بفراغ دل زمانے' نظر بما ہروئے　　بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہوئے

دل کے سکون کے ساتھ محبوب پر ایک لمحہ کی نگاہ اس شاہی زندگی سے جس میں ہر روز ہنگامے ہوں بہتر ہے اور یہ دولت تھی جس کو حضرت اعظم ملک سنجر کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد　　درد دل اگر بود ہوش ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب　　من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

(ملک سنجر کی بادشاہت کی طرح میرا نصیبہ سیاہ ہو۔ اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ہوس ہو جب سے مجھے ملک نیم شب کی خبر ہوئی ہے۔ ملک نیم روز کو ایک جو کے بدلہ بھی نہ خریدوں) ان کی توجہ میں حق تعالیٰ سے جیسا قرب حاصل ہوتا ہے اس وقت کسی بادشاہ کی ان کے سامنے کچھ ہستی نہیں ہوتی۔ اس بارے ایک عارف فرماتے ہیں:

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند　　وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

(وقت سحر کی پریشانیوں سے نجات دی اور اس رات کی ظلمت میں مجھے آب حیات بخشا گیا) اور فرماتے ہیں:

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی میں　　کہ ناز بر فلک و حکم برستارہ کنم

(میں میکدہ کا معمولی گدا ہوں مگر مستی کے وقت میں مجھ کو دیکھ کہ ناز آسمان پر اور ستاروں پر حکم کرتا ہوں) اسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رضینا قسمة الجبار فینا　　لنا علم وللجهال مال

(ہم اپنی قسمت پر راضی ہیں' ہمارے لیے علم ہے اور جاہلوں کے لیے مال) علم سے مراد معرفت حق ہے' اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ضروریات میں ان کو تنگی پیش آئے تو اس سے کلفت نہیں ہوتی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کلفت پر راضی ہوتے ہیں ان کو اس میں بھی لذت آتی ہے۔ پس حقیقت میں جس کو علم مل گیا اس کو خیر کثیر مل گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان سے ملنے کو آئے۔ حضرت نے ان کو اندر بلا لیا اور ان کے آتے ہی چراغ گل کر

دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ رضی اللہ عنہ نے چراغ گل کیوں کر دیا' فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اور میں اس وقت بیت المال ہی کا کام کر رہا تھا۔ اب چونکہ ہم اور آپ باتیں کریں گے اور یہ کام بیت المال کا نہیں ہے' اس لیے تیل سے بات چیت میں انتفاع نہیں کر سکتے۔ حضرات آپ کو اس پر بھی تعجب ہوگا مگر اس کی وجہ وہی ہے کہ آپ کو شریعت کے اصول وقواعد معلوم نہیں اور جو معلوم بھی ہیں تو ان پر عمل کا اہتمام نہیں ہے۔

فائدہ: شاید یہاں کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ اتنی احتیاط کس سے ہو سکتی ہے یہ تو قدرت سے باہر ہے' تو سن لیجیے کہ قدرت سے باہر تو نہیں ہاں دشوار ضرور ہے۔

خود حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: بارہ اکبر پور ایک مقام ہے' اس کے قریب ایک چھوٹا سا اسٹیشن لال پور ہے۔ ایک دفعہ میں بارہ سے وہاں پہنچا اور بارش کے سبب وقت سے بہت پہلے پہنچا۔ اتفاق سے جس وقت میں پہنچا بارش ہونے لگی اور اسٹیشن کا سائبان بوچھاڑ سے نہ بچا سکتا تھا۔ اکبر پور میں ایک منصف صاحب میرے جاننے والے تھے ان کو اطلاع ہوگئی تو انہوں نے اسٹیشن ماسٹر کو لکھ دیا کہ یہ ہمارے دوست ہیں ان کی راحت کا کافی انتظام کیا جائے اس غریب نے ہمارے واسطے ایک بڑا کمرہ کھلوا دیا شام ہوئی تو چوکیدار سے کہا کہ کمرہ میں روشنی کر دو۔ اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ غالباً اس وقت ہمارے واسطے سرکاری تیل جلا کر روشنی کی جائے گی جو شرعاً جائز نہیں۔ کیونکہ سرکاری تیل سرکاری کاموں کے واسطے دیا جاتا ہے نہ کہ نجی طور پر مسافروں کی خاطر' رات بھر جلانے کے واسطے۔ اب اگر اسٹیشن ماسٹر مسلمان ہوتا تو میں بے تکلف اس سے کہہ دیتا کہ ہمارے واسطے سرکاری تیل کا جلانا جائز نہیں مگر وہ ہندو تھا میں نے سوچا کہ اس کے سامنے شرعی مسئلہ بیان کروں تو یہ کیا سمجھے گا بلکہ عجب نہیں کہ تمسخر (مذاق) کرنے لگے۔ غرض جب کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اس وقت آپ ہی مجھ کو گناہ سے بچائیے میری کوشش تو بیکار ہے۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ دفعتہً اسٹیشن ماسٹر نے ملازم سے کہا کہ سرکاری تیل مت جلانا ہماری ذاتی لالٹین رکھ دینا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر انسان ہمت وارادہ کرے تو خدا تعالیٰ مدد کرتے ہیں۔ اس لیے آپ گھبرائیں نہیں بلکہ ہمت سے کام لینا چاہیے۔

کار خیر میں استخارے کی ضرورت: جب حضرت شاہ غلام رسول صاحب کانپوری اپنے شیخ

کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو انہوں نے استخارہ کے لیے فرمایا۔ یہ تھوڑی دیر مسجد میں بیٹھ کر پھر حاضر ہو گئے' پوچھا استخارہ کر لیا' کہا جی ہاں کر لیا' فرمایا' تم تو بہت جلد آ گئے' تم نے کیوں کر استخارہ کیا تھا؟ عرض کیا حضرت میں نے اپنے نفس سے کہا تھا کہ تو جو بیعت ہوتا ہے۔ یہ غلامی ہے تو خواہ مخواہ آزادی کو چھوڑ کر غلامی کی قید میں کیوں پھنستا ہے؟

میرے نفس نے جواب دیا کہ اس قید سے مجھے خدا مل جائے گا۔ میں نے کہا تیرا کیا اجارہ کہ تجھے خدا مل جائے گا اگر نہ ملا تو؟ اس نے جواب دیا کہ اگر خدا نہ بھی ملا تو ان کو تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس نے مجھ کو طلب کیا تھا بس مجھے یہی کافی ہے۔

فائدہ: سبحان اللہ! یہ وہ مقصود ہے جس میں وسوسہ کا احتمال ہی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کو طلب کی اطلاع تو یقیناً ہوتی ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا اور یہی مقصود ہے تو اب شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا کوئی راستہ نہیں مل سکتا۔ بس ہم کو ذکر و طاعت سے اسی ثمرہ کا قصد کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کو ہماری طلب کی خبر ہو جائے اب آگے ملنے نہ ملنے کا انہیں اختیار ہے۔

چارج قوم کا قصہ: ہمارے یہاں قوم چارج ہے وہ ہندوؤں کے مردے اٹھایا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ طاعون کے زمانہ میں ہمارے ایک ملازم نے اس قوم کے ایک آدمی سے پوچھا کہ کہو جی آج کل کیا حالت ہے' کہا خوب موج ہو رہی ہے۔

اسی قوم کے ایک شخص کا قصہ ہے اس سے کسی نے اپنا قرض مانگا اس نے وعدہ کیا پرسوں کو دے دوں گا۔ اس نے پوچھا کہ پرسوں کو تیرے پاس روپیہ کہاں سے آئے گا تو کہنے لگا کہ فلانا مہاجن سخت بیمار ہے بس آج ہی کل کا مہمان ہے پرسوں تک ضرور مر جائے گا اس وقت میری آمدنی ہو گی تجھے لا کر روپیہ دیدوں گا۔

فائدہ: ایسا شخص جو کسی کے مرنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہو وہ اس کے اچھے ہونے کی خاک دعا کرے گا مردوں کا مال کھا کھا کر ان لوگوں کی طبیعتیں بے حس اور لالچی ہو گئی ہیں۔

خطاء کس کی ہے؟: کیرانہ کا قصہ ہے کہ وہاں ایک مردہ کی چادر تکیہ دار کے سوا کسی دوسرے کو دینے لگے' تکیہ دار نے کہا کہ یہ تو میرا حق ہے' لوگوں نے کہا' ہاں بھائی حق تو تمہارا ہی ہے' مگر اب کے تم ان کو لینے دو تم تو ہمیشہ ہی لیتے ہو' تو وہ بے ساختہ کہتا ہے واہ جی خدا خدا کر کے تو یہ دن آتا ہے' اس میں دوسروں کو میں اپنا حق دے دوں' لوگوں نے اس کو برا بھلا کہا کہ کمبخت تو اس دن کی

تمنا میں رہتا ہے کہ کوئی مرے تو مجھے چادر ملے۔ وہ عذر ومعذرت کرنے لگا' مگر جو بات دل میں تھی وہ بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گئی۔

فائدہ: اس میں اس کی خطا نہیں' خطا ان کی ہے جنہوں نے اس کو حریص (لالچی) بنایا۔ لوگوں کو چاہیے کہ اماموں اور موذنوں کی معقول تنخواہیں مقرر کیا کریں اور ان کو عزت کے ساتھ رکھا کریں تا کہ مردوں کے کھانے کپڑے کا ان کو انتظار نہ رہے۔

ایک غیرت مند شہزادہ کا واقعہ: چنانچہ ایران کا ایک شہزادہ کسی پریشانی میں مبتلا ہو کر ہندوستان آیا' اتفاق سے لکھنؤ میں وارد ہوا' وہاں اتفاق سے علاقہ پنجاب کے ایک نواب بھی وارد تھے' شہزادہ نے ان کی دعوت کی' انہوں نے مکافات (بدلہ) کی نیت سے کہا کہ آپ بھی کبھی میری ریاست میں ضرور آویں۔ اتفاق سے ان اطراف میں بھی ان کا جانا ہو گیا مگر ایسی حالت میں کہ کچھ نہ رہا تھا۔ وہ دعوت یاد آئی اور اسی ریاست کی طرف رخ کیا اور باحال خستہ ایک ٹٹو پر سوار وہاں پہنچا' نواب صاحب نے اس حالت سے آتا ہوا دیکھ کر براہ تاسف (افسوس) یہ شعر پڑھا۔

یعنی احتیاج اور ضرورت ایسی چیز ہے جو شیروں کو روبہ (لومڑی) مزاج کر دیتی ہے۔ شہزادہ آگ بگولہ ہو گیا اور فی البدیہہ جواب دیا:

شیرِ نر کے می شود روبہ مزاج می زندہ برکفش خود صد احتیاج

(یعنی شیر نر کبھی روبہ مزاج بننا پسند نہیں کرتا اور اپنی ضرورتوں کو ٹھکرا دیتا ہے) اور فوراً لوٹ گیا۔ رئیس نے ہر چند معذرت کی مگر ہرگز نہ ٹھہرا اور کہا تم اس قابل نہیں ہو کہ کوئی شریف آدمی تمہارے یہاں آئے۔

فائدہ: غیرت وہ چیز ہے کہ شریف آدمی مرنا گوارا کرتا ہے مگر احتیاج کسی کے سامنے پیش نہیں کرتا۔ اس شہزادہ میں صرف شرافت خاندانی کا کمال تھا اس کا یہ اثر تھا اس میں اس درجہ غیرت تھی تو جن میں علمی کمال ہو گا ان کی غیرت کو سمجھ لینا چاہیے کہ کس درجہ کی ہو گی۔

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج احتیاج است احتیاج

ایک رئیس زادے اور غریب زادے کی گفتگو: شیخ سعدی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک رئیس زادے اور غریب میں گفتگو ہوئی۔ رئیس زادے نے کہا کہ دیکھو ہمارے باپ کی قبر کیسی عمدہ اور

مضبوط ہے جس پر شان وشوکت برستی ہے اور تمہارے باپ کی قبر کچی اور شکستہ ہے جس پر بے کسی برستی ہے' غریب زادے نے کہا بے شک یہ فرق ہے لیکن قیامت کے دن میرا باپ تو قبر میں سے آسانی سے آئے گا اور تمہارا باپ پتھر ہی ہٹانے میں رہے گا وہ اتنے پتھر اور چٹانوں کو ہٹاتا رہے گا میرا باپ جنت میں جا پہنچے گا۔

فائدہ: قیامت میں تو پہاڑ بھی اڑ جائیں گے بچاری قبر کی کیا ہستی ہے کچھ ٹھکانا ہے اس تفاخر کا کہ قبروں کی پختگی پر بھی فخر کیا جاتا ہے اسی کو حق تعالیٰ فرمایا:

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾

"اے لوگو! تم کو تفاخر نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ گئے۔"

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ملک شام میں پہنچے تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں اترے کیونکہ وہ عساکر اسلامیہ (اسلامی لشکروں) کے افسر تھے اور ان سے پوچھا کہ اے عبیدہ رضی اللہ عنہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے' انہوں نے روٹی کے سوکھے ٹکڑے سامنے رکھ دیئے اور پانی لاکر رکھ دیا۔ اس وقت حضرت سرمد کا کلام یاد آ گیا' فرماتے ہیں:

منعم کہ کباب می خورد می گزرد — دربارہ ناب می خورد می گزرد
سرمکہ بکاسہ گدائی ناں را — تر کردہ بآب می خورد می گزرد

(یعنی ایک ایسے بادشاہ کی جو شراب اور کباب استعمال کرتا ہے اس کی بھی زندگی گزر جاتی ہے اور سرمد جو کہ پیالہ میں روٹی کو پانی سے تر کر کے کھالیتا ہے اس کی بھی گزر جاتی ہے۔)

یہ حال دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا اے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اب تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فتوحات سے وسعت کر دی ہے۔ پھر تم ملک شام میں ہو اب تم اتنی تنگی کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! دنیا تو محض زاد ہے آخرت میں پہنچنے کے لیے جس کے لیے یہ بھی کافی ہے تو زیادہ کو لے کر کیا کریں گے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا تھا کہ اب فتوحات میں وسعت ہوگئی ہے آپ رضی اللہ عنہ اتنی تنگی کیوں فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمارے بہت سے بھائی اسی فقر کی حالت میں شہید ہو گئے۔ انہوں نے خدا کے راستہ میں عمل زیادہ کیا اور دنیا سے تمتع (فائدہ) حاصل نہیں کیا۔ ان کا سارا ثواب آخرت

میں ذخیرہ رہا اور ہم لوگوں نے فتوحات کر کے بہت کچھ مال و دولت کمایا اس سے متمتع (فائدہ حاصل کرنے سے) ہوتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ قیامت میں کہیں یہ نہ کہہ دیا جائے۔ اِذْ هَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ کہ تم نے حیات دنیا میں مزے اڑا لیے ہیں اور طیبات سے تمتع حاصل کر لیا ہے' اب یہاں (تمہارے لیے کچھ نہیں) پس تمہیں ذلت کی سزا دی جائے گی اس لیے کہ تم بڑا بننا چاہتے تھے۔

فائدہ: یہاں سے معلوم ہوا کہ ہمارے سلف کا فقر اختیاری تھا اضطراری نہ تھا۔ ان کے افلاس کا سبب یہ نہ تھا کہ ان کو کچھ ملتا نہ تھا۔ حق تعالیٰ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بہت کچھ مال و دولت دیا تھا۔ مگر وہ اپنے پاس رکھتے نہ تھے بلکہ غرباء کو دے دیتے تھے اور خود فقر کی حالت میں رہتے تھے تو کیا اس فقر سے ان کی کچھ عزت کم ہو گئی تھی۔ خدا نے ان کو وہ عزت دی تھی کہ آج مسلمان اس کی تمنا کرتے ہیں پس فقر کو ذلت سمجھنا بڑی غلطی ہے' یہ تو بڑی عزت کی چیز ہے اگر کمال کے ساتھ ہو۔

سادگی کی نظیر: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی زندہ تھے' آپ کو جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مولانا کی وضع کس درجہ سادی تھی مگر اس سادگی ہی میں ان کی وہ عزت تھی کہ بڑے بڑے نواب اور روساء و وزراء مولانا سے ملنے آتے تھے اور مولانا جس کو جو جی میں آیا کہہ ڈالتے تھے مگر ان کی باتوں سے برا کوئی نہ مانتا تھا بلکہ ان کی وہ غصہ کی باتیں بھی بھلی معلوم ہوتی تھیں جس کی وجہ وہی سادگی تھی۔

ان کی طبیعت بالکل سادہ بچوں کی سی تھی' اس لیے کسی کو کوئی بات ان کی ناگوار نہ ہوتی تھی جیسے بچوں کی حرکات ناگوار نہیں ہوتیں کیونکہ وہ بھی جو کچھ کرتے ہیں بناوٹ سے نہیں کرتے۔

تھانہ بھون میں ایک شخص بہت گالیاں دیا کرتے تھے کہ ایک تقریب کے موقع پر انہوں نے برادری کو جمع کرنا چاہا تو لوگوں نے جانے سے انکار کر دیا کہ یہ ہم کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ہم اس کے یہاں نہ جائیں گے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ برادری والے اس وجہ سے نہیں آتے تو انہوں نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا اب تو خطا معاف کرو۔ لوگوں نے کہا شاہ ولایت صاحب کے مزار پر چل کر عہد کرو کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا' وہ راضی ہو گئے اور عہد کو چلے۔ وہاں جا کر کہتے

ہیں شاہ ولایت صاحب یہ برادری کے ایسے ویسے لوگ (گالی دے کر) مجھ سے عہد کراتے ہیں کہ کسی کو گالی مت دینا' میں آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ اب سے اِن ایسے ویسے لوگوں کو (گالی دے کر) گلی نہ دوں گا۔ سب لوگ ہنس پڑے کہ اس ظالم سے عہد کرتے ہوئے تو گالی چھوٹی نہیں آئندہ کیا چھوڑے گا۔ یہ بیچارہ معذور ہے' آخر برادری کے سب لوگ ان کے یہاں آ گئے اور پھر کسی نے ان کی گالی سے برا نہ مانا کیونکہ سمجھ گئے کہ یہ سادگی سے گالی دیتا ہے قصداً بناوٹ کر کے نہیں دیتا۔

اس حکایت سے میرا یہ مطلب نہیں کہ ان کے اس فعل کا اچھا ہونا ثابت کرتا ہوں بلکہ اس سے ایک نتیجہ نکالنا چاہتا ہوں اور کبھی برے **فعل** سے بھی اچھا نتیجہ نکالا جاتا ہے۔

برے فعل سے اچھا نتیجہ: جیسے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چور کو پھانسی پر لٹکا ہوا دیکھا تو پوچھا اس کو پھانسی کیوں دی گئی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بڑا پکا چور تھا' ایک بار گرفتار ہوا تو اس کا داہنا ہاتھ کاٹا گیا' پھر بایاں پیر کاٹا گیا پھر بھی چوری سے باز نہ آیا تو خلیفہ نے پھانسی کا حکم دیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر ان کے پیر چوم لیے۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت آپ چور کے پیر چومتے ہیں۔ فرمایا میں نے چوری کی وجہ سے اس کے پیر نہیں چومے بلکہ اس کے استقلال کے قدم چومے ہیں کہ یہ اپنے محبوب فعل پر گو وہ مذموم ہی تھا ایسے استقلال کے ساتھ جما رہا کہ اسی میں جان دے دی' افسوس ہم اپنے محبوب محمود کے ساتھ بھی یہ معاملہ نہیں کرتے۔

تو جیسے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے برے **فعل** سے نتیجہ اچھا نکال لیا' اسی طرح میں کہتا ہوں کہ گو اس شخص کا گالیاں دینا برا فعل تھا مگر سادگی کے ساتھ تھا' یہ اس میں خوبی تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ اس کی باتوں کا برا نہ مانتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سادگی اور بے تصنعی (نہ بننا) عجب چیز ہے جو تلخ کو شیریں کر دیتی ہے۔

سادگی کے ساتھ غصہ: یہی بات مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب میں تھی کہ ان کا غصہ اور تیزی سادگی کے ساتھ تھی اس لیے کسی کو ناگوار نہ ہوتی تھی۔ بعض دفعہ وہ بڑے بڑے عہدہ داروں کو ایسی تیز تیز باتیں فرما دیتے تھے کہ ہم ویسی بات کہیں تو ایک دن میں بدنام ہو جائیں۔

ایک مرتبہ وزیر حیدر آباد مولانا کے یہاں حاضر ہوئے تو آپ فرماتے ہیں ارے نکالو! ارے نکالو! صاحبزادے نے عرض کیا کہ حضرت حیدر آباد کے وزیر ہیں' فرمایا ازے تو میں کیا

کروں' میں کیا ان سے تنخواہ پاتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا اچھا رات کے دو بجے تک رہنے کی اجازت ہے اس کے بعد چلے جائیں' بے چارے وزیر نے اسی کو غنیمت سمجھا اور اس کی تہذیب دیکھیے کہ رات کے دو بجے فوراً چلا گیا' خدام نے کہا بھی کہ صبح چلے جایئے گا اب تو مولانا سو رہے ہیں انہیں کیا خبر ہوگی۔ کہا نہیں یہ بے ادبی ہے بزرگوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا چاہیے۔ اب حضرت کی اجازت نہیں ہے میں نہ ٹھہروں گا تو مولانا بڑے سے بڑے کو ایسی تیز تیز کہہ دیتے تھے اور کچھ ناگوار نہ ہوتا تھا۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور ایک گورنر: ایک دفعہ لیفٹیننٹ گورنر نے آپ کی زیارت کو آنا چاہا اور اپنے سکریٹری کے ذریعہ سے باقاعدہ اجازت حاصل کی' مولانا نے اجازت دے دی اور لوگوں سے فرمایا کہ وہ ہم کو کیا جانیں' لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو تو سارا زمانہ جانتا ہے' پھر فرمایا کہ وہ بیٹھیں گے کہاں؟ ہمارے یہاں تو سونے کی کرسی بھی نہیں! خدام نے عرض کیا کہ حضرت وہ لکڑی کی کرسی پر بھی بیٹھ جائیں گے۔ فرمایا اچھا' پھر فرمایا کہ کیا لیفٹیننٹ گورنر کو دروازہ تک لینے جاویں' عرض کیا گیا کہ اگر مزاج چاہے تو مضائقہ بھی نہیں۔ یہ باتیں ان کے آنے سے پہلے ہو رہی تھیں مگر کچھ دیر بعد مولانا بھول بھال گئے اور جب وہ تاریخ آئی جس میں لیفٹیننٹ گورنر آنے والے تھے تو حضرت نے نہ کچھ سامان کیا نہ استقبال کیا بلکہ اپنی جگہ سے اٹھے تک نہیں جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے' لیفٹیننٹ گورنر تو بیٹھ گئے باقی سب انگریز جوان کے ساتھ کھڑے رہے۔ ایک میم بھی کھڑی رہ گئی تو مولانا نے ایک الٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بی تو اس پر بیٹھ جا' وہ اس پر بیٹھ گئی' پھر لیفٹیننٹ گورنر نے عرض کیا کہ حضرت ہمیں کچھ وصیت فرمایئے' فرمایا تم کو اللہ نے حکومت دی ہے' دیکھو ظلم مت کرنا ورنہ تم سے حکومت چھن جائے گی' پھر اس نے کہا کہ حضرت کچھ تبرک عطا فرمایا جائے' آپ نے فرمایا مجھ غریب کے پاس تمہارے دینے کو کیا رکھا ہے پھر خادم سے پکار کر فرمایا ارے مٹھائی کی ہنڈیا میں کچھ چورا پڑا ہو تو ان کو دے دے یہ مانگ رہے ہیں' چنانچہ وہ چورا تھوڑا تھوڑا سب کو بانٹا گیا اور سب نے نہایت ادب سے اس کو لیا۔

فائدہ: لیفٹیننٹ گورنر کو مولانا کے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی' کیا مولانا حاکم تھے یا نواب اور رئیس تھے کچھ بھی نہیں۔ پھر آخر یہ دل کشی کس چیز کی تھی کہ مسلم اور نومسلم ان کے

دروازے پر آتے تھے۔ یہ سادگی دلکشی تھی تکلف اور تصنع سے یہ بات پیدا نہیں ہوا کرتی۔

حضرت اصم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت: حضرت اصم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت یاد آئی کہ ایک شخص نے مجمع میں ان کے سامنے ہدیہ پیش کیا' اول تو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا' اس نے اصرار کیا تو آپ نے قبول کرلیا' لوگوں نے بعد میں پوچھا کہ حضرت اگر آپ کو لینا ہی تھا تو پہلے انکار کیوں کیا اور جو نہ لینا مقصود تھا تو بعد میں آپ نے کیوں لے لیا۔

آپ نے فرمایا کہ اصل میں تو مجھ کو لینا مقصود نہ تھا اس لیے انکار کر دیا تھا مگر پھر میں نے دیکھا کہ اس وقت مجمع میں ہدیہ رد کر دینے سے اس شخص کی ذلت ہوگی اور میری عزت اور لے لینے سے میری ذلت ہوگی کہ انکار کے بعد لے لیا اور اس کی عزت ہوگی گویا یہ میں نے اپنے بھائی کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دی۔

فائدہ: اب ہماری یہ حالت ہے کہ دل جوئی کریں گے تو ایسی کہ حرص میں مبتلا ہو جائیں گے بس جو آیا لے لیا چاہے حلال ہے یا حرام واپس کرنا جانتے ہی نہیں یا استغناء برتتے ہیں تو ایسا جو کبر وغرور کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ استغناء میں چونکہ اپنی عزت ہوتی ہے اور ایک قسم کا حظ (لذت) حاصل ہوتا' اس لیے اس میں تجاوز کرتے ہیں کہ پھر کسی کا دل توڑنے کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

دل جوئی اور نرمی: مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے وعظ میں ایک شخص آیا جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا تھا۔ جب وعظ ختم ہو چکا تو آپ نے اس شخص کو ٹھہرا لیا وہ ڈرا کہ اب میری خبر لی جائے گی۔ مگر مولانا تو ایسے پردہ پوش تھے کہ ایک بار آپ کے درس حدیث میں ایک معقولی طالب علم جنابت کی حالت میں بدون غسل چلا آیا آپ کو کشف سے معلوم ہو گیا کہ یہ جنبی ہے فوراً آپ نے درس بند کر کے اس سے فرمایا کہ بھائی دہاں ہی ٹھہرو آج تو جمنا کی سیر کو دل چاہتا ہے' آپ اور سبھی طلباء تیار ہو گئے اور وہاں جا کر غسل کیا' اس نے بھی غسل کیا' پھر فرمایا لاؤ کچھ پڑھ لو ناغہ کیوں کیا جاوے۔ تو مولانا کسی کی کیا خبر لیتے۔ چنانچہ اس شخص کو ٹھہرا کر فرمایا کہ بھائی مجھ میں ایک عیب ہے کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک جاتا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ٹخنوں سے نیچا پائجامہ پہنے گا وہ جہنم میں جلے گا تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں اس عذاب میں گرفتار نہ ہوں۔ ذرا

دیکھنا میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا تو نہیں وہ شخص قدموں میں گر پڑا کہ حضرت خدانخواستہ آپ میں یہ عیب کیوں ہوتا' یہ عیب تو میرے اندر ہے میں آج سے توبہ کرتا ہوں پھر ایسا کبھی نہ کروں گا۔

فائدہ: یہ تھی ہمارے بزرگوں کی نرمی اور دل جوئی۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب ہجرت کر کے مکہ تشریف لے گئے تو اول اول ایک رباط (سرائے) میں قیام فرمایا کہ ایک دن کوئی شخص رباط میں رہنے والوں کو ایک ایک دوانی تقسیم کرتا پھر رہا تھا۔ جب وہ حضرت کے حجرہ پر پہنچا تو یہاں شاہانہ دربار تھا۔ حق تعالیٰ نے حضرت کو لطیف طبیعت عطا فرمائی تھی اس لیے سب صاف ستھرا سامان رہتا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر رکا اور حضرت کو دوانی نہ دی تو آپ خود فرماتے ہیں کہ بھائی تم نے ہمارا حصہ نہ دیا۔ وہ کہنے لگا حضرت آپ کی خدمت میں ایسی حقیر چیز پیش کرنا خلاف ادب ہے۔ فرمایا سبحان اللہ! اگر ہر شخص یہی سمجھتا تو پھر یہ سامان کہاں سے ہوتا۔ کیا تم مجھے زمرۂ فقراء سے خارج سمجھتے ہو بھائی میں تو فقیر ہی ہوں اور فقیر سمجھ کر ہی لوگ کچھ دے دلا جاتے ہیں اسی سے یہ سامان اکٹھا ہو گیا جو تم دیکھ رہے ہو۔ لاؤ تم میرا حصہ لاؤ یہ سن کر وہ شخص باغ باغ ہو گیا کہ اللہ اکبر! میرے کہاں نصیب کہ حضرت خود مانگیں اور خوشی خوشی ایک دوانی دے دی۔

فائدہ: یہ تو شان تواضع تھی کہ ایک دوانی کے لیے بھی اپنی احتیاج ظاہر فرمائی۔

شان استغناء: ایک دفعہ حضرت پر کئی دن کا فاقہ تھا' ایک میمن نے صورت سے پہچان لیا کہ حضرت فاقہ سے ہیں وہ حضرت کی لنگی مانگ کر لے گیا اور اس میں دو سو ریال باندھ کر لایا اس وقت حضرت نماز یا ذکر میں مشغول تھے وہ پاس رکھ کر چلا گیا۔ اب استغناء کی یہ کیفیت دیکھیے کہ حضرت نے جب لنگی اٹھائی تو اس کا وہم بھی نہیں ہوا کہ یہ ریال مجھے اس نے دیئے ہیں بلکہ یہ سمجھے کہ امانت رکھ گیا ہے اٹھا کر احتیاط سے امانت کی جگہ رکھ دیا دوسرے وقت پھر فاقہ سے رہے۔ اس میمن نے جب دوسرے وقت بھی اسی حال میں دیکھا تو آ کر عرض کیا کہ آپ نے وہ ریال خرچ کیوں نہ کر لیے؟ آپ نے فرمایا کہ بھائی امانت کو کیسے خرچ کرلوں' کہا' حضرت وہ امانت نہ تھی بلکہ وہ تو ہدیۃً دے گیا تھا' فرمایا ہدیہ اس طرح دیا کرتے ہیں کہ پاس رکھ کر چلے گئے کچھ کہا نہ سنا' اس نے غلطی کی معافی چاہی تب آپ نے ان کو خرچ کیا۔

فائدہ: شان استغناء یہ تھی کہ دو سو ریال پر (جو کچھ چار سو روپے سے زیادہ ہوتے ہیں) ضرورت و حاجت کے وقت بھی ہدیہ کا گمان ہوا نہ بلکہ امانت ہی سمجھتے رہے۔ ہم جیسے ہوتے تو نہ معلوم خود ہی کتنی تاویلیں کر کے اس کو ہدیہ بنا لیتے اور کوئی دوانی لا کر دیتا تو اس کو سناتے کہ ہم کیا غریب محتاج ہیں تجھ کو آنکھوں سے نظر نہیں آتا' بس دونیاں بانٹنے چلے تو جو سامنے آیا اس کو غریب سمجھ کر ایک دوانی دے دی' یہ کوئی آدمیت ہے' ان حضرات میں استغناء بھی تواضع کے ساتھ تھا۔ اس لیے اگر کسی وقت استغناء سے دوسرے کی ذلت ہوتی تو وہاں یہ حضرات صورت استغناء کو چھوڑ کر تواضع کی صورت اختیار کر لیتے تھے جیسا کہ حضرت حاتم اصم نے کیا کہ اپنی عزت کو مسلمان کی عزت پر نثار کر کے انکار کے بعد بھی اس کا ہدیہ قبول کر لیا۔

اعتراف خطا بھی کمال ہے: مکہ معظمہ میں ایک بزرگ عالم قرآن کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمہ اللہ بھی ان کے حلقے میں کبھی کبھی جا بیٹھتے۔ ایک دن شیخ نے کسی مقام پر ایک فقہی مسئلہ میں غلطی کی اس وقت تو شاہ صاحب خاموش رہے' جب درس ختم ہو چکا تو اس وقت پاس جا کر چپکے سے متنبہ کیا کہ یہ مسئلہ مجھ کو اس طرح یاد ہے۔ ان بزرگ نے فوراً تمام طلباء کو پکار کر واپس بلایا۔ سب جمع ہو گئے تو کہا قد غلطنا هذه المسئلة ونبهنا عليه هٰذا الشيخ و الصحيح هكذا۔ یعنی ہم نے اس مسئلہ میں غلطی کی' جس پر ہم کو اس شیخ ہندی (یعنی شاہ صاحب) نے متنبہ کیا اور صحیح تقریر اس کی یوں ہے۔ پھر شاہ صاحب رحمہ اللہ کی بیان کردہ تقریر کا اعادہ کیا۔

فائدہ: دیکھیے علماء یہ حضرات ہیں کہ ان کو یہ کہتے ہوئے ذرا بھی رکاوٹ نہ ہوئی کہ ہم سے یہاں غلطی ہوگئی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ یوں بھی کہہ دیا کہ اس شیخ نے ہم کو متنبہ کیا' حالانکہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خفیہ اسی لیے متنبہ کیا تھا کہ اگلے دن یہ اس مقام کی صحیح تقریر اپنی طرف سے کر دیں گے مگر ان کو اتنا صبر کہاں تھا اسی وقت سب کو بلا کر صاف اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اپنے محسن کو بھی ظاہر کر دیا جس نے غلطی پر متنبہ کیا تھا۔ اگر ہم جیسے ہوتے تو اول تو اپنی غلطی ہی کو تسلیم نہ کرتے اسی میں بحث شروع کر دیتے اور جو تسلیم بھی کرتے تو اس طرح صاف صاف اقرار نہ کرتے اور جو کرتے بھی تو یہ ظاہر نہ کرتے کہ اس غلطی پر ہم کو کسی دوسرے نے متنبہ کیا ہے بلکہ اگلے دن اس طرح تقریر کرتے کہ طلبہ پر یہ ظاہر ہوتا کہ شیخ کو خود ہی تنبیہ ہوئی ہے آخر یہ تکبر اور

تصنع نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

اسباب کا ترک مقصود نہیں: حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ایک خان صاحب کسی جائیداد کے مقدمہ میں دعا کرانے آیا کرتے تھے۔ ایک بار آئے اور عرض کیا حضرت اب تو فلاں بنیے نے میری زمین دبا ہی لی' حضرت نے فرمایا بھائی جانے دو اور اللہ پر نظر کر کے صبر کرو خدا کچھ اور سامان کر دے گا۔

حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حجرے میں سن لیا اور باہر نکل آئے اور خان صاحب سے فرمایا ہرگز صبر نہ کرنا جاؤ مقدمہ کرو عدالت میں دعویٰ کر دو ہم دعا کریں گے۔ اور حاجی صاحب سے فرمایا آپ اپنی طرح ساری مخلوق سے صبر کرانا چاہتے ہیں' چاہے کسی کو ہمت ہو نہ ہو آپ کے تو نہ بیوی ہے نہ بچہ ہے اکیلے تھے صبر کر کے بیٹھ گئے اس غریب کے پیچھے بیوی بچے لگے ہوئے ہیں وہ ان کے فقر و فاقہ پر کیسے صبر کر لے گا انجام یہ ہوگا پریشان ہوگا اور توکل کی ہمت نہیں ہے تو کسی کے مال پر نظر دوڑائے گا۔

حق تعالیٰ کو عجز پسند ہے: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حق تعالیٰ کو عاجز پر بہت رحم آتا ہے اس لیے بعض دفعہ گنہگاروں کو ان کی عاجزی پر بخش دیا ہے اور دعویٰ کے ساتھ سارا علم اور تصوف اور تقویٰ بھی دھرا رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے جن کا نام گلاب خان تھا نیک اور صاحب علم تھے مجھ سے ایک طویل خواب دیکھنا بیان کیا' جزو مقصود اس کا بیان کرتا ہوں۔

یہ دیکھا کہ میدان قیامت قائم ہے اور حق تعالیٰ ایک ایک کا حساب لے رہے ہیں اور یہ حساب مختلف کتابوں کے امتحان کے رنگ میں ہے اور عرش پر حق تعالیٰ کی تجلی ہے اور عرش کے ایک گوشہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں۔ میں بہت ڈر رہا ہوں کہ میرا بھی حساب ہوگا اتنے میں کسی شخص کا امتحان ہوا اور اس پر بہت خفگی ہوئی اور ایسی غضبناک آواز میں خفگی محسوس ہوئی کہ رعد (بجلی کی کڑک) کی کوئی حقیقت نہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کچھ مدد فرمایئے۔ ارشاد ہوا خفگی کے وقت میں کیا کروں' جب میں نے دوبارہ عرض کیا تو ارشاد فرمایا تم یوں کہہ دینا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' چنانچہ مجھ کو پکارا گیا کہ (جلالین میں) غالباً امتحان دو۔ میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں اس پر تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اچھا ایک دن قید (جو اوروں کی سزا سے بہت خفیف تھی) اور اس سزا کے بعد بھی بہت جلد نجات

بھی دیکھی‘ یہ تو عاجز کے ساتھ معاملہ تھا اب دعوے کا حال سنیے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کا قصہ: حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کا قصہ ہے کہ ان کو کسی نے بعد وفات خواب میں دیکھا‘ پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا‘ فرمایا مجھ سے سوال ہوا تھا کہ ہمارے واسطے کیا لائے؟ میں نے پوچھا کہ اور اعمال تو میرے ناقص ہیں ان کا کیا نام لوں البتہ میں مسلمان ہوں‘ اور الحمدللہ توحید میری کامل ہے اس کو پیش کر دوں‘ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ توحید لایا ہوں۔ اما تذکر لیلة اللبن (وہ دودھ والی رات بھی یاد نہیں رہی) یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک رات حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے دودھ پیا تھا اس کے بعد پیٹ میں درد ہو گیا تھا تو آپ کے منہ سے نکل گیا کہ دودھ پینے سے پیٹ میں درد ہو گیا۔ اس پر مواخذہ (پکڑ) ہوا کہ تم نے درد کو دودھ کی طرف منسوب کیا‘ کیا یہی توحید ہے جس کو تم ہمارے واسطے لائے ہو کہ دودھ کی طرف درد کی نسبت کرتے ہو۔ حضرت بایزید رحمہ اللہ یہ سن کر گھبرا گئے اور عرض کیا الٰہی! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں‘ ارشاد ہوا کہ راہ پر آ گئے تو جاؤ اب ہم تم کو ایسے عمل سے بخشتے ہیں جس پر تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ اس سے بخشش ہو جائے گی وہ یہ کہ تم نے ایک رات بلی کے بچے کو سردی میں اکڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ تم کو اس پر رحم آیا اور اپنے لحاف میں لا کر سلا لیا اس بچے نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو ایسے ہی راحت دیجیے جیسے اس نے مجھے راحت دی‘ جاؤ آج ہم تم کو اس بلی کے بچے کی دعا سے بخشتے ہیں‘ سارا تصوف گاؤ خورد ہو گیا‘ سارے مراقبے اور مجاہدے رکھے رہ گئے اور ایک بلی کے بچے کی سفارش سے بخشے گئے۔

فائدہ: اسباب میں فی نفسہ کچھ تاثیر نہیں یہ تو محض علامات و اشارات ہیں‘ مؤثر حقیقت میں حق تعالیٰ ہیں اور گو آثار کی نسبت اسباب کی طرف کر دینا شرعاً جائز ہے مگر کاملین سے بعض مباحات پر بھی مواخذہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے پھر وہ اسناد مجازی کا استعمال کس لیے کرتے ہیں ان کو ہمیشہ اسنادِ حقیقی کا لحاظ کرنا چاہیے۔

ایک ملحد کا واقعہ: ایک مسلمان بادشاہ کے زمانہ میں ایک ملحد نے قرآن پر اعتراض کیا تھا کہ اس میں مکرر آیات بھی موجود ہیں یہ خدا کا کلام نہیں معلوم ہوتا۔ بادشاہ نے اس کو گرفتار کر کے بلوایا اور پوچھا کہ قرآن پر تجھ کو کیا شبہ ہے بیان کر‘ اس نے یہی کہا کہ قرآن میں بعض جگہ مکررات موجود ہیں‘ اس لیے ہی خدا کا کلام معلوم نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کو مکررات لانے کی کیا ضرورت تھی‘ بادشاہ

نے جلاد کو حکم دیا کہ اس شخص کے اعضائے مکررات میں سے ایک ایک کاٹ دو ایک ہاتھ رہنے دو اور ایک پیر ایک آنکھ رہنے دو اور ایک کان کیونکہ یہ خدا کا بنایا ہوا معلوم نہیں ہوتا' خدا تعالیٰ کو مکررات کی کیا ضرورت تھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس میں اضافہ کیا ہے لہٰذا مکررات کو حذف کردو اور ایک ایک عضو رہنے دو۔ واقعی خوب سزا دی۔

فائدہ: اسی طرح آج کل ہمارے بھائیوں نے دین میں انتخاب کیا ہے کوئی نماز کو ضروری سمجھتا ہے اور نماز ہی کی پابندی کرتا ہے نہ زکوٰۃ دے نہ حج کرے نہ معاملات میں سود و رشوت سے پرہیز کرے۔ کوئی روزہ کو ضروری سمجھتا ہے اور رمضان میں روزہ کا خوب اہتمام کرتا ہے اور بقیہ اعمال و طاعات کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ کوئی حج کو ضروری خیال کرتا ہے اور حج کر کے اپنے خیال میں جنت کا مالک ہو جاتا ہے' اب نہ ظلم سے بچنے کا اہتمام نہ غصب سے' نہ امانت میں خیانت سے نہ زنا وغیرہ سے۔ لوگ ایسے ہی حاجی کو پاجی کہتے ہیں۔

آج کل ایک نئی تفسیر چھپی ہے (۱۳۴۲ھ) جس کی تمہید میں لکھا ہے کہ اس تفسیر کی تصنیف میں بہت سے علماء موجود تھے گو سب کامل نہ تھے ہر فرد ناقص تھا مگر مجموعہ مل کر ضرور کامل ہو گیا تھا۔ سو وہ ایسا مجموعہ تھا جیسے ایک بنیے نے دریا کے کنارے پہنچ کر گاڑی بان سے کہا تھا کہ پانی کو کنارے اور درمیان سے دیکھ کر بتلاؤ' اس نے بتلایا تو آپ نے سب کا اوسط نکال لیا' اوسط کے حساب سے ہر حصہ میں پانی کمر تک نکلا۔ آپ نے حکم دیا کہ گاڑی ڈال دو جب بیچ میں پہنچے تو لگے ڈوبنے' بنیے نے فوراً حساب کو پھر دیکھا تو اوسط حساب کا برابر تھا تو آپ فرماتے ہیں لکھا جوں کا توں' کنبہ ڈوبا کیوں؟

فائدہ: یہ برکت مجموعہ کے اعتبار سے کرنے کی ہوئی' اسی طرح اس مفسر نے چند ناقصوں کو ملا کر ایک تو کامل کر دیا' جی ہاں وہ ایسا کامل ہوا ہے کہ سب کو لے کر ڈوبے گا۔

دینداروں کی امداد منجانب اللہ ہوتی ہے: ایک دیندار کا قصہ یاد آیا کہ وہ جمعہ کے دن اپنے کھیت میں پانی دے رہے تھے کہ جمعہ کی اذان ہو گئی۔ انہوں نے سوچا کہ پانی کا انتظام کرتا ہوں تو جمعہ جاتا ہے اور جمعہ کو جاتا ہوں تو پانی کا کام رہ جاتا ہے بالآخر انہوں نے دین کو دنیا پر ترجیح دی اور کھیت کا کام چھوڑ کر جمعہ کو چلے گئے۔ جمعہ کے بعد جو آ کر دیکھا تو کھیت پانی سے بھرا ہوا' تعجب ہوا' پڑوسی کہنے لگے کہ عجب بات ہے' ہم اپنے کھیتوں میں پانی دیتے تھے اور ڈول ٹوٹ ٹوٹ کر وہ

تمہارے کھیت میں پہنچ جاتا تھا۔

فائدہ: کبھی حق تعالیٰ کی امداد کھلی آنکھوں نظر آتی ہے اور باطنی امداد تو ہمیشہ ہوتی ہے کہ ان کے وقت میں برکت دیتے ہیں۔

قہر الٰہی سے ڈرو: جس زمانہ میں میرے ماموں منشی شوکت علی صاحب مدرسہ سرکاری میں مدرس تھے اس زمانہ میں ایک انسپکٹر مدارس مدرسہ میں آئے۔ امتحان میں انہوں نے لڑکوں سے اپنے منصب کے خلاف سوال کیا کہ بتلاؤ خدا کی ہستی کی کیا دلیل ہے؟ لڑکے بے چارے کیا جواب دیتے وہ تو خاموش رہے۔ ماموں صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے پوچھیے میں جواب دوں گا انسپکٹر صاحب اپنی افسری کے گھمنڈ میں تھے انہوں نے ناخوشی کے لہجہ میں فرمایا کہ اچھا آپ ہی جواب دیجیے ماموں صاحب نے فرمایا کہ خدا کی ہستی کی دلیل یہ ہے کہ پہلے تم معدوم تھے اور اب موجود ہو اور ہر حادث کے لیے کوئی علت ہونی چاہیے وہ علت خدا ہے اس نے جواب دیا کہ ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا نہ کہ خدا نے۔ ماموں صاحب نے فرمایا کہ آپ کے ماں باپ کو کس نے پیدا کیا اس نے کہا ان کے ماں باپ نے ماموں صاحب نے فرمایا دو حال سے خالی نہیں یا تو الیٰ غیر النہایۃ یوں ہی سلسلہ چلا جاوے گا یا کہیں جا کر ختم ہوگا پہلی صورت میں تسلسل لازم آئے گا جو کہ محال ہے دوسری صورت میں خدا کا وجود ماننا پڑے گا۔ اس کو اس کا کچھ جواب نہ آیا اور اس نے کہا آپ تو منطق کی باتیں کرتے ہیں لوگوں کا مذاق بگڑ گیا ہے کہ دقیق اور گہرے مضامین کو ناقابلِ التفات سمجھتے ہیں اور سطحی اور پیش پا افتادہ باتوں کو دلائل خیال کرتے ہیں۔ غرض کہنے لگا کہ ہم ان منطقی باتوں کو نہیں جانتے ہم تو سیدھی بات جانتے ہیں اور وہ یہ کہ اچھا اگر خدا ہے آپ اپنے خدا سے کہیے کہ ہماری آنکھ درست کر دے یہ انسپکٹر کانا تھا۔ ماموں صاحب نہایت ظریف تھے انہوں نے کہا کہ بہت بہتر ہے میں ابھی کہتا ہوں یہ کہہ کر انہوں نے آنکھیں بند کر کے آسمان کی طرف منہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے انسپکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے عرض کیا تھا مگر وہاں سے یہ جواب ملا ہے کہ ہم نے اس کو دو آنکھیں عطا کی تھیں اس نے ہماری نعمت کی ناشکری کی اور کہا کہ ہمارے ماں باپ نے ہمیں پیدا کیا ہے ہمیں اس پر غصہ آیا ہم نے اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی اب اس سے کہو کہ تو اس آنکھ کو اپنے انہیں ماں باپ سے بنوا جنہوں نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس جواب پر اس کو بہت غصہ آیا اور اس کا اور تو کچھ بس نہ چلا مگر معائنہ

خراب لکھ گیا اس گستاخی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ کے اندر درد اٹھا اور ہلاک ہو گیا۔

فائدہ: یاد رکھو حق سبحانہ کا قہر دو طرح کا ہوتا ہے کبھی تو صورۃً بھی قہر ہوتا ہے اور کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے یہ قہر قہر اول سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے (اعاذنا اللہ منہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا قابل فخر ہے: ایک شیعی نے ایک عالم سے کہا کہ آپ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اشاعت اسلام پر فخر کرتے ہیں اور اس کو ان کی علامت مسلمان ہونے کی دلیل بتاتے ہیں حالانکہ اس سے ان کا اسلام بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ یوید ھذا الدین بالرجل الفاجر اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ اس سے اتنا ثابت ہوا کہ جس دین کی وہ مدد کرے گا وہ دین اسلام اور دین حق ہو گا۔ اب اگر تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا مصداق بناتے ہو تو اس سے اتنا تو لازم آیا کہ انہوں نے دین کی مدد کی ہے اب یہ دیکھو لو کہ جس دین کی انہوں نے مدد کی ہے وہ شیعوں کا دین ہے یا سنیوں کا۔ تم ضرور یہی کہو گے کہ سنیوں کا' اب اِس سے سنیوں کے مذہب کا حق ہونا ثابت ہو گیا اور عمر رضی اللہ عنہ کا دین بھی یہی تھا' لہٰذا ان کا مسلمان ہونا اور کامل الایمان ہونا بھی ثابت ہو گیا یہ سن کر وہ شیعی صاحب مبہوت ہو گئے۔

ایک اندھے عاشق کا قصہ: ایک اندھا عاشق لڑکوں کو پڑھاتا تھا' ایک لڑکے کی ماں خوشامد میں اس اندھے معلم کے پاس اپنے بچہ کے ہاتھ کبھی کبھی کھانا وغیرہ بھیج دیا کرتی تھی کبھی سلام کہلا بھیجتی تھی اندھے نے سمجھا کہ عورت مجھ سے محبت کرتی ہے اس لیے اس کو بھی اس سے محبت ہو گئی۔

ایک روز اس نے لڑکے کے ہاتھ اس کی ماں کے پاس اظہار عشق کے ساتھ درخواست ملاقات کا پیام کہلا بھیجا' عورت پارسا تھی اسے ناگوار ہوا اس نے اپنے خاوند سے تذکرہ کیا۔ ان دونوں میں یہ طے ہو گیا کہ اندھے کو اس کا مزا چکھانا چاہیے اور اس کی صورت بھی تجویز کر لی گئی۔ اس کے بعد اس عورت نے حافظ جی کو لڑکے کے ہاتھ بلوا بھیجا حافظ جی وقت مقررہ پر پہنچ گئے اتنے میں باہر سے آواز آئی کواڑ کھولو۔ حافظ جی یہ سن کر گھبرا گئے عورت نے کہا گھبراؤ نہیں میں ابھی انتظام کیے دیتی ہوں۔ تم یہ دوپٹہ اوڑھ کر چکی پیسنے لگو حافظ جی نے ایسا ہی کیا۔ اس نے جا کر کواڑ کھول دیئے خاوند آیا' ملی بھگت تو تھی ہی' پوچھا یہ کون عورت ہے۔ کہا ہماری لونڈی ہے آئے

کی ضرورت تھی اس لیے بے وقت چکی پیس رہی ہے۔ وہ خاموش ہو رہا حافظ جی نے کیوں چکی پیسی تھی آخر تھک گئے اور ہاتھ سست چلنے لگا' یہ دیکھ کر خاوند اٹھا کہا مردار سوتی ہے پیستی کیوں نہیں یہ کہہ کر چند جوتے رسید کیے اور آ کر اپنی جگہ لیٹ رہا۔ حافظ جی نے ''قہر درویش بر جان درویش'' پھر پیسنا شروع کیا تھوڑی دیر پیسنے کے بعد پھر ہاتھ سست چلنے لگا خاوند نے پھر وہی کیا جو پہلے کیا تھا غرض صبح تک حافظ جی سے خوب چکی پسوائی اور خوب جوتہ کاری کی۔ جب یہ دیکھا کہ حافظ جی کو کافی سزا مل چکی ہے تو حسب قرار داد وہاں سے خاوند ٹل گیا' عورت نے کہا حافظ جی اب موقع ہے آپ جلدی سے تشریف لے جاویں ایسا نہ ہو کہ وہ ظالم پھر آ جاوے۔ حافظ جی وہاں سے بھاگے اور مسجد میں دم لیا۔

یہ قصہ تو رفت گذشت ہوا اس کے بعد عورت کو شرارت سوجھی اور اس نے لڑکے کے ہاتھ پھر سلام کہلا بھیجا' حافظ جی نے کہا' ہاں میں سمجھ گیا آٹا نہیں رہا ہوگا۔

ایک احمق کی حکایت: ایک احمق نے کسی کتاب میں دیکھا کہ جس شخص کی داڑھی لمبی ہو وہ بیوقوف ہوتا ہے آپ کو شبہ ہوا آئینہ میں چہرہ مبارک دیکھا اپنی صورت پر حماقت کی علامت کو منطبق پایا تو آپ کو درستی کی فکر ہوئی۔ قینچی وغیرہ تلاش کی کچھ نہ ملا مجبور ہو کر داڑھی کو چراغ کے سامنے کر دیا کیونکہ سر تو بڑا کر نہیں سکتے تھے داڑھی کو چھوٹا کرنے لگے جتنی داڑھی باقی رکھنا تھی اس کو مٹھی میں لے لیا باقی کو جلانے کے واسطے چراغ پر رکھنا تھا کہ آگ کی لپٹ سے ہاتھ علیحدہ ہو گیا اور داڑھی کا صفایا ہو گیا۔

فائدہ: احمق تھا نا' علامت کو علت سمجھا کہ رفع علت مستلزم ہے رفع معلول کو دوسری بے عقلی یہ کی کہ اس قدر عجلت سے کام لیا۔ خیر بعد میں متنبہ ہوئے کہ واقعی کتاب میں سچ لکھا ہے میں ضرور احمق ہوں اس داڑھی جلنے کا اتنا تو اثر ضرور ہوا کہ اتنی سمجھ فوراً آ گئی کہ میں احمق ہوں علامت کے رفع ہوتے ہی حماقت معلوم ہو گئی۔

بسم اللہ کی برکت: ایک مولوی صاحب بسم اللہ کے فضائل بیان کر رہے تھے کہ جو کام بسم اللہ پڑھ کر کیا جائے اس میں ایسی برکت ہوتی ہے وہ خوب اچھا ہوتا ہے۔ ایک گھسیارہ سن کر بہت خوش ہوا کہ اچھا ہوا یہ نسخہ ہاتھ لگا روز دریا سے پار اترنے کا پیسہ دینا پڑتا تھا اب پیسہ ضرور بچے گا چنانچہ وہ پانی میں سے بسم اللہ پڑھ کر پار ہو جاتا تھا اور کسی قسم کا خطرہ نہ ہوتا تھا اس نے ان مولوی

صاحب کی دعوت کی کہ جن کی بدولت یہ دولت ملی ہے ان کی دعوت تو کرنا چاہیے جب مکان کو لے چلا راستہ میں دریا آیا مولوی صاحب رک گئے اس نے کہا مولوی صاحب' چلو' مولوی صاحب نے فرمایا کشتی تو ہے نہیں کیسے چلوں' اس نے کہا جی بسم اللہ پڑھ کر چلیے اس دن آپ ہی نے تو وعظ میں مجھے نسخہ بتایا تھا جب اس پر بھی مولوی صاحب کی ہمت نہ ہوئی تو اس نے کہا چلیے میں آپ کو لے چلوں' چنانچہ مولوی صاحب کا اس نے ہاتھ پکڑ کے پار کر دیا اور مولوی صاحب نے فرمایا بھائی تو تو عامل ہے اور میں نرا عالم ہوں۔

فائدہ: اسی طرح ہم لوگ عقائد اور مسائل کو بیان کرتے ہیں مگر خود ہمارے قلوب میں ان کی عظمت نہیں ہوتی۔

رزاق اللہ تعالیٰ ہے: میرا بھتیجا جو بہت ذکی ہے۔ بالکل بچہ تھا میں نے اس کو بلوایا اور پوچھا کہ بتلاؤ عربی اچھی ہے یا انگریزی۔ کہنے لگا عربی اچھی' میں نے کہا عربی کیوں اچھی ہے؟ کہا قرآن شریف عربی میں ہے' میں نے پوچھا لیکن عربی پڑھ کر کھائے کہاں سے۔ اس نے یہ سن کر نہایت سنبھال کر جواب دیا میں اسی کے لفظوں میں نقل کرتا ہوں' بات یہ ہے کہ جب آدمی عربی پڑھتا ہے وہ خدا کا ہو جاتا ہے اور جب خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ اسے دو' وہ دیتے ہیں اور یہ کھاتے ہیں۔ میں نے کہا یہ بھی ٹھیک ہے لیکن لوگ ایسے شخص کو ذلیل سمجھتے ہیں کہنے لگا ذلت تو جب ہوتی ہے کہ وہ کسی سے مانگتا وہ مانگتا کب ہے' لوگ تو ہاتھ جوڑ کر خود دیتے ہیں' میں اس کا حیرت سے منہ تکتا تھا کہ اس عمر میں اور یہ سمجھ۔

فائدہ: عربی پڑھنے کے لیے آج کل انتخاب غلط ہے' جو لڑکا فہم اور ذکا کے سبب عربی کے قابل ہوتا ہے اسے انگریزی پڑھواتے ہیں اور جو احمق سمجھا جاتا ہے اسے عربی پڑھاتے ہیں۔

جھک مار کر خدمت کرنی پڑتی ہے: مولانا فتح محمد صاحب کرانہ میں تھے ایک طالب علم مثنوی شریف پڑھنے آیا۔ آپ نے پوچھا روٹی کہاں سے کھائے گا' اس نے کہا اللہ میاں روٹی دے گا ورنہ جان لے لے گا۔ آپ نے فرمایا بے شک بھائی تو پڑھ لے گا چنانچہ اسی وقت سے پڑھنا شروع کر دیا اور اس کی اسی روز سے دعوتیں شروع ہو گئیں۔ کئی مہینے کیرانہ میں رہا برابر دعوتیں کھاتا رہا۔ اگر کوئی خوشی سے اہل دین کی خدمت نہ کرے تو مالک الملک اسباب ایسے مسلط کر دیتے ہیں کہ جھک مار کر خدمت کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ فتح محمد صاحب ہی نے حکایت بیان کی کہ پانی پت

میں ایک طالب علم قاری عبدالرحمٰن کے پاس قرات سیکھنے گئے۔ وہاں اہل محلہ نے کھانے کا انتظام نہیں کیا اتفاقاً ایک آدمی مر گیا اور وہاں قاعدہ تھا کہ مردہ کے گھر سے چالیس دن تک محتاج کو کھانا کھلایا جاتا تھا بس ان کا کھانا مقرر ہو گیا۔ چالیس دن پورے نہ ہوئے تھے کہ دوسرا مر گیا اور اس کے چلہ کے بعد تیسرا کھسکا۔ قاری صاحب نے فرمایا' یہ سب محلہ کو کھا جائے گا ورنہ اس کا کھانا مقرر کردو چنانچہ کھانا مقرر کر دیا گیا۔

امتی کے کمالات دراصل پیغمبر ﷺ کے عکس ہیں: ایک کاتب وحی کا قصہ ہے جس کا نام عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھا' حضور ﷺ کی برکت صحبت سے اس میں یہ بات پیدا ہو گئی کہ ایک مرتبہ آپ نے اس کو قرآن شریف کی ایک آیت لکھنے کا امر فرمایا جو اسی وقت نازل ہوئی تھی ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ۔ حضور ﷺ یہاں تک پڑھنے پائے تھے کہ اس کا اخیر جزو بے ساختہ کاتب وحی کی زبان پر جاری ہو گیا۔ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ حضور ﷺ نے فرمایا لکھو یہی وحی میں بھی ہے۔ تو یہ کیا تھا حضور ﷺ کے فیوض قلب کا عکس تھا کہ اس شخص کے دل پر حضور ﷺ کے قلب کا عکس پڑ گیا اور فی الجملہ وحی سے موافقت ہو گئی کہ اس کے دل میں بھی از خود آیت کا اخیر لفظ آ گیا۔ مگر وہ شخص سمجھا کہ بس میں بھی پیغمبر ہو گیا مجھ پر وحی آنے لگے۔ کم ظرف اور کم حوصلہ تھا کہ اتنی بات پر آپے سے باہر ہو گیا اسی کے متعلق یہ بات نازل ہوئی۔ ﴿أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ یہ شخص ایک جملہ ہی کے توارد پر آپے سے باہر ہو گیا کیونکہ کم ظرف تھا۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بارہا ایسا قصہ پیش آیا کہ وحی سے ان کو توافق ہو گیا بعض دفعہ تو وحی ان کی رائے کے موافق نازل ہوئی اور بعض دفعہ بلفظہ توافق ہوا کہ وحی ان ہی الفاظ میں نازل ہوئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلے تھے مگر ان کو ایک دفعہ بھی یہ خیال نہ ہوا کہ میں کچھ ہوں اور مجھ پر بھی وحی آتی ہے بلکہ وہ اس کی حقیقت کو سمجھتے تھے کہ یہ محض حضور ﷺ کی برکت ہے جو ہمارے قلب میں تھوڑی سی نورانیت حضور ﷺ کے طفیل سے پیدا ہو گئی ہے کہ بعض دفعہ وہی بات دل میں آ جاتی ہے جس کے موافق وحی نازل ہونے والی ہوتی ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر ناز

تو کیا ہوتا بعض دفعہ کسی واقعہ میں جب ان کی رائے میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں اختلاف ہوتا اور وحی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بجائے خوش ہونے کے شرمندہ ہوتے اور کئی کئی دن تک شرمندہ رہتے۔

شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا مقام: شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنی جوانی میں ایک بزرگ کی زیارت کو جارہے تھے' ساتھ میں دو آدمی اور تھے۔ آپس میں گفتگو ہوئی جس طرح راستہ طے کرنے والے رفیقوں میں ہوا کرتی ہے کہ بھائی تم اس بزرگ کے پاس کس غرض سے جارہے ہو۔ ایک شخص نے تو کچھ دنیوی غرض بتلائی کہ میں اپنے لیے فراخی رزق وغیرہ کی دعا کراؤں گا' دوسرے شخص نے جو عالم تھے اور اس کا نام ابن السقا تھا کہا میں تو اس بزرگ کا امتحان کرنے جارہا ہوں کہ دیکھو یہ خالی بزرگ ہی ہیں یا کچھ علم سے بھی تعلق ہے۔ ان سے ایسے پیچیدہ سوالات کروں گا جن کا جواب نہ بن پڑے۔ پھر شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے ان دونوں نے پوچھا کہ صاحبزادے تم کس کام کے لیے جارہے ہو' فرمایا کہ میں تو صرف اس لیے جارہا ہوں کہ یہ بزرگ اللہ کے مقبول بندے ہیں شاید ان کی زیارت سے ہمارے نفس کی اصلاح ہو جائے اور اللہ کا ہمارے حال پر بھی فضل ہو جائے۔

غرض تینوں ان بزرگ کے پاس پہنچے' ان کو کشف سے ان تینوں کا حال پہلے سے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ ابھی یہ لوگ کچھ عرض کرنے بھی نہ پائے تھے کہ شیخ نے خود ہی سب کے سوالات کا جواب دے دیا' جو شخص دنیوی غرض کے لیے آیا تھا اس سے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ سونے چاندی کے ڈھیر تیرے پیروں کے نیچے ہوں گے (گویا اس کا مقصد پورا ہو گیا)۔

ابن السقا سے فرمایا کہ تیرا ایک سوال یہ ہے اور اس کا یہ جواب اور دوسرا سوال یہ ہے اور اس کا یہ جواب' سوالوں کے جواب تو یہ ہیں مگر مجھے تیرے چہرہ پر آثار کفر نظر آرہے ہیں اور میں وہ حالت دیکھ رہا ہوں جب کہ تو اسلام سے مرتد ہو جائے گا۔

چنانچہ یہ شخص ایک مرتبہ خلیفہ وقت کی طرف سے ہرقل کے پاس کوئی پیام لے کر گیا تھا۔ بہت بڑا عالم تھا کہ خلیفہ نے سفارت کے لیے اس کو منتخب کر رکھا تھا۔ مگر اس نے ان بزرگ کے ساتھ گستاخی کی نیت کی تھی۔ اس کے وبال میں ہرقل کے پاس جا کر اس کی کسی لڑکی پر فریفتہ ہو کر اس کے عشق میں نصرانی ہو گیا اور اسی حالت میں مرا۔ نعوذ باللہ منہ اور حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ

سے فرمایا کہ مجھ کو یہ بات نظر آ رہی ہے کہ تم منبر بغداد پر بیٹھے ہوئے یہ کہہ رہے ہو کہ قدمی هذه علی رقاب کل اولیاء الله۔ اور دیکھ رہا ہوں کہ اولیاء اللہ کی گردنیں اس وقت جھک رہی ہیں۔

کتنا صحیح کشف تھا کیونکہ یہ بات انہوں نے ایسے وقت میں فرمائی تھی کہ اس وقت حضرت عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ بالکل بچے اور نوجوان تھے۔ اس کا کسی کو بھی وہم نہیں ہوسکتا تھا کہ کس وقت اس درجہ کو پہنچیں گے مگر کشف بالکل صحیح تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا جس کا واقعہ مشہور ہے۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ منبر بغداد پر بیٹھے ہوئے ایک دن وعظ فرما رہے تھے اثناء وعظ میں جوش آیا اور فرمایا قدمی هذه علی رقاب کل اولیاء الله اس وقت جتنے اولیاء زمین پر تھے سب نے اس آواز کو سنا اور گردنیں جھکا دیں بلکہ بعض نے گردن جھکا کر یہ بھی کہا۔ بل علی راسی وعینی۔

فائدہ: یہ ویسا ہی قصہ ہوا جیسا کہ حضرت خلیل اللہ کی آواز کو حق تعالیٰ نے تمام عالم میں پہنچا دیا تھا حتیٰ کہ ارواح نے اپنے باپ ماں کے پشت اور رحم میں سے جواب دیا: لبیك لبیك اسی طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی آواز خلیل الٰہی آواز تھی جس کو تمام عالم کے اولیاء نے سنا خدا تعالیٰ نے سب کو آواز پہنچا دی۔

جائیں تو جائیں کہاں: حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ ایک رات وہ تہجد کے لیے اٹھے تو ندا آئی کہ تو کچھ بھی کرتا رہ یہاں کچھ قبول نہیں اور ندا بھی اس زور سے آئی کہ ان بزرگ کے ایک مرید نے بھی سن لی۔ خیر اس رات تو نماز پڑھ کر لیٹ رہے اگلی رات ہوئی تو پھر وہ اپنا بوریہ بدھنا لے اٹھے۔ مرید نے کہا کہ حضرت ایسی بھی کیا بے غیرتی ہے کہ وہاں تو کچھ قبول نہیں ہوتا اور آپ پھر پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ برخورداری تو سب کچھ ہے کہ میرا عمل وہاں قبول نہیں مگر مجھے بتلا دو کہ اس در کو چھوڑ کر جاؤں کہاں، کوئی اور در بھی تو نہیں جہاں چلا جاؤں میں تو اسی در پر پڑا رہوں گا قبول نا قبول سے مجھے کیا بحث۔

فائدہ: اس جواب سے جس میں عبدیت بھری ہوئی تھی رحمتِ حق کو جوش ہوا اور ندا آئی:

قبول است گرچہ ہنر نیست   کہ جز ماپناہے دگر نیست

کہ جاؤ قبول کر لیا گو ہنر نہ تھا مگر یہ دیکھ کر آ گیا کہ ہمارے سوا تیری پناہ کسی جگہ نہیں، بس

عاشق کو ایسا ہونا چاہیے کہ وہ سچ مچ بھی رد کر دیں جب بھی لپٹا ہی رہے۔ سعدی فرماتے ہیں کہ

اگر دعوتم رد کنی ور قبول

پھر کیا ایسے کو قبول نہ کریں گے جو رد پر بھی راضی ہو ضرور قبول کریں گے مگر وہ کبھی اپنے عشاق کا امتحان لیا کرتے ہیں کہ دیکھیں ان کا عشق کس درجہ کا ہے ہمارے کرنے پر بھی لپٹے رہتے ہیں یا چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ حق تعالیٰ امتحان بھی نہ کریں عاشق کو اس چاہنے کا کوئی حق نہیں۔

ایک بیوقوف بیٹے کی حکایت: ایک شخص مرا اس کا ایک بے وقوف بیٹا تھا جب وہ باپ مرنے لگا تو اس نے سوچا کہ یہ ہے بے وقوف اور آئیں گے تعزیت کرنے والے۔ خدا جانے ان کے ساتھ کس بے تمیزی سے پیش آوے گا۔ اس لیے اس کو مناسب دستوار العمل سکھلا دینا مناسب ہے۔ پس اس نے وصیت کی کہ جو شخص آئے اس کو اونچی جگہ بٹھلانا اور اس سے نرم و شیریں باتیں کرنا اور اس کو قیمتی کھانا کھلانا اور بھاری کپڑے پہن کر اس سے ملنا۔ اتفاقاً ایک شخص آ پہنچا آپ نے حکم دیا کہ ان کو اونچی مچان پر بٹھلاؤ اور خود جوڑا بدلنے گئے بھاری بھاری قالین اور دریاں لپیٹ کر تشریف لائے۔ اب مہمان جو بات کرتا ہے اس کے جواب میں گڑ اور روٹی ارشاد ہوتا ہے۔ پھر کھانے کے وقت گوشت آیا' ذرا سخت تھا' مہمان نے شکایت کی تو آپ فرماتے ہیں کہ میاں کے لیے پچاس روپے کا کتا کاٹ ڈالا آپ کو پسند ہی نہیں آیا۔ مہمان حیران کہ ہر فعل عجیب ہے وجہ پوچھنے پر سب کی توجیہ فرمائی' چنانچہ گڑ اور روٹی کی وجہ نرم اور شیریں الفاظ کی وصیت بتلائی۔

فائدہ: جیسے اس نے معنی سے قطع نظر کر کے صرف نرمی اور شیرینی پر دلالت کرنے والے الفاظ یاد کر لیے تھے ایسے ہی ہمارے بھائیوں نے محض الفاظ یاد کر لیے ہیں۔

اہل اللہ سے تعلق کی برکت: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے ایک ہم وطن جو کہ اس وقت انگلستان میں ہیں وہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں ایک وقت باندہ میں تھا وہ انگریزی میں بڑے ذی استعداد ہیں اور نوکری میں ایسے خوش اقبال کہ جب کوشش کی فوراً ہی چار سو پانچ سو کے نوکر ہو گئے۔ مگر بے استقلالی کے سبب ان کو کبھی نوکری سے انتفاع نہیں ہوا' غرض ذکی بہت ہیں مگر علم دین سے واقف نہیں' اس لیے یہ واقعہ ہوا کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام کی تاریخ دیکھ رہے تھے اور

رمضان کا روزہ بھی تھا۔ اس میں تھا کہ ایک جگہ گئے اور کافر بادشاہ کے پاس پیام بھیجا کہ یا اسلام لاؤ یا جزیہ دو ورنہ قتال ہے۔ ان کو شبہ ہوا کہ بس اسلام کی یہ قیمت ہے کہ بجائے اسلام کے جزیہ پر راضی ہو گئے یہ محض شریعت کی رحمت عامہ ہے کہ اسلام پر جبر نہ کر کے جزیہ قبول کر لیا اور اول لوگوں کے حقوق برابر رکھے۔ ان کا یہ شبہ ایسا بڑھا کہ اسلام کی حقانیت ہی کا انکار دل میں جم گیا۔ پھر خیال آیا کہ جب اسلام یہ کچھ نہیں ہے تو روزہ کیا چیز ہے آخر پانی پی لیا اس کے بعد رنج ہوا کیونکہ اسلام بہت مدت کا رفیق تھا۔ شام کو حسب معمول ایک دوست کے پاس پہنچے انہوں نے افطار میں شرکت کے لیے بلایا تو انہوں نے کہا کہ میری ایسی حالت ہے کہ اگر تم کو معلوم ہو جاوے تو پاس بھی نہ بٹھلاؤ۔ انہوں نے کہا کہ بیش بریں نیست کہ تم کافر ہو گئے ہو گے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے باقی اس کا اثر باہمی دوستی پر کیوں ہو یہ حکمت تالیف کے لیے کہا جب کھا پی چکے انہوں نے حقیقت پوچھی۔ معلوم ہونے پر کہا کہ ہماری خاطر سے تم مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے مل لو۔ یہ ہنسے کہ مولوی صاحب بجز قرآن و حدیث کے ان حقائق فلسفیہ کو کیا جانیں اور میرے شبہات کا کیا جواب دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ تم میری ہی خاطر سے جاؤ تو سہی' انہوں نے کہا کہ خیر تمہاری خاطر چلا جاؤں گا۔ آخر گئے اور ادب کے سبب زیادہ رستہ پیدل قطع کیا اور اسی حالت ہجوم اعتراضات میں پہنچے اور خوب منصوبے سوچ رکھے تھے کہ یہ کہوں گا وہ کہوں گا۔ جا کر السلام علیکم کہا۔ مولانا نے سلام لے کر فرمایا۔ بولو کیا شبہ ہے۔ بیان کرتے تھے اب جو اعتراض سوچتا ہوں اس کا جواب ذہن میں موجود اب مولانا تو تقاضا فرما رہے ہیں اور یہ گم سم حیران۔ خلاصہ یہ ہے کہ کچھ بھی نہ رہا قلب صاف ہو گیا' آخر میں انہوں نے عرض کیا کہ مجھ کو بیعت کر لیجئے۔ کہتے تھے کہ مجھ سے عمل میں تو بڑی بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں لیکن عقائد کے متعلق کبھی کوئی وسوسہ اس روز سے نہیں آیا۔

فائدہ: یہ برکت ہے اہل اللہ سے تعلق رکھنے کی۔ خود بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیے اور اپنی اولاد کے لیے بھی اس کا انتظام کرنا چاہیے۔

دشواری تو ہر کام میں ہے: مشہور ہے کہ واجد علی شاہ کے یہاں دو کاہل نوکر تھے ان میں باری اس طرح تھی کہ ایک لیٹا ہوا آرام کرے دوسرا بیٹھا ہوا اس کی حفاظت کرے۔ اسی طرح ایک لیٹا ہوا تھا جبکہ دوسرا بیٹھا ہوا' ایک سوار ادھر سے گزرا' لیٹے ہوئے نے پکارا کہ میاں سوار ذرا یہ بیر جو

میرے سینہ پر رکھا ہے میرے منہ میں ڈال دو۔ اس کو اس آرام طلبی سے سخت حیرت ہوئی اور اس سے زیادہ یہ حیرت ہوئی کہ اس کا رفیق جو پاس بیٹھا تھا اس سے اتنا کام نہیں ہوتا اس لیے اس بیٹھے ہوئے سے کہا کہ بھائی تو ہی اس کے منہ میں ڈال دے۔ وہ بہت بگڑا اور کہنے لگا کہ جناب! میری آپ کی لڑائی ہو جاوے گی آپ کو کیا خبر کہ یہ میرا ساتھی کیسا ہے' کل میں لیٹا ہوا تھا یہ بیٹھا تھا مجھ کو جو جمائی آئی اس سے منہ کھل گیا' ایک کتا آ کر منہ میں موتنے لگا' یہ بیٹھا ہوا دیکھتا رہا اور اس سے اتنا نہ ہوا کہ کتے کو ہٹا دے' میں ضرور اس کے منہ میں بیر دوں گا۔ سوار حیرت میں غرق ہو گیا اور لاحول پڑھتا ہوا چل دیا۔

ایک نوکر کی ذہانت: ایک رئیس نے ایک نوکر سے یہ کام لیا تھا کہ جو ہماری زبان سے نکلے تم اس کی تصدیق کر کے توجیہ کر دیا کرو' چنانچہ ایک بار اس رئیس کے منہ سے نکلا کہ ہم شکار کو گئے۔ ایک ہرن پر گولی چلائی وہ اس کے سم کو توڑ کر ماتھے کو پھوڑ کر نکل گئی۔ سب اہل مجلس ہنسنے لگے کہ سم اور ماتھے کا کیا جوڑ' نوکر بولا سچ ہے حضور وہ اس وقت پیشانی کھجلا رہا تھا۔

مصیبت تو معصیت ہے: ایک بار کاندھلہ گیا نماز عشاء کے بعد سونے کے متعلق یہ تجویز ٹھہری کہ مسجد کی سمت شمال کی طرف ایک سہ دری تھی وہاں سوئیں گے۔ اتنے میں محلہ میں سے ایک رقاصہ کی آواز گانے کی آئی۔ میں نے کہا اب یہاں نہیں رہوں گا کسی مردانے مکان میں سونے کا انتظام کیا جاوے۔ میرے ساتھ ایک صوفی آزاد تھے وہ وہاں پر رہے اور صبح کو کہنے لگے کہ اس کی وجہ سے آج نماز میں خوب یکسوئی ہوئی خیالات بالکل نہیں آئے۔ میں نے کہا کہ خیال کا نہ آنا کافی نہیں بلکہ دوسری طرف کا خیال آنا چاہیے یعنی خدا کی طرف کا' سو اس کی آواز اس سے بھی مانع تھی۔ تو یہ مفسدہ اس منفعت سے بدرجہا زیادہ ہے۔

فائدہ: معصیت اگر ذریعہ بن جائے عبادت کا' تب بھی وہ معصیت ہی رہے گی۔

ایک سونے والے کا قصہ: بعض لوگوں کے نزدیک تو نیند سب سے زیادہ محبوب چیز ہے۔ ایک شخص تھے ان کو سونے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن مکان کے تہ خانہ میں جا کر سو رہے اور کسی کو خبر نہ کی۔ کھانے کے وقت ان کی تلاش پڑی تو کہیں پتہ نہ چلا' خیر معمولی تلاش کے بعد گھر والے خاموش ہو رہے کہ کہیں گئے ہوں گے' آ جائیں گے لیکن وہ نہیں آئے۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ شام کو کھانے کے وقت پھر تلاش ہوئی مگر پتہ نہیں چلا۔ اب تو گھر والوں کو فکر ہوئی اور جہاں جہاں

خیال ہوا تلاش کرایا مگر پتہ نہ چلا۔ اگلا دن ہوا تو اب ان کی تلاش بڑے اہتمام کے ساتھ شروع ہوئی اور پچاس پچاس کوس تک آدمی دوڑے اور جہاں جہاں خیال پہنچا سب ہی جگہ ڈھونڈھ لیا مگر وہ حضرت گھر سے باہر کہیں گئے ہوں تو ملیں۔ سب آدمی واپس آ گئے اور گھر میں رونا پیٹنا پڑ گیا۔ آخر مایوس ہو کر بیٹھ رہے کہ خدا جانے جنگل چلے گئے اور وہاں بھیڑیا کھا گیا یا کہیں پانی میں ڈوب گئے یا کیا ہوا' غرض ماتم کر کرا کر بیٹھ رہے۔ تین دن کے بعد ان حضرت کی آنکھ کھلی اور آپ تہ خانہ میں سے بخیریت نکل آئے۔ معلوم ہوا کہ یہاں سب روپیٹ بھی چکے ہیں تو آپ فرماتے ہیں کہ میں تو یہیں تہ خانہ میں سو رہا تھا کیوں اتنا پریشان ہوئے۔

علی ہذا اٹاوہ میں ایک رئیس تھے میرے ایک عزیز ان کے یہاں رہتے تھے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز وہ ایسے موقعہ پر سو گئے جہاں سایہ بھی تھا مگر پرنالہ بھی گرتا تھا اور اتفاق سے بارش ہوئی اور پرنالہ رات بھر ان کی چھاتی پر گرتا رہا مگر ان کو خبر نہیں ہوئی۔ صبح کو آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ رات بھر پرنالہ گرتا رہا اور بھیگے پڑے ہیں تب کپڑے اتارے۔

میرے زمانہ قیام دیوبند میں ایک طالب علم تھے فیض محمد نامی۔ ان کے باپ کسی ریاست میں نوکر تھے' ان کا بھی قصہ ایسا ہی ہے کہ وہ ایسی گہری نیند سوتے تھے کہ ہلاؤ جلاؤ غل مچاؤ کچھ کرو مگر ان کو کچھ خبر نہیں ہوتی تھی۔ جب تک ان کے کان کے پاس بندوق کا فائر نہ کیا جاتا ان کی آنکھ نہیں کھلتی تھی۔ ریاست میں ان کی قدر تھی اور ایک فائر روزانہ کی ان کے جگانے کے واسطے منظوری ہو گئی تھی۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ ایسے سونے والوں کے نزدیک نیند سے زیادہ کونسی نعمت ہو سکتی ہے تو کچھ عجب نہیں کہ یہ لوگ جنت میں بھی اس کی خواہش کریں اور ثابت ہے کہ جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو دل چاہے تو نیند بھی ملنی چاہیے۔ تو تعارض ہو گیا' ایک نص میں ہے وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ اور حدیث میں ہے کہ النوم اخ الموت جس کو میں نے ابھی بیان کیا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ وہاں نیند نہ ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو سب پر قدرت ہے۔ وہاں نیند کی خواہش نہ ہونے دیں گے اور راز اس کا یہ ہے کہ نیند فی نفسہٖ کوئی مرغوب چیز نہیں اور یہاں جو مرغوب ہے تو اس وجہ سے کہ یہاں جاگنے سے تکان ہو جاتی ہے اس واسطے ضرورت پڑتی ہے۔ سب کام چھوڑ کر تھوڑی دیر آرام کرنے کی یہی حقیقت ہے نیند کی اور جہاں

تکان نہ ہو وہاں اس کی کیا ضرورت ہے۔

صحبت کا اثر: ایک بزرگ کا لڑکا مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ یہ بزرگ ایک دفعہ اس کے پاس گئے وہ اس وقت حجرہ میں نہ تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ حجرہ میں ایک روٹی رکھی ہے اس کی ہیئت سے سمجھے کہ یہ روٹی بازار کی ہے۔ خیر بیٹھ گئے تھوڑی دیر کے بعد لڑکا آیا اور سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا اور کہا میں تجھ سے نہ بولوں گا تو روٹی بازار کی کھاتا ہے۔ اس نے کہا حضرت یہ روٹی میری نہیں ہے میرا ایک اور شریک ہے جو اسی حجرہ میں رہتا ہے اس کی ہے' کہا تو تو ایسے کی صحبت میں رہتا ہے جو روٹی بازار کی کھاتا ہے۔ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے تو اس قابل نہیں کہ تجھ سے کلام کیا جائے۔

فائدہ: یہ کوئی شرعی فتویٰ نہیں ہے کہ کوئی حکم لگا دے کہ بازار کی روٹی کھانا ناجائز ہے۔ ایک اہل دل کا حال ہے۔ اس میں انہوں نے ایک ایسی باریک بات فرمائی تھی جس تک ہم جیسوں کی نظر نہیں پہنچتی' وہ یہ کہ بازار میں جو روٹی بکتی ہے اس کے سامنے سے بہت سے لوگ گزرتے ہیں جو بھوکے ہوتے ہیں اور اس کو خرید نہیں سکتے۔ اس لیے حسرت سے اس پر نظر کرتے ہیں جس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے۔ تو جو چیز سبب بنے مساکین کی دل آزاری کا اس میں برکت نہیں رہتی اس وجہ سے اس کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ کس درجہ باریک بات ہے۔ واقعی یہ علوم بجز اہل اللہ کے کسی کو میسر نہیں ہوتے۔

حقیقت شناسی: ایک بزرگ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا مگر بات طے نہ ہوئی اور ان سے نکاح نہ ہوا بلکہ ایک اور جگہ اس عورت کا نکاح ہو گیا۔ تو ان بزرگ نے آ کر اس دوسرے شوہر کے آگے ہاتھ جوڑے کہ مجھ سے بڑا قصور ہوا' اس نے کہا خیر تو ہے کیا ہوا' کہا قصور یہ ہے کہ میں نے ایسی عورت کو پیغام دیا جو علم الٰہی میں آپ کے لیے مقدر تھی اس طرح سے وہ آپ کی بیوی تھی مجھ سے یہ گستاخی ہوئی کہ اس کا ارادہ کیا۔

فائدہ: یہ بات ظاہراً ایک بے عقلی سی معلوم ہوتی ہے۔ ایک عورت کو مختلف آدمی پیغام دیا ہی کرتے ہیں اور نہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ پیغام دینا برا تھا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس دوسرے شخص کو جس سے اس کا اب نکاح ہوا ہے اس عورت سے پیغام دینے میں تو کچھ برائی ہو بھی سکتی ہے کیونکہ پہلے والے کا حق ایک گونہ ثابت ہو چکا ہے لیکن یہ ظاہر بینوں کی بات ہے۔ ان بزرگ پر خوف خدا اور حقیقت شناسی غالب تھی انہوں نے امر مقدر کو ایسا ہی سمجھا جیسے امرِ محقق کو۔

تیز مزاج بیوی: لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے ان کی بیوی نہایت بری اور بدمزاج تھی۔ ایک دن انہوں نے جھلا کر کہا تو بڑی کم بخت ہے کہ باوجود ایسے سامان اصلاح کے تیری اصلاح نہ ہوئی۔ اس نے کہا کہ میاں کم بخت تم ہو گے کہ تم کو ایسی بی بی ملی، میں تو بڑی خوش نصیب ہوں کہ مجھے ایسا خاوند ملا۔

اسی طرح ایک ایسے ہی میاں بی بی تھے کہ میاں خوبصورت تھے اور بی بی بدصورت تھی، میاں ظریف بھی تھے۔ ایک دن بولے کہ ہم دونوں جنتی ہیں کیونکہ میں جب تمہیں دیکھتا ہوں صبر کرتا ہوں اور تم مجھے دیکھتی ہو تو شکر کرتی ہو اور صابر اور شاکر دونوں جنتی ہوتے ہیں۔

تو اصل حکایت یہ تھی کہ ان بزرگ کی بیوی بہت تیز مزاج تھیں، اکثر اوقات بے چارے تنگ ہوا کرتے، ایک دفعہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ کو بہت تکلیف ہوتی ہے اس کو طلاق دے دیجیے فرمایا، بھائی دل میں تو بہت دفعہ آیا لیکن یہ سوچا کہ میں نے اس کو طلاق دے دی تو شاید یہ کسی سے نکاح کرے وہ دوسرا اس بلا میں پھنسے گا۔ بجائے اس کے کہ دوسرے کو تکلیف ہو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں ہی اس تکلیف میں مبتلا رہوں اور دوسروں کے لیے سپر رہوں۔

فائدہ: یہ ہے باریک بینی اور یہ ہیں اخلاق، جن کو حقیقی اخلاق کہنا چاہیے۔ آج کل لوگ اخلاق اور تمدن اور تہذیب کے بڑے مدعی ہیں۔ غور کر لیجیے کہ یہ اخلاق ہیں یا آج کل کے اخلاق۔ آج کل کے اخلاق کہتے ہیں نرم بولنے کو اور بار بار جھکنے کو اور آداب اور سلام کو۔

اخلاق پر ایک قصہ یاد آیا۔ ایک گاڑی بان اپنی حکایت بیان کرتا تھا کہ ایک مولوی صاحب سے کریما پڑھا کرتا تھا۔ اس میں تواضع کا بیان آیا مولوی صاحب نے سبق پڑھا کر اگلے دن سنا اور پوچھا کہ بتلا تواضع کس کو کہتے ہیں۔ کہا جی کوئی آیا اسے حقہ دے دیا، پان کھلا دیا بٹھا لیا۔ انہوں نے خوب پیٹا۔ اس قصہ کو سن کر تو لوگ ہنستے ہیں کیونکہ ایک جاہل گنوار کا قصہ ہے لیکن آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں کے اخلاق اور تواضع دیکھیے تو ان کی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہیں جس کو اس گنوار نے تواضع کہا تھا جھکتے بہت ہیں اور نرمی سے بولتے ہیں لیکن دل میں تکبر بھرا ہوا ہے اور جس کے سامنے جھکتے ہیں اور نرم بولتے ہیں اس کو اپنے سامنے سمجھتے بھی کچھ نہیں بڑا اپنے آپ ہی کو سمجھتے ہیں حالانکہ تواضع کے معنی فروتنی اور انکساری کے ہیں یعنی اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا۔

مولانا یعقوب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک چور کا قصہ: مولانا محمد یعقوب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے' ان کا گھر مکہ معظمہ میں بہت گلیوں کے اندر ہے۔ ان کی عادت یہ تھی کہ جو کچھ روپیہ پیسہ ان کے پاس تھا وہ سب ایک تھیلی میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے اس میں روپے بھی ہوتے اور دونی اور چونی بھی۔ غرض جو کچھ نقد ان کے پاس تھا وہ سب اس تھیلی میں ہوتا تھا۔ جب بازار جاتے تب بھی وہ تھیلی ساتھ جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی کچھ محبت اہل اللہ کو نہیں ہوتی کوئی دنیا دار ہوتا تو مال کو چھپا کر رکھتا' زمین میں گاڑ دیتا یا صندوق میں تالا لگا کر رکھتا' مگر یہاں کچھ بھی نہیں' اس کی پرواہ ہی نہیں کہ کوئی دیکھ لے گا اور چھین لے گا یا چرا لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک دن بازار سے کچھ خریدا اور دام نکالنے کے لیے ساری تھیلی الٹ دی۔ دام کی قدر نکال کر باقی پھر اس میں بھر لیا۔ کسی بدو کی نظر اس پر پڑ گئی اور وہ ساتھ ہو لیا۔ جب وہ گلیوں میں پہنچے تو ایک دم اس تھیلی کو ان کے ہاتھ سے چھین بھاگا۔ ان حضرات نے اتنی بھی پروانہ کی کہ اس کا تعاقب کرتے یا غل مچا دیتے تو محلہ میں سے آدمی نکل آتے اور اس بدو سے تھیلی چھین لیتے۔ یہی دلیل ہے اس بات کی کہ ان کا تھیلی کو ہر وقت ساتھ رکھنا مال کی محبت کی وجہ سے نہ تھا کہ جیسا کہ بعض دنیا داروں کو دیکھا جاتا ہے کہ اشرفیاں بازو میں باندھے رہتے ہیں کیونکہ وہ ان کو نہایت محبوب ہوتی ہیں ذرا دیر کو بھی ان کا جدا کرنا گوارا نہیں کرتے۔ یہاں تو دنیا سے کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ تھیلی جاتی رہی یہ اپنے گھر میں آ گئے۔

قدرت خدا دیکھیے کہ دنیا دار کیا کچھ حفاظت کرتے ہیں' تالے صندوق پہرہ چوکی رکھتے ہیں اور یہاں کچھ بھی نہ تھا۔ مگر یہاں خدائی پہرہ تھا' بدو وہ تھیلی لے تو گیا مگر اب اس کو گلیوں میں راستہ نہیں ملتا۔ جدھر جاتا ہے ادھر گلی بند۔ ہمایوں کے مقبرہ کی بھول بھلیاں ہو گئی کہ اس میں چلے تو جاؤ مگر نکل نہیں سکتے۔ بے چارہ بہت حیران پھرتا رہا مگر راستہ نہیں ملا۔ اب تو ہوش درست ہو گئے اور سمجھا کہ یہ کوئی خدا کا بندہ ہے مصرع "جب کیا تنگ بتوں نے تو خدا یاد آیا"۔ آخر وہ بدو روپیہ کی تھیلی لیے ہوئے اس گھر گیا جس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گئے تھے اور پکارا اپنی تھیلی لے لو مگر خبرے نباشد۔ کئی بار پکارا جواب نہیں ملا۔ پکار کر کہا معاف ہی کر دو مگر خبر ندارد۔ اب یہ سمجھے کہ میں نے اتمام حجت کر دیا اب میرے اوپر کوئی الزام نہیں۔ اگر کسی کو لینا ہوتا تو لے لیتا۔ معلوم ہوتا ہے

کہ معاف کر دیا (یہ خبر نہیں کہ ان کا محافظ کوئی اور ہے اس کی معافی کی بھی ضرورت ہے' یہ معاف بھی کر دیں تو وہ معاف نہیں کرتا)۔

بعض جرائم کی مدعی سرکار ہوتی ہے ان میں صاحب حق کے معاف کرنے سے بھی مجرم بری نہیں ہوتا۔ خیر اس نے سمجھا کہ میں اپنا کام کر چکا اور تھیلی لے کر چلا لیکن راستہ پھر نہیں ملتا' اب بہت پریشان ہوا۔ ایک اور تدبیر نکالی کہ محلّہ میں کھڑے ہو کر شور مچایا کہ دوڑیو مجھے لوٹ لیا اور مجھ پر ظلم کیا۔

محلے والے نکل آئے کہ کیا بات ہے پوچھا کس نے ظلم کیا' کہا یہ شخص جو اس گھر میں رہتا ہے اس نے ظلم کیا ہے۔ اس کو بلاؤ' لوگوں نے باوجود اس کی تکذیب کے اتمام حجت کے لیے آواز دی' شاہ صاحب نکلے اس نے ہاتھ پکڑ لیا کہ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا' کہنے لگا میں ان کی تھیلی چھین کر بھاگا تھا تو مجھ کو راستہ نہیں ملتا' ان سے کہو اپنی تھیلی لے لیں اور وہ تھیلی سامنے رکھ دی کہ یہ لو' شاہ صاحب نے کہا کہ میری نہیں ہے میں کیسے لے لوں۔ اب لوگ حیران ہیں کہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اتنا روپیہ دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ تمہارا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ میرا نہیں یہ عجیب مقدمہ ہے' محلے والوں نے کبھی دیکھا تھا کہ یہ تھیلی شاہ صاحب کے ہاتھ میں رہا کرتی ہے۔ اس واسطے یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ ملک شاہ صاحب ہی کی ہے مگر وہ انکار کرتے ہیں۔ تو وہ حیران ہو گئے کہ یہ کیا بات ہے' کسی نے پوچھا کہ یہ تھیلی تو آپ ہی کی ہے کہا ہاں میری ہی تھی مگر اب نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ شخص میرے ہاتھ میں سے اس کو چھین کر بھاگا' مجھے خیال ہوا کہ یہ شخص گناہ گار ہوا اور اس کے بدلے دوزخ میں جائے گا اس سے مجھے نہایت قلق ہوا کہ ایک مسلمان میرے سبب دوزخ میں جائے لہٰذا میں نے اسی وقت معاف کر دیا تھا کہ اللہ یہ مال میں اس کو ہبہ کرتا ہوں اور بعد ہبہ کے قبضہ بھی ہو گیا۔ اس لیے اب یہ مال اس کی ملکیت ہو گیا اور ہبہ میں رجوع جائز نہیں تو اب میں اس مال کو کیسے واپس لوں۔

آپ ہی کی جوتیوں کا طفیل ہے: کسی شخص کو اس کے دوستوں نے تنگ کیا کہ ہماری دعوت کر۔ جب اس کا کوئی عذر نہ سنا گیا اس نے منظور کیا مگر یہ کہا کہ دعوت میں عمدہ پوشاک اور عمدہ جوتے پہن کر آنا۔ جب سب جمع ہو گئے تو اس نے یہ کیا کہ ان کی جوتیاں اڑا کر حلوائی کے یہاں گروی رکھ دیں اور عمدہ عمدہ مٹھائیاں لا کر سامنے رکھ دیں۔ سب نے مل کر مفت کا مال سمجھ کر خوب

مزے سے کھائیں اور تعریف کرتے جاتے تھے کہ بڑی نفیس مٹھائی کھلائی۔ وہ جواب میں کہتا حضرت آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے' مہمان سمجھے کہ یہ تواضعاً کہہ رہا ہے جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ سب آپ ہی کا ہے کہ اس۔ کے معنی حقیقی مراد نہیں ہوا کرتے بلکہ اپنے مال کو مخاطب کی طرف تواضعاً منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ جب مہمان وہاں سے اٹھے تو دیکھا جوتیاں ندارد۔ کہنے لگے خدا جانے جوتیاں کیا ہوئیں۔ کہا حضرت میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ حضور ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ اب وہ سمجھے کہ یہ لفظ تواضعاً نہ تھا بلکہ معنی حقیقی پر محمول تھا اب مزہ معلوم ہوا اچھے اچھے کھانوں کا۔

فائدہ: دنیا میں جب ادنیٰ ثمرہ پر اکتفاء نہیں کرتے تو وہاں کے ثمرات کے درجہ کامل کو کیوں نہیں طلب کرتے اور یہاں تو معطی کا کرم محدود ہوتا ہے۔ اس لیے بعض اوقات زیادہ طلبی ناگوار ہونے لگتی ہے اور وہاں تو معطی وہ ذات ہے جس کا کرم غیر محدود ہے۔ کماً بھی اور کیفاً بھی۔

ایک طالب علم اور شہزادی کے نکاح کا قصہ: ایک طالب علم تھے دل لگی باز' ان سے ان کے ایک دوست نے پوچھا آج کل کس شغل میں ہو' کہا شہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں' کہا مبارک ہو بڑا کام مارا' کیا اس کی کوئی صورت ہوگئی ہے؟ کہا جی ہاں! آدھا کام تو ہوگیا' آدھا باقی ہے' پوچھا کیوں کر؟ کہا ہم تو راضی ہیں مگر وہ راضی نہیں تو آدھا کام ہوگیا اور آدھا باقی ہے۔

فائدہ: تو بھلا اس سے کیا کام چلا کہ ہم راضی ہیں مگر وہ راضی نہیں' کیا اس نیم رضا سے شہزادی مل گئی۔ اسی طرح بعض لوگ عاشق ہونے کے مدعی ہیں کہ وہ تو اللہ سے راضی ہیں مگر اللہ ان سے راضی نہیں۔ بہت سے پڑھے لکھے بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ یہ لوگ نسبت باطنی کے معنی یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ حق تعالیٰ سے لگاؤ پیدا کر لو اور لگاؤ کے معنی یہ لیے ہوئے ہیں کہ ہر وقت یاد رکھو زبان سے یا خیال سے بس یہی کافی ہے اور اعمال کو مقصود نہیں سمجھتے۔

مجنوں کا لڑھک کر چلنا: مجنوں ایک دفعہ لیلیٰ کے گھر کی طرف چلے' اونٹنی پر سوار ہوئے اونٹنی کے بچہ بھی تھا' وہ اونٹنی چلتی اور بار بار پیچھے کو دیکھتی اور ذرا باگ سست دیکھتی تو پیچھے کو لوٹ پڑتی۔ جب مجنوں کو کچھ افاقہ ہوتا تو پھر آگے چلاتا مگر اس طرح چلنے سے راستہ کچھ بھی قطع نہ ہوا آخر سمجھا کہ بچہ کی محبت اس کو روک رہی ہے تو کہتا ہے:

هوىٰ ناقتي خلفي وقدامي الهوىٰ　　　فاني واياها لمختلفان

یعنی میری اونٹنی کا محبوب پیچھے ہے اور میرا محبوب آگے ہے۔ میں آگے جانا چاہتا ہوں اور وہ پیچھے جانا چاہتی ہے۔ میرے اور اس کے ارادہ میں ضدین کا تقابل ہے' یہ ساتھ نبھ نہیں سکتا لہٰذا چھوڑ واسے۔ اب چھوڑنے کی ترکیب یہ بھی تھی کہ اونٹنی کو بٹھا کر اتر کر اس کو چھوڑ کر پیادہ چل دیتا' مگر عشق میں اتنا صبر کہاں۔ بس فوراً دھڑام سے اوپر سے گر پڑا (عاشق کو فرصت مصالح کے سوچنے کی کہاں ہوتی ہے) تمام بدن زخمی ہو گیا' اور خونا خون ہو گیا' ہاتھ پیر زخمی ہو گئے۔ اب اٹھ نہیں سکتا۔ جس غرض کے لیے کودا تھا کہ لیلیٰ کی طرف جلدی سے چل دے وہ بھی حاصل نہ ہوئی' تو پڑے پڑے کہتا ہے کہ پیروں سے نہیں چل سکتا تو لڑھک کر تو چل سکتا ہوں' بس لڑھک کر چلنا شروع کر دیا۔

فائدہ: اس کو مولانا روم فرماتے ہیں ۔

عشق مولےٰ از کم لیلےٰ بود گوئے گشتن بہر اولےٰ بود

"اللہ تعالیٰ کا عشق لیلےٰ کے عشق سے کب کم ہوتا ہے اور اس کے لیے گیند بن جانا بہتر ہے۔"

یہ مشقتیں اور محنتیں اٹھائی ہیں عشاق نے۔ جب یہاں کا ایک معشوق بلا محنت نہیں ملتا تو اللہ کیسے مل جائے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی عمل نہ کر و محض یہ خیال دل میں جما کر بیٹھ رہو کہ ہم کو اللہ سے محبت ہے۔ بس کمال بھی ہو گیا اور وصال بھی ہو گیا اور سبھی کچھ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کے لیے سختی برداشت کرنا: ایک مقام پر جامع مسجد میں ایک تاجر عطر آیا۔ جماعت کے بعد لوگ حسب معمول سنتیں پڑھنے لگے۔ اتفاق سے نمازیوں میں کوئی بڑے عہدہ دار بھی تھے۔ جب سلام پھیرا تو اس تاجر نے جو ایک غریب آدمی تھا سامنے آ کر سلام کیا' اور عرض کیا کہ حضور آپ کی نماز ٹھیک نہیں ہوئی۔ اسے دوبارہ پڑھ لیجیے کیونکہ مجھے آپ کے وقت کا بڑا قلق ہے کہ یوں یہ رائیگاں جا رہا ہے۔ اس نماز سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بس اتنا سننا تھا کہ مارے غصہ کے آگ بن گئے' کہ نالائق بیہودہ تیری یہ جرات' ارے تجھے کیا۔ چپ رہ خبردار جو پھر ایسی گستاخی کی۔ اس نے کہا صاحب یہ گستاخی نہیں خیر خواہی ہے کہ پھر نماز پڑھ لیجیے۔ بلکہ میں آپ کو مسجد سے نکلنے نہ دوں گا جب تک آپ نماز نہ دہرائیں گے۔ جب شور و غل زیادہ ہوا تو چاروں طرف سے لوگ جمع ہو گئے اور عہدہ دار صاحب سے کہا کہ اس میں اس قدر برا ماننے کی کیا بات

ہے سچ تو کہتا ہے کیوں نہیں پھر پڑھ لیتے۔ غرض اس نے انہیں نماز پڑھوائی۔ پھر تو ایسی تعدیل سے پڑھی کہ شاید عمر بھر میں یہ اول نماز ہوگی۔ کیونکہ اگر یہ بھی ویسی ہی پڑھتے تو پھر جھگڑا ہوتا جب وہ عہدہ دار نماز پڑھ کر چلے گئے تو اس تاجر کی بستی میں خوب شہرت ہوئی لوگ اسے بزرگ سمجھنے لگے اور جدھر جاتا ہے لوگ کہتے ہیں حضرت ذرا یہاں بیٹھ جایئے' اور ذرا ہمارے گھر تشریف لے چلیے۔ اب لوگ ضرورت سے نہیں بلکہ تبرکاً عطر خریدتے ہیں' داموں میں بھی کچھ تکرار نہیں کرتے کہ اگر زیادہ بھی چلے جائیں گے تو برکت ہی ہوگی۔

غرض اس کا سب عطر بھی بکا اور دین کی ایک بات سے دنیا کا بھی فائدہ ہوگیا۔

فائدہ: غرض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے لیے سختیاں برداشت کرتے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ نہی عن المنکر اس لیے نہیں کرتے کہ آپس میں ویسا انبساط نہیں رہے گا' وہ شگفتگی باقی نہیں رہے گی۔ اذیت کا اندیشہ تو کیا ہوتا محض انشراح کی کمی بھی نہیں چاہتے۔

یہ ہے شطرنج: ضلع سہارنپور کے ایک شاطر کی حکایت ہے کہ اس کا لڑکا سخت بیمار تھا وہ نزع میں مبتلا ہوا' یہ شطرنج میں مبتلا تھا گھر میں سے ماما آئی کہ لڑکے کی بہت بری حالت ہے چلیے گھر میں بلایا ہے' کہا چلو آتے ہیں۔ پھر آئی پھر آئی ان کا وہ ایک ہی جواب۔ حتیٰ کہ اس کا انتقال بھی ہوگیا تب بھی وہی سبق کہ چلو ابھی آتے ہیں۔ اب اسے غسل دیا جا رہا ہے' اچھا چلو آتے ہیں' کفن دیا جا رہا ہے' اچھا چلو آتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دفن کر دیا گیا۔

ایک شاعر کی حکایت: ایک شاعر تھے ٹھوس تخلص تھا' تخلص ہی سے سمجھ لیجیے کہ وہ کیسے شاعر ہوں گے' عموماً ان کے اشعار میں یہ ہوتا تھا کہ ایک مصرع چھوٹا ایک بڑا ہوا کرتا تھا۔ کرتے یہ تھے کہ ایک مصرع' کیف اتفق پہلے کاغذ پر لکھ لیا اور اسے سینک سے ناپ لیا۔ دوسرا مصرع اس سینک کے برابر لکھ لیا۔ اگر عبارت زائد ہوئی باریک قلم سے اتنی جگہ میں لکھ لی کسی نے اعتراض کیا کہ تمہارے اشعار میں ایک مصرع چھوٹا ایک بڑا ہوتا ہے۔ کہنے لگے مولانا جامی کو تو مانتے ہو کہ وہ کیسے اساتذہ میں سے ہیں انہوں نے بھی ایک مصرع چھوٹا اور ایک بڑا کہا ہے۔ چنانچہ دیکھو۔

''عمر الٰہی غنچہ امید بکشا'' اس مصرع کو تو خوب ٹھہر ٹھہر کے اور ترتیل کے ساتھ پڑھا۔ اگلے مصرعہ ''از روضہ جاوید بنما''۔ کو خوب جلدی سے پڑھ دیا۔ بس ایک چھوٹا ایک بڑا ہوگیا' تو انہوں کو چھوٹا بڑا بنا کر مصرعوں کو اس کے تابع بنالیا۔ ورنہ واقع میں تو دونوں مصرع برابر ہیں۔

فائدہ: ترنم اور لہجہ حقائق کے تابع ہے حقائق لہجہ کے تابع نہیں ہیں جہاں ایسا ہوگا وہاں لہجہ کو غلط کہا جائے گا حقائق کو نہ بدلا جاوے گا۔

ایک بدوی کا تحفہ خلیفہ بغداد کو: ایک مرتبہ عرب میں قحط پڑا اور پانی تک بالکل خشک ہو گیا' ایک بدوی تھا اول تو وہ یوں بھی معاش نہ رکھتا تھا پھر اس قحط کی وجہ سے اور بھی تنگی میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی بیوی نے کہا آخر گھر میں کب تک بیٹھو گے' کہیں نکلو کچھ کماؤ۔ اس نے کہا جب مجھ کو کوئی ہنر نہیں آتا تو کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ بیوی نے کہا خلیفہ بغداد کے پاس جاؤ اور حاجت پیش کرو' غرض حاجت کے لیے کسی ہنر کی ضرورت نہیں۔ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے مگر خود خلیفہ کے پاس جانے کے لیے کچھ تحفہ چاہیے سو تحفہ کیا لے جاؤں' کہنے لگی یہ گاؤں میں جو تالاب خشک ہو گیا ہے اور ایک گڑھے میں کچھ پانی رہ گیا ہے بس اسی کا پانی نہ رہا ہوگا۔ سچ کہا۔ واقعی خلیفہ کو ایسا سڑا ہوا پانی کیوں ملنے لگا۔ غرض وہ پانی اس نے ایک گھڑے میں بھرا' یہ سر پر رکھ کر سیدھا بغداد کے خلیفہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو خلیفہ تک پہنچایا گیا۔ سر پر سڑے ہوئے پانی کا گھڑا جسے بیوی نے خوب اچھی طرح بند بھی کر دیا تھا رکھا ہوا خلیفہ کے سامنے پہنچا اور جاتے ہی گھڑا تخت پر خلیفہ کے سامنے رکھ دیا۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کیا کہنے لگا هٰذَا مَاءَ الْجَنَّة یہ جنت کا پانی ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ کھولو۔ کھولا گیا تو سارا دربار سڑ گیا مگر خلیفہ ایسا کریم النفس تھا کہ ناک بھوں بھی نہیں چڑھائی۔ خلیفہ کی تہذیب کے اثر سے سارا دربار خاموش رہا۔ خلیفہ نے خدمت گار کو حکم دیا کہ لے جاؤ اسے ہمارے خزانہ میں رکھو اور ان کا گھڑا خالی کر کے اشرفیوں سے بھر دو اور ان کی خوب خاطر مدارات کرو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جب رخصت کا وقت آیا حکم ہوا کہ واپسی میں انہیں دجلہ کے راستے سے ان کے گھر روانہ کرو۔ اشرفیوں سے گھڑا بھرا جانا۔ اُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنَات کا تو مصداق تھا مگر اس نے جو دجلہ دیکھا اور اس کے پانی کی لہریں اور ٹھنڈی ہواؤں کا لطف نظر آیا' پھر تو اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا کہ جس کے قبضہ میں اتنا دریا ہے' اس کے دربار میں میں نے یہ ہدیہ پیش کیا۔

فائدہ: پس اسی طرح ہماری اور آپ کی عبادت ہے۔ آپ جس وقت آخرت میں خزائن اعمال انبیاء کے دیکھیں گے تو آپ کو اپنے اعمال پر نظر کر کے شرم آئے گی' تو ان اعمال پر ناز کا ہے کا' بلکہ وہاں تو اعمال کاملہ فاضلہ کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ ان اللہ لغنی عنکم خدا کو تمہاری

کچھ حاجت نہیں یہ تو ان کی عنایت ہے کہ ان اعمال کی توفیق دے دی تو ہمیں چاہیے کہ ان کی نعمت توفیق پر نظر کریں نہ کہ اپنے عمل اور خدمت پر:

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتند

تم یہ احسان مت رکھو کہ بادشاہ کی خدمت کر رہے ہو' بلکہ بادشاہ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں اپنی خدمت کے لیے قبول کر لیا ہے۔

ہمت کی برکت: ایک بزرگ تھے کہ لمبے سفر میں تو نماز و جماعت کے خیال سے ایک دو آدمی کو ہمراہ رکھتے تھے اور چھوٹے سفر میں ایسے انداز سے سفر کرتے تھے کہ نماز کے وقت منزل پر پہنچ جاویں۔

اتفاق سے ایک چھوٹے سفر میں راستہ میں کچھ حرج ہو گیا اور ظہر کا وقت آ گیا۔ گاڑی بان ہندو تھا' انہوں نے وضو کیا سنتیں پڑھیں کوئی اور نمازی نہ دکھائی دیا' انہوں نے دعا مانگی کہ اے اللہ میں ہمیشہ جماعت سے نماز پڑھتا ہوں اور اس وقت میں مجبور ہوں' اگر آپ چاہیں تو اس وقت بھی جماعت سے مشرف کر سکتے ہیں۔

مصلٰی بچھا کر یہ دعا کر ہی رہے تھے کہ گاڑی بان سامنے آیا کہ میاں مجھے تم مسلمان کر لو۔ بڑی مسرت ہوئی سمجھ گئے کہ دعاء قبول ہو گئی (کیا پوچھنا ہے اس مسرت کا وجد ہو رہا ہو گا) اسی وقت مسلمان کیا اور وضو کرا کر کہا کہ جس طرح میں کروں اسی طرح تو بھی کر اور سب ارکان میں سبحان اللہ سبحان اللہ کہتا رہ۔

فائدہ: دیکھیے یہ برکت تھی ہمت کی اور اس طرح محض سبحان اللہ سبحان اللہ سے ہماری نماز تو نہیں ہو گی مگر نو مسلم کی ہو جائے گی جب تک اسے سورتیں اور دعائیں یاد نہ ہوں جتنی جتنی یاد ہوتی جائیں اتنی اتنی اسے بھی پڑھنا واجب ہو گا۔

ایک شخص نے کسی واعظ سے سن لیا کہ سب کو خدا دیتا ہے خدا ہی پر توکل اور بھروسہ رکھنا چاہیے۔ بس یہ سن کر جنگل میں جا بیٹھے کہ اب ہم بھی توکل کریں گے۔ کیا خوب سمجھے توکل کو' ایک وقت گزرا دوسرا وقت گزرا' کہیں کھانے کا پتہ نہیں۔ وہاں ایک کنواں بھی تھا۔ اتفاقاً ایک مسافر آیا' کنویں پر بیٹھا اور سڑک کی طرف منہ کر کے بیٹھا اور ان کی طرف منہ بھی نہیں کیا اور کھایا پیا چلتا ہوا' دوسرا آیا وہ بھی کھا پی کر یہ جا وہ جا۔ اب جب کئی وقت گزر گئے اور انہیں بھوک کی تاب نہ رہی

تو سوچا کیا کروں ......؟ آخر ایک اور مسافر آ کے بیٹھا اور وہ بھی جب کھا پی کر چلنے کو ہوا تو ان متوکل نے کھنکھارا' اس نے منہ پھیر کر دیکھا تو بے حد پریشان صورت' اس کو ترس آیا اور روٹیاں حوالہ کیں۔ اب کھا کے مولوی صاحب کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ نے وعظ میں توکل کے متعلق جو کچھ بیان کیا وہ بہت ٹھیک ہے مگر اس میں ایک بات چھوڑ دی وہ یہ کہ کھنکھارنا بھی پڑتا ہے۔ تو یہ کیسا وعظ ہے کہ ایک بات کہی اور ایک بات چھوڑ دی جس سے عمل کرنے والے کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس میں اختلاف ہے: ایک طالب علم تھا کتابیں پڑھ کر اپنے گھر چلا تو استاد سے پوچھا کہ حضرت یہ تو آپ جانتے ہیں کہ مجھے آتا جاتا خاک بھی نہیں مگر وہاں لوگ عالم سمجھ کے مسائل پوچھیں گے تو کیا کروں گا۔ استاد تھے بڑے ذہین انہوں نے کہا کہ ہر سوال کے جواب میں یہ کہہ دیا کرنا کہ اس میں اختلاف ہے۔ اور واقعی کوئی مسئلہ مشکل سے ہی ایسا ہوگا جس میں اختلاف نہ ہو سوائے عقائد توحید و رسالت وغیرہ کے۔ تو ہر بات کا یہی ایک جواب دے دیتا کہ اس میں اختلاف ہے۔ انہوں نے ہر سوال کے جواب کے لیے یہ یاد کرلیا کہ اس میں اختلاف ہے۔

تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں میں ان کی ہیبت بیٹھ گئی کہ بڑا عالم متبحر ہے' بڑا وسیع النظر ہے مگر فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِيْم۔ کوئی صاحب پرکھ گئے کہ اس نے سب کو بنا رکھا ہے' آ کر کہا مولانا مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے' انہوں نے کہا فرمایئے کہ لا الہ الا اللّٰہُ مُحَمَّد رسول اللہ اس میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ کہنے لگے اس میں اختلاف ہے' بس آپ کی قلعی کھل گئی۔

اسی طرح تھیٹر میں ایک شخص نے اشتہار دیا تھا کہ آج ایک نیا تماشا ہوگا کہ حاضرین کسی علم اور کسی فن کا ہر سوال کریں ہم اس کا جواب دیں گے۔ بس جناب لوگ بڑے بڑے مشکل سوال چھانٹ کے تھیٹر پہنچے' کوئی انگریزی میں کوئی عربی میں کوئی اردو فارسی میں' غرض ہر زبان میں ہر فن کے سوالات ذہن میں لے کر پہنچے وہ حضرت پلیٹ فارم پر تشریف لائے اور سب کے سوالات باری باری سننا شروع کیے ساری رات ان سوالات میں ہی ختم ہوگئی۔

ٹال دینے کی ترکیب: کسی نے ایک معقولی طالب علم سے مسئلہ پوچھا کہ گلہری کنوئیں میں گر پڑی ہے پاک کرنے کے لیے کتنے ڈول نکالے جاویں۔ یہ بیچارے نری معقولی جانتے تھے فقہ کی

خبر نہ تھی۔ اب آپ نے اپنا جہل چھپانے کے لیے اس سے پوچھا کہ گلہری جو گری ہے دو حال سے خالی نہیں یا خود گری ہے یا کسی نے گرادی۔ پھر اگر خود گری ہے دو حال سے خالی نہیں دوڑ کر گری یا آہستہ گری اور کسی نے گرائی ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا آدمی نے گرائی یا جانور نے اور ہر ایک کا جدا حکم ہے تو اب بتلاؤ کیا صورت ہوئی۔ سائل نے پریشان ہو کر کہا کہ صاحب اس کی تو خبر نہیں کہنے لگے پھر کیا جواب دیں وہ بے چارہ گھبرا کے چلا آیا کہ ان کی منطق کا کیا جواب دے۔

یہ محض ترکیبیں ہیں اور یہ بھی بعضوں کو تو آتی ہیں اور بعضوں کو نہیں آتیں۔ جسے نہیں آتیں وہ کیا کرے گا کہ غلط مسئلہ بتا دے گا۔ یہ خرابی ہوگی جاہل کے داعی عامہ یعنی واعظ بننے میں۔ اسی لیے فرمایا کہ ولتکن منکم الایہ کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے؟

کام کر دیا کرنے دو: کسی میدان میں بہت سے مقتول پڑے تھے ان میں ایک زخمی تھا' رات آتی ہوئی دیکھ کر اکیلے مردوں میں پڑے پڑے اس کا جی گھبرایا کہ اندھیری رات' مردوں کا ڈھیر نہ کسی بات کے نہ چیت کے' ادھر سے جو آدمی نکلتا ہے یہ اس کو بلاتا ہے مگر کوئی نہیں آتا اور واقعی اس بھیانک منظر میں کون ٹھہرے۔ اتفاق سے ایک بنیا آتا ہوا معلوم ہوا' اس نے دور سے پکارا لالہ جی اے لالہ جی! آواز سن کر لگا بھاگنے سمجھا کوئی بھوت ہے مگر کئی بار پکارنے میں دور ہی سے بولا کیا ہوا۔ اس نے کہا میاں ڈرو مت ادھر آؤ۔ ادھر آؤ میری کمر میں ایک ہمیانی روپوں کی بندھی ہے اسے کھول کر تم لے جاؤ نہیں تو مر جاؤں گا اور معلوم نہیں کس کے ہاتھ آوے گی۔ یہ لوگ ہوتے ہیں لالچی ٹھہر گیا اور ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا۔ جب نزدیک پہنچا تو کمر سے تلوار نکال کر پیروں پر اس زور سے ایک ہاتھ دیا کہ ٹانگیں کٹ گئیں مگر لالچ میں پھر بھی ہمیانی ٹٹولی وہاں کچھ بھی نہیں کہنے لگا ارے یہ کیا کیا۔ اس نے کہا کہ جی' گھبراتا تھا جس کو بلاتے تھے کوئی ٹھہرتا نہ تھا اس ترکیب سے تم کو اپنے پاس رات کو رکھا ہے اب ہم تم مل کے باتیں کریں گے تو لالہ جی کیا کہتے ہیں واہ بے اوت کے اوت مک نہ مکا آپ چلے نہ اور کو چلنے دے؟

فائدہ: یہی حالت ہماری ہے کہ نہ آپ کام کریں اور نہ کسی کام کرنے والے کو کرنے دیں عیب نکالتے ہیں کہ یہ تو بدمذہب ہے بدعقیدہ ہے۔ اگر اس نے کسی کو مسلمان بنا لیا تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسا یہ' پھر ایسا مسلمان بنانے سے کیا فائدہ۔ ارے بھائی مسلمان تو بنا لینے دو پھر تم جا کر اپنے

عقائد سکھا دینا۔

نظر اللہ پر رہے: امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں سرداری سے معزول کیا ہے جب کہ وہ کفار کے مقابلہ میں ملک شام میں دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں جس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی بعض سخاوتوں کو وہ بے موقع سمجھتے تھے۔ دوسرے یہ فرماتے تھے کہ لوگوں کی حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر زیادہ نظر ہوگئی ہے جبکہ خدا پر نظر کم ہوگئی۔ یہ ٹھیک نہیں۔ غرض شام میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پروانہ بھیجا کہ میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کیا اور خالد رضی اللہ عنہ کی جگہ تم کو مقرر کیا۔ یہ نرے عابد وزاہد بزرگ تھے نہ آداب جنگ کا خالد رضی اللہ عنہ کے برابر تجربہ رکھتے تھے اور نہ ان کے برابر قواعد جنگ سے واقف تھے' اور خالد رضی اللہ عنہ سیف اللہ بڑے مشہور شجاع اور ماہر جنگ تھے۔ لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا بھی کہ حضرت یہ کیا کیا آپ رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا کہ لوگوں کی نظر خالد رضی اللہ عنہ پر پڑنے لگی تھی۔ اللہ کی طرف متوجہ نہ تھے۔ مجھے ڈر ہوا کہ خالد رضی اللہ عنہ پر نظر کرنے سے کہیں نصرت الٰہی میں کمی نہ ہو جائے۔

فائدہ: یہ تھا ہمارے اکابر کا مذاق! اب تو اس قدر دہریت بڑھی جاتی ہے کہ خدا پر نظر ہی نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ تدبیر نہ اختیار کرو' البتہ تدبیر کو قبلہ وکعبہ نہ بناؤ' تدبیر میں اعتدال ہو' افراط نہ ہو۔

رحمت حق کو بہانہ چاہیے: سیبویہ ایک نحوی ہے جو عقیدے کے لحاظ سے معتزلی ہے اور عقائد فاسدہ پر سخت عذاب نار کا استحقاق ہوتا ہے مگر مرنے کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ کہا مجھے بخش دیا' پوچھا کس بات پر بخش دیا' کہا ایک نحو کے مسئلہ پر میری نجات ہوگئی وہ مسئلہ یہ ہے کہ معرفہ کی بحث میں نحاۃ نے اختلاف کیا ہے کہ اعرف المعارف کون ہے' کسی نے ضمیر متکلم کو اعرف المعارف کہا' کسی نے ضمیر مخاطب کو میں نے یہ کہا کہ لفظ اللہ اعرف المعارف ہے' اس سے بڑھ کر کوئی معرفہ متعین نہیں کیونکہ لفظ اللہ میں بجز ذات حق کے کسی کا احتمال ہی نہیں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے نام کی بہت تعظیم کی جاؤ تم کو بخشا گیا۔

فائدہ: دیکھیے اس نحوی کی مغفرت ایسے عمل مستحب پر کی گئی جو اس نے بہ نیت ثواب بھی نہ کیا تھا بلکہ مسئلہ نحو کے طور پر ایک بات کہی تھی۔ مگر اس پر فضل ہوگیا اور باوجود فساد عقیدہ اور استحقاق نار کے بخش دیا گیا۔

خدمت خلق: اسی طرح ایک بزرگ جاڑے کی رات میں چلے جارہے تھے' راستے میں ایک بلی کا بچہ دیکھا جو سردی میں ٹھٹھر رہا تھا' ان کو رحم آیا اور گود میں اٹھا کر گھر لائے اور لحاف میں چھپالیا۔ جب انتقال ہوگیا تو پوچھا گیا بتلاؤ ہمارے واسطے کیالائے۔ انہوں نے بہت سوچ ساچ کر خیال کیا کہ اعمال تو میرے اس قابل ہیں نہیں ان کو تو کیا پیش کروں' لیکن الحمد للہ مجھے ایمان حاصل ہے اس میں ریاوغیرہ بھی کچھ نہیں ہوسکتا بس ایمان کو پیش کرنا چاہیے' اس لیے عرض کیا کہ میں توحید لایا ہوں وہاں سے اعتراض ہوا: (تذکر لیلة اللبن) یعنی وہ دودھ والی رات بھی یاد ہے۔ اس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک رات ان بزرگ نے دودھ پیا تھا' اس کے بعد پیٹ میں درد ہوگیا صبح کو ان کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ رات دودھ پیا تھا اس سے پیٹ میں درد ہوگیا۔ حق تعالیٰ نے اس بات کو یاد دلا کر توحید کی گرفت فرمائی کہ یہی توحید کا دعویٰ ہے کہ ہم کو چھوڑ کر تم نے دودھ کو مؤثر کہا اور درد کے فعل کو اس کی طرف منسوب کیا۔ اب تو یہ بے چارے تھرا اٹھے' پھر ارشاد ہوا تم نے اپنے دعوے کی حقیقت دیکھ لی لو اب ہم تم کو ایک ایسے عمل پر بخشتے ہیں جس کی بابت تم کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ یہ موجب نجات ہوجائے گا۔

تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے کو جو سردی میں مر رہا تھا اپنے لحاف میں سلایا تھا اس نے تمہارے حق میں دعا کی تھی جو ہم نے قبول کرلی' جاؤ آج اس بلی کے بچے کی دعا پر تم کو بخشتے ہیں تم نے ہماری ایک مخلوق پر رحم کیا تھا تو ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم پر رحم کریں۔

اسی طرح ایک فاحشہ عورت کا قصہ حدیث میں آتا ہے کہ اس نے گرمی کی دوپہر میں ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کے مارے زمین کی ترمٹی چاٹ رہا تھا' اس کو رحم آیا اور پاس ہی ایک کنواں تھا اس سے پانی نکال کر کتے کو پلانا چاہا مگر دیکھا تو کنویں پر ڈول ہے نہ رسی' اب وہ سوچنے لگی پانی کیوں کر نکالوں۔

مثل مشہور ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ آخر اس نے ایک ترکیب نکالی وہ یہ کہ اپنی اوڑھنی کو تو رسی بنایا اور پیر میں چمڑے کا موزہ (خفین) تھا اسے ڈول بنایا۔ اس طرح پانی نکال کر کتے کو پلایا پھر کچھ دنوں کے بعد اس کا انتقال ہوگیا اور فاحشہ عورت کی مغفرت اس عمل پر ہوگئی۔

فائدہ: مستحبات میں یہ عنایت و برکات ہوتی ہیں۔ احادیث میں ایسے بہت سے واقعات آئے ہیں کہ بعض لوگوں کی ایک ادنیٰ فعل مستحب پر مغفرت ہوگئی۔

جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے: حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں تشریف فرما تھے کسی نہ کوئی عجیب شعر پڑھا اس پر ایک صوفی کو سخت وجد ہوا کہ قریب بہ ہلاک ہو گیا اور سارے مجمع پر ایک کیفیت طاری ہو گئی مگر حضرت جنید رضی اللہ عنہ ویسے ہی وقار سے بیٹھے رہے جیسے تھے ان کو ذرا تغیر نہ ہوا تو کسی نے سوال کیا کہ اے جنید رضی اللہ عنہ کیا تم اس کو اس شعر سے لطف نہیں آیا جو ذرا بھی وجد نہ ہوا تو آپ نے جواب دیا: وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ یعنی پہاڑوں کو تم (قیامت میں) ایک جگہ پر ٹھہرا ہوا دیکھو گے حالانکہ وہ ایسے تیز چلتے ہوں گے جیسے بادل چلا کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ہلکے ظرف کے تھے ان کی حرکت سب کو نظر آ گئی اور کامل پہاڑ کی طرح ہے کہ اس کی حرکت نظر نہیں آتی۔ ظاہر میں وہ ساکن معلوم ہوتا ہے اور در حقیقت وہ بہت تیز چل رہا ہوتا ہے اور ذرا سی دیر میں وہ کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے۔

فائدہ: اور یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ صاحب کمال اور انوار باطنیہ سے مالا مال کون ہوا ہو گا مگر بجز ایک آدھ قصے کے مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر بے ہوش ہو گئے تھے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے عموماً یہ بات ثابت نہیں ہے کہ کسی نے جوش ولولہ میں کپڑے پھاڑے ہوں یا بیہوش ہو گئے یا ناچنے لگے ہوں۔ اور ایک آدھ سے کبھی اتفاقیہ بے ہوش ہو جانا ثابت بھی ہے۔

استحسان کفر‘ کفر ہے: حضرت مولانا فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ دبان (تاجر روغن) جو مکہ کے ایک بڑے عالم تھے فرمایا کہ مکہ میں ایک عالم کا انتقال ہوا اور ان کو دفن کر دیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد کسی دوسرے شخص کا انتقال ہوا تو اس کے وارثوں نے ان عالم صاحب کی قبر میں دفن کرنا چاہا۔ مکہ میں یہ دستور ہے کہ ایک قبر میں کئی کئی مردوں کو دفن کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ان عالم صاحب کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ ان کی لاش کے بجائے ایک نہایت حسین لڑکی کی لاش رکھی ہوئی ہے اور صورت دیکھنے سے وہ لڑکی یورپین معلوم ہوتی تھی۔ سب کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے‘ اتفاق سے اس مجمع میں یورپ سے آنے والا ایک شخص بھی موجود تھا‘ اس نے جو لڑکی کی صورت دیکھی تو کہا میں اس کو پہچانتا ہوں‘ یہ لڑکی فرانس کی رہنے والی ہے اور ایک عیسائی کی بیٹی ہے‘ یہ مجھ سے اردو پڑھتی تھی اور در پردہ مسلمان ہو گئی تھی‘ میں نے اس کو دینیات کے چند رسالے بھی پڑھائے

تھے۔ اتفاق سے بیمار ہو کر انتقال کر گئی اور میں دل برداشتہ ہو کر نوکری چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے یہاں منتقل ہونے کی وجہ تو معلوم ہو گئی کہ مسلمان اور نیک تھی۔ لیکن اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ ان عالم صاحب کی لاش کہاں گئی؟ بعض لوگوں نے کہا کہ شاید اس لڑکی کی قبر میں منتقل کر دی گئی۔ اس پر لوگوں نے اس سیاح سے کہا کہ تم حج سے واپس ہو کر یورپ جاؤ تو اس لڑکی کی قبر کھود کر ذرا دیکھنا کہ اس میں مسلمان عالم کی لاش ہے یا نہیں اور کوئی صورت شناس بھی ساتھ کر دیا۔ چنانچہ وہ شخص یورپ واپس گیا اور لڑکی کے والدین سے یہ حال بیان کیا' اس پر ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکی کی لاش کو دفن تو کیا جائے فرانس میں اور تم ان کی لاش مکہ میں دیکھ لو۔

آخر رائے یہ قرار پائی کہ اس لڑکی کی قبر کھود و۔ چنانچہ اس کے والدین اور چند لوگ اس حیرت انگیز معاملہ کی تفتیش کے لیے قبرستان چلے اور لڑکی کی قبر کھودی گئی تو واقعی اس کے تابوت میں اس کی لاش نہ تھی بلکہ اس کے بجائے وہ مسلمان عالم مقطع صورت وہاں دھرے ہوئے تھے جن کو مکہ میں دفن کیا گیا تھا۔

شیخ دہان نے فرمایا کہ اس سیاح نے کسی ذریعہ سے ہم کو اطلاع دی کہ اس عالم کی لاش یہاں فرانس میں موجود ہے۔ اب مکہ والوں کو فکر ہوئی کہ لڑکی کا مکہ پہنچ جانا تو اس کے مقبول ہونے کی علامت ہے اور اس کے مقبول ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی مگر اس عالم کا مکہ سے کفرستان میں پہنچ جانا کس بنا پر ہوا' اس کے مردود ہونے کی کیا وجہ ہے۔ سب نے کہا انسان کی اصلی حالت گھر والوں کو معلوم ہوا کرتی ہے۔ اس کی بی بی سے پوچھنا چاہیے۔ چنانچہ لوگ اس کے گھر گئے اور دریافت کیا کہ تیرے شوہر میں اسلام کے خلاف کوئی بات تھی۔ اس نے کہا کچھ بھی نہیں وہ تو بڑا نمازی اور قرآن کا پڑھنے والا تہجد گزار تھا۔ لوگوں نے کہا سوچ کر بتلاؤ کیونکہ اس کی لاش دفن کے بعد مکہ سے کفرستان پہنچ گئی ہے۔ کوئی بات اسلام کے خلاف اس میں ضرور تھی۔ اس پر بی بی نے کہا ہاں میں اس کی ایک بات پر ہمیشہ کھٹکتی تھی وہ یہ کہ جب وہ مجھ سے مشغول ہوتا اور فراغت کے بعد غسل کا ارادہ کرتا تو یوں کہا کرتا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب میں یہ بات بڑی اچھی ہے کہ ان کے یہاں غسل جنابت فرض نہیں۔ لوگوں نے کہا بس یہی بات ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس کی لاش کو مکہ سے اسی قوم کی جگہ پھینک دیا جن کے طریقہ کو وہ پسند کرتا تھا؟

فائدہ: یہ شخص ظاہر میں عالم' متقی اور پورا مسلمان تھا مگر تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک بات کفر کی موجود تھی کہ وہ کفار کے ایک طریقے کو اسلامی حکم پر ترجیح دیتا تھا اور استحسان کفر' کفر ہے۔اس لیے وہ شخص پہلے ہی سے مسلمان نہ تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لاش منتقل ہو جایا کرے مگر خدا تعالیٰ کہیں ایسا بھی کر کے دکھلا دیتے ہیں تا کہ لوگوں کو عبرت ہو کہ بدحالی کا نتیجہ یہی ہے؟

محبت کا بدلہ جنت نہیں: حضرت عمر ابن الفارض رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو آٹھوں جنتیں ان کے سامنے کر دی گئیں' انہوں نے منہ پھیر لیا اور یہ شعر پڑھا؟ ان كان منزلتی فی الحب عند كم ما قد رايت فقد ضيعت ايامی۔

اگر آپ کے نزدیک میری محبت کی یہی قدر ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو میں نے اپنے دن میں ضائع کیے' ساری عمر یوں ہی رہی۔ فحجيت الجنان و تجلی له الرب تعالی و طار روحه فرحا به۔ بس اس وقت جنتیں چھپا دی گئیں اور حق تعالیٰ کی خاص تجلی ہوئی اور اس کے ساتھ ہی جان نکل گئی؟

فائدہ: واقعی عمر بن الفارض رضی اللہ عنہ نے تو یہ کر کے دکھلایا کہ بدوں تجلی الٰہی کے جان ہی نہ دی' جب ان حضرات کو جنت پر بھی توجہ نہیں ہوتی تو دوسروں کی طرف کیا التفات ہوگا مگر یہ تو صاحب حال تھے ان کو جنت سے منہ پھیرنے کا حق تھا ہم کو بدون اس حال کے ایسا دعویٰ نہ چاہیے ہم کو تو اگر وہاں دنیا کی روٹی بھی مل جائے تو غنیمت ہے۔

مکالمہ موسیٰ علیہ السلام و افلاطون: افلاطون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ اگر آسمان کمان ہو اور حوادث تیر ہوں اور خدا تعالیٰ تیر انداز ہوں تو اس سے بھاگ کر انسان کہاں جائے۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیر انداز کے پاس جا کر کھڑا ہو کیونکہ تیر دور والے کے لگتا ہے پاس والے کے نہیں لگتا۔ افلاطون نے کہا یہ جواب بجز نبی کے اور کوئی نہیں دے سکتا واقعی آپ نبی ہیں۔

فائدہ: مگر بایں ہمہ یہ حکماء اتباع نہیں کرتے تھے یہ کہتے تھے کہ نبی کی ضرورت ان لوگوں کو ہے کہ جنہوں نے اپنے نفوس کی اصلاح نہیں کی۔ وَنَحْنُ قَوْمٌ قَدْ هَذَّبْنَا أَنْفُسَنَا فَلَا حَاجَةَ لَنَا إِلَى مَنْ يُّهَذِّبُنَا اور ہم اپنے نفسوں کو مہذب بنا چکے ہیں' ہمیں مہذب بنانے والے کی ضرورت نہیں۔

مگر بخدا ان کا یہ خیال غلط تھا۔ عقلی تہذیب بھی کہیں نبی سے مستغنی کر سکتی ہے۔ان لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی تہذیب کو دیکھا ہی نہیں ورنہ اقرار کر لیتے کہ ان کے سامنے ہماری تہذیب

سراسر بدتہذیبی ہے۔

نیم ملا خطرۂ ایمان: عالمگیر رحمہ اللہ کے دربار میں ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس نے چار نکاح کرر کھے تھے اور ایک خاوند کو دوسرے کی اطلاع نہ تھی۔ ظالم نے ہر ایک سے یہ شرط کرر کھی ہوگی کہ میں سال میں تین مہینہ تمہارے گھر رہوں گی اور نو مہینہ اپنے گھر رہوں گی، تین مہینے کے بعد وہ دوسرے خاوند کے پاس رہتی۔ اس سے غالباً یہی شرط تھی۔ پھر تین مہینہ کے بعد تیسرے خاوند کے پاس رہتی۔ اس سے بھی غالباً یہی شرط تھی۔ پھر تین مہینہ کے بعد تیسرے خاوند کے پاس رہتی۔ ان میں ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ شرط کے موافق نو مہینے اپنے گھر رہنے گئی ہے۔ یہ خبر کسی کو نہ تھی کہ یہ اس مدت میں اپنے دوسرے آشناؤں کے پاس جاتی ہے۔

دہلی بڑا شہر ہے وہاں ایسے واقعات کا مخفی رہ جانا کچھ دشوار نہیں مگر کب تک، آخر کو بھانڈا پھوٹا اور عالم گیر رحمہ اللہ کے دربار میں یہ واقعہ پیش ہوا اور وہ عورت طلب کی گئی۔ ایک طالب علم نے اس عورت سے کچھ رقم لی، اور رہائی کی تدبیر بتلائی کہ تو یہ کہہ دینا میں نے ایک مولوی صاحب کو وعظ میں یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ لوگ فضول حرام کاری کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو چار نکاح تک کی اجازت دی ہے اور اگر یہ دریافت کیا جائے کہ مولوی صاحب یہ اجازت مردوں کے لیے بیان کی تھی یا عورتوں کے لیے تو کہہ دینا کہ بس میں نے اتنا ہی سنا تھا کہ پھر میں ساگ لینے چلی گئی، میں نے تو اس اجازت کو عام ہی سمجھا تھا تو یہ طالب علم نیم ملا خطرہ ایمان تھا کہ اس نے چار نکاحوں کی اجازت کو عام کر دیا۔

تقلید بغیر دریافت حال کے: ایک صوفی سفر میں کسی خانقاہ میں ٹھہرا، ان لوگوں پر کئی وقت کا فاقہ تھا۔ انہوں نے رات میں خادم کو غافل پا کر صوفی کا گدھا کھول کر بازار میں بیچ دیا اور خوب کھایا پیا اور صوفی کی بھی دعوت کی اور کھانے کے بعد قوالی ہوئی اور قوال سے فرمائش کر دی کہ یہ شعر پڑھو۔

خر برفت وخر برفت وخر برفت خر برفت وخر برفت وخر برفت

"گدھا چلا گیا گدھا چلا گیا گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا گدھا چلا گیا گدھا چلا گیا۔"

گدھے کا مالک بھی یہی کہہ رہا تھا، صبح کو جو دیکھا گدھا ندارد، خادم سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ وہ تو رات سے غائب ہے اور میں نے حضور کو اطلاع کرنی چاہی تھی مگر آپ خود ہی کہہ رہے

تھے کہ خر برفت وخر برفت۔ میں سمجھا کہ آپ کو کشف سے اطلاع ہو چکی ہے اس لیے خاموش واپس آ گیا۔ کہنے لگا' کم بخت مجھ کو کیا خبر تھی میں تو اوروں کی تقلید میں کہہ رہا تھا۔

فائدہ: ایسی ہی تقلید کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خلق راتقلید شاں برباد داد که دوصد لعنت بریں تقلید باد

''مخلوق کو ان کی تقلید نے برباد کیا۔ ایسی تقلید پر دو سو لعنتیں ہوویں۔''

جہانگیر بادشاہ کی حکایت: جہانگیر لڑکپن میں نور جہاں کی ایک ادا پر فریفتہ ہو گیا تھا' اس وقت وہ بھی بچی تھی۔ کسی میلہ میں شہزادہ بھی گیا تھا' وہ بھی آئی تھی۔ شہزادہ کے پاس دو کبوتر تھے' ہاتھ سے کوئی کام لینے کی ضرورت ہوئی۔ اتفاقاً یہ سامنے موجود تھی' شہزادہ نے وہ دونوں کبوتر اس کے ہاتھ میں دے دیئے کہ ان کو تھامے رہے' جب جہانگیر فارغ ہوا تو ایک کبوتر ندارد پوچھا کہ کبوتر کیا ہوا۔ نور جہاں نے کہا اڑ گیا۔ اس نے غصہ میں کہا کہ کیسے اڑ گیا' نور جہاں نے دوسرے کو بھی چھوڑ دیا کہ ایسے اڑ گیا' جہانگیر اس ادا پر سو جان سے فریفتہ ہو گیا۔

فائدہ: حالانکہ یہ بات اور بھی موجب غضب تھی کہ ایک تو گیا ہی تھا اس نے دوسرا بھی کھو دیا مگر دل کے آنے کا کچھ قاعدہ نہیں۔ بعض دفعہ یہ دل ایسی بات پر فریفتہ ہو جاتا ہے جو حقیقت میں فریفتگی کے قابل نہیں ہوتی۔

ایک بہرے کی حکایت: ایک بہرہ اپنے دوست کی عیادت کے لیے گیا تھا۔ وہ اس کی صورت ہی دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ یہ کم بخت کہاں آ مرا' اپنی سب سنائے گا اور میری نہ سنے گا۔ چنانچہ بہرہ نے مزاج پرسی کی کہ اب کیا حال ہے؟ مریض نے جھلا کر کہا کہ مر رہا ہوں: وہ سمجھا کہ یوں کہتا ہے اب افاقہ ہے۔ تو آپ فرماتے ہیں الحمدللہ! پھر پوچھا کہ آج کل کون سی دوا استعمال میں ہے۔ مریض نے کہا زہر پی رہا ہوں' آپ سمجھے کہ کسی دوا کا نام لیا ہوگا تو فرمایا خدا تعالیٰ اسے رگ رگ میں پیوست کرے۔ پھر پوچھا کون سے حکیم کا علاج ہے۔ مریض نے کہا کہ ملک الموت کا' بہرے نے جواب دیا کہ خدا ان کے قدم کو مبارک کرے بڑے اچھے طبیب ہیں۔

فائدہ: بتلایئے ایسی عیادت سے کیا نفع جس سے مریض کو بجائے تسلی کے مزید وحشت ہو۔ اس لیے عیادت کے واسطے وہ لوگ جائیں جن سے مریض کو انس ہو' اور ان کے جانے سے تسلی ہو۔ ایسے لوگوں کی عیادت سے واقعی مرض میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

ایک رئیس کی حکایت: آج کل کا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں برادری میں کوئی مر جائے چاروں طرف سے گاڑیاں لے کر برادری والے اس کے یہاں ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس بے چارہ کو ایک غم تو اپنے عزیز کے مر جانے کا تھا دوسرا غم ان زندوں کے کھلانے پلانے کا ہو جاتا ہے۔ پھر گاڑیوں کے گھاس دانے کا الگ تردد۔ یہ بھی کوئی انسانیت ہے۔ ضلع بلند شہر میں بھی رواج تھا کہ چالیسویں کے دن میت کی ساری برادری جمع ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک رئیس زادے نے اس کا خوب علاج کیا۔ اس کے والد کے انتقال کے بعد جب موقع پر ساری برادری جمع ہوئی اسے ناگوار ہوا کہ مجھے ایک تو والد کا غم تھا' دوسرا برادری کے کھلانے پلانے کا سر پڑا۔

اس نے ملامت کے خوف سے عمدہ عمدہ کھانے تو پکوائے اور سارا انتظام کیا' جب کھانا تیار ہو گیا اور برادری کے لوگ کھانے کے واسطے بیٹھے اس وقت رئیس زادہ نے سب کو خطاب کر کے کہا کہ مجھے آپ حضرات سے ایک بات عرض کرنی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سب صاحبوں کو معلوم ہے کہ میرے سر پر سے میرے والد صاحب قبلہ کا سایہ اٹھ گیا ہے اور اس کا جتنا رنج وغم بیٹے کو ہوتا ہے کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سب جانتے ہیں تو اس حالت میں سب کو میری ہمدردی کرنی چاہیے۔ کیا یہی ہمدردی ہے جو آپ لوگ کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ میں تو غم میں مبتلا ہوں اور آپ پلاؤ زردہ کھانے کے واسطے تیار' بس مجھے جو کہنا تھا کہہ چکا۔ اب بسم اللہ کیجیے۔ لوگوں نے کہا کہ تم نے جوتے تو پہلے ہی کھلا دیئے۔ اب کھانا خاک کھاویں یہ کہہ کر سب لوگ دستر خوان پر سے اٹھ گئے۔ اور دوسرے مکان میں جمع ہو کر ان کی کمیٹی ہوئی کہ واقعی یہ رسم بہت واہیات ہے' اس کو توڑنا چاہیے۔ چنانچہ طے ہو گیا کہ میت کے گھر تعزیت کے لیے سب کو جانے کی ضرورت نہیں خاص خاص عزیزوں کو جانا چاہیے اور برادری والے جائیں بھی تو تعزیت کر کے فوراً واپس چلے آئیں۔ وہاں کھانا نہ کھائیں۔ یہ طے کر کے سب چلے آئے اور وہ کھانا غرباء کو کھلایا گیا۔

حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت: حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک مرید سال میں دو دفعہ آیا کرتا تھا۔ ایک بار ان سے عرض کیا کہ حضرت مجھے حاضر خدمت ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ آپ نے مجھ سے کوئی فرمائش نہیں فرمائی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کوئی فرمائش کریں اور میں اس کو پورا کروں۔ مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی تم محبت سے مل لیتے

ہو بس یہی کافی ہے فرمائش کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے پھر اصرار کیا تو فرمایا کہ تمہارے اصرار کے بعد میں ایک فرمائش کرتا ہوں برا نہ ماننا۔ اس نے کہا کہ حضرت میں تو غلام ہوں میری کیا مجال کہ حضرت کی فرمائش سے برا مانوں۔ خصوصاً جب میرے اصرار ہی سے آپ فرما رہے ہیں۔ فرمایا' بھائی تم کھاتے بہت ہو۔ تمہارے کھانے کو دیکھ کر میرے پیٹ میں گڑ بڑ ہونے لگتی ہے۔ پھر جب تک مسہل نہیں لے لیتا اس وقت تک طبیعت درست نہیں ہوتی تو سال میں ایک دفعہ مسہل لینا تو آسان مگر دو دفعہ مشکل ہے۔

اسی طرح ایک مرید سے آپ نے فرمایا کہ تم اپنے بچوں کو ہمارے پاس نہیں لاتے' وہ بے چارہ بہانے کر دیتا۔ اسے اندیشہ تھا کہ مرزا صاحب بہت نازک مزاج ہیں اور بچے شوخ ہوتے ہیں' ایسا نہ ہو کہ ان کی کسی حرکت سے آپ کو تکلیف پہنچے۔ جب آپ نے دوبارہ تقاضا کیا تو تین چار دن ٹال کر وہ اپنے بچوں کو لائے اور اس عرصہ میں ان کو خوب تعلیم دی کہ اس طرح سر جھکا کر بیٹھنا' یوں ادب کرنا' مجلس میں ادھر ادھر نہ دیکھنا' بچوں نے اس طرح کیا کہ سلام کر کے بت کی طرح خاموش بیٹھ گئے نہ نگاہ اوپر اٹھائی نہ کوئی بات کی۔ اب مرزا صاحب ان کو کھولنا چاہتے ہیں تو کھلتے نہیں۔ مرزا صاحب نے مرید سے فرمایا کہ میاں تم آج بھی اپنے بچوں کو نہیں لائے۔ اس نے عرض کیا حضرت یہ حاضر تو ہیں۔ فرمایا یہ بچے ہیں' یہ تو تمہارے بھی ابا ہیں بچے تو کھیلتے ہیں کودتے ہیں' شوخیاں کرتے ہیں۔ کوئی ہماری ٹوپی اتارتا کوئی کمر پر سوار ہوتا۔ بچے تو ایسے ہوتے ہیں اور یہ تو تمہارے بھی ابا بن کر بیٹھ گئے ہیں۔

فائدہ: اس وقت معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نازک نہیں ہیں بلکہ لطیف المزاج ہیں اور لطافت میں خلاف اعتدال حرکات ناگوار ہوا کرتی ہیں۔ جبکہ بچوں کی شوخی اعتدال کے خلاف نہیں۔ کیونکہ بچپن کا مقتضا یہی ہے کہ بچہ بچوں کی طرح شوخ ہو۔ باوا' دادا کی طرح متین نہ ہو۔

حضرت گنگوہی کی حکایت: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کسی مجلس میں جنید و شبلی ہوں اور حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہوں تو ہم تو جنید و شبلی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں بس حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرف اپنی نگاہ رکھیں ہاں! حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جی چاہے وہ ان کی طرف دیکھیں' ہم تو کسی کی طرف بھی نہ دیکھیں گے۔

فائدہ: سبحان اللہ یہ حضرات ہیں شیخ کی قدر جاننے والے۔

علی حزیں شاعر کی حکایت: علی حزیں شاعر کے پاس ایک شخص آیا لباس سے شان وشوکت ٹپکتی تھی۔ علی حزیں سمجھا کہ شاید کوئی تعلیم یافتہ مہذب شخص ہے۔ یہ پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھا تھا اس کی خاطر سے پاؤں سمیٹ لیے۔ جب بات چیت شروع ہوئی تو علی حزیں نے اس سے نام پوچھا تو اس نے اپنا نام بتایا کہ ایسف (بجائے یوسف کے)۔ علی حزیں نے یہ سنتے ہی پاؤں پھیلا دیئے اور کہا بابا اگر ایسف ہستی پس من پائے خود چرا کشم کہ اگر تم ایسف ہو تو میں اپنے پیر کیوں سمیٹوں؟

فائدہ: غرض وہ ایک ہی لفظ میں سمجھ گیا کہ مخاطب جاہل محض ہے اور اسی وقت سے تعظیم قطع کر دی کیونکہ تعظیم تو کمال کی ہوتی ہے لباس کی تعظیم نہیں ہوا کرتی اور اہل دنیا کی جو تعظیم لباس کی وجہ سے کی جاتی ہے اس کا منشاء عظمت نہیں بلکہ خوف ہے جیسے سانپ کو دیکھ کر لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں چنانچہ جب کسی تھانہ دار کو جیل خانہ کی سزا ہو جاتی ہے وہاں جا کر دیکھیے کہ اس کی کیا گت بنتی ہے چونکہ قانوناً جیل خانہ کے بعد وہ دوبارہ حکومت کے عہدہ پر نہیں جا سکتا اس لیے جیل خانہ والے اس کی طرف سے بالکل مطمئن ہو جاتے ہیں۔

ایک بدوی کا فیصلہ: جب کسی بدوی نے کلام اللہ میں سن کر کہ خدا نے انجیر و زیتون کی قسم کھائی ہے انجیر کھا لیا تھا بہت اچھا معلوم ہوا پھر آپ نے زیتون بھی کھایا وہ بدمزا اور بکٹا معلوم ہوا تو آپ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) زیتون کی بے چکھے ہی قسم کھالی بڑا دھوکہ ہوا۔

فائدہ: مولانا فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس طریق تصوف کے زیتون میں بکٹا پن تو ہوگا مگر وہ زیتون ایسا ہے کہ لَا شَرْقِيَةٍ وَلَا غَرْبِيَه پھر تو وہ زیتون ایسا اچھا لگے گا کہ کسی چیز کی بھی اس کے سامنے کچھ حقیقت نظر نہ آئے گی۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی بعض لوگوں پر تیزی فرماتے تھے اس پر ایک تعلقہ دار نے مجھ سے شکایت کی کہ گنج مراد آباد میں تو غلامی کرنا پڑتی ہے کوئی اور پیر بتلاؤ جہاں کچھ رعایت ہو۔ بس اتنی سی بات پر برگشتہ ہو گئے صاحبو! وہ سختی عین حکمت و مصلحت ہوتی ہے اور وہ بے فائدہ سختی نہیں کرتے بلکہ معالجہ کرتے ہیں امراض کا گو سمجھ میں نہ آوے۔

ایک عاشق مجازی کی حکایت: یہ حکایت اس مضمون پر لکھی گئی ہے کہ لوگوں نے تہمت عشق پر اس کو سو کوڑے مارے تو ننانوے پر اس نے آہ بھی نہ کی بلکہ سویں کوڑے پر آہ کی۔ کسی نے پوچھا

کہ ننانوے کوڑے کا تو تحمل کیا اور اخیر کے ایک کوڑے کا تحمل نہ ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا ننانوے تک تو محبوب میرے سامنے تھا وہ کھڑا ہوا تماشہ دیکھ رہا تھا کہ میری محبت میں اس کو یہ مصیبت پیش آئی۔ اس لذت میں مجھے ضرب الم (مار کی تکلیف) کا احساس نہ ہوا ننانوے کے بعد وہ چلا گیا تو مجھے الم کا احساس ہوا اس لیے آہ نکل گئی۔

فائدہ: یہ اس کا محبوب تھا جو غائب ہو گیا اور آپ کا محبوب تو ہر دم آپ کے ساتھ ہے ہر حالت میں آپ کو دیکھ رہا ہے جس کی شان یہ ہے لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ پھر آپ کو ملامت اغیار میں زیادہ لذت آنی چاہیے۔

غریب و امیر بھائیوں کی حکایت: ایک شادی میں دو شخص جمع تھے جو باہم عزیز تھے مگر ایک نے درویشی اختیار کر لی تھی وہ کمبل اوڑھے ہوئے تھے اور دوسرے رئیس تھے وہ شال اوڑھے ہوئے تھے اور یہ رشتہ میں بڑے تھے۔ جب دونوں ایک مجلس میں مجمع ہوئے تو رئیس نے کہا یہ کمبل اتارو کیا خرافات لباس ہے ہمیں برا لگتا ہے درویش نے شال کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم اس کو اتارو یہ بری لگتی ہے۔

فائدہ: ہم کو ہر حال میں ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جس حال میں رکھیں اسی میں خوشی رہیں۔ اور کس کے طعن و تشنیع کی مطلق پرواہ نہ کریں۔ اگر خوش حالی کی شال اوڑھا دیں تو شال اوڑھ لیں اور کمبل کے پابند نہ رہیں اور اس شعر کے مصداق بن جائیں۔

میں جس حال میں بھی ہوں خوش ہوں الٰہی! بہر حال تیرا کرم ہو رہا ہے۔

ایک عجیب حکایت: کابل سے ایک جولاہہ ہندوستان آیا اور یہاں آکر پٹھان بن گیا۔ کچھ دنوں بعد ایک پٹھان آیا اس نے جو دیکھا کہ جولاہہ نے اپنے کو پٹھان بنا رکھا ہے تو وہ سید بن گئے۔ اس کے بعد ایک سید صاحب آئے انہوں نے دیکھا کہ یہاں پٹھان نے اپنے کو سید بنا رکھا ہے تو آپ نے یہ کہنا شروع کیا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں (نعوذ باللہ) لوگوں نے اس پر ہنسنا شروع کیا تو سید نے کہا کہ جس ملک میں جولاہہ پٹھان اور پٹھان سید بن جاتا ہے وہاں اگر سید خدا کا بیٹا بن جائے تو کیا تعجب ہے۔ اس نے سب کی قلعی کھول دی۔

فائدہ: حدیث۔ من انتمی الی غیر ابو یه لم یرح ریح الجنة۔

جو شخص اپنے خاندان کو چھوڑ کر دوسرے خاندان کی طرف اپنی نسبت کرے گا وہ جنت کی

خوشبو بھی نہ پائے گا۔ آج کل شہروں میں یہ مرض بہت شائع ہو گیا ہے۔ شہر میں جا کر جولاہہ بھی سید ہو جاتا ہے۔

ایک معقولی کا قصہ: ایک معقولی صاحب تیلی کی دکان پر تیل لینے گئے وہاں دیکھا کہ بیل کی گردن میں گھنٹی پڑی ہوئی ہے۔ پوچھا بھائی اس گھنٹی میں کیا حکمت ہے۔ تیلی نے کہا ہم لوگ غریب آدمی ہیں سارے کام اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتے ہیں ہر وقت بیل کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ یہ گھنٹی اس کے گلے میں اس لیے ڈال دی ہے تا کہ اس کے بجنے سے معلوم ہوتا رہے کہ بیل چل رہا ہے۔ اگر گھنٹی بند ہوتی ہے تو ہم آ کر بیل کو پھر چلا دیتے ہیں اور چلا کر اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔

معقولی صاحب بولے کہ گھنٹی کا بجنا بیل کے چلنے کی دلیل تو نہیں ہو سکتی کہ وہ کھڑا کھڑا سر ہلاتا رہے۔ تیلی نے کہا مولوی صاحب! میرے بیل نے ابھی منطق نہیں پڑھی۔ آپ جلدی یہاں سے تشریف لے جائیے کہیں وہ منطق نہ سیکھ لے پھر ہماری مصیبت آ جائے گی۔

فائدہ: یہ غلوفی العقول کا نتیجہ ہے کہ ان کو مشاہدات و واقعات میں بھی توہمات پیدا ہوتے ہیں پھر کمال یہ کہ محض توہمات ہی پر ورق کے ورق سیاہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے یہاں ایک مسئلہ مشہور ہے کہ قضیہ موجبہ میں وجود موضوع شرط ہے نہ معلوم اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے۔ محض توہم اور کچھ بھی نہیں ہے مگر اس مسئلہ کو مان کر پھر جو اشکالات وارد کرنے اور ان کے جواب دینے شروع کیے ہیں تو بڑی لمبی بحث ہو گئی ہے۔ اللہ بھلا کرے حمد اللہ کا اس نے رد کیا ہے اور کہا ہے کہ قضیہ موجبہ کے لیے وجود موضوع کی ضرورت نہیں صرف ربط موضوع یا المحمول کافی ہے۔

شرم کا خیال: ایک تیلن سے کسی نے پوچھا کہ تیرا میاں کہاں ہے وہ چونکہ نئی دلہن تھی جس کے لیے منہ سے بولنا عیب ہے۔ اس نے زبان سے تو کچھ جواب نہ دیا مگر لہنگا اٹھایا اور پیشاب کیا اور پیشاب کے بعد اسے پھاند گئی۔ مطلب یہ تھا کہ دریا پار گیا ہے۔

فائدہ: کتے کی بھی یہی حالت ہے کہ ٹانگ کی تو اتنی احتیاط کرتا ہے کہ اسے اٹھا کے موتتا ہے تا کہ پیشاب کی چھینٹ نہ پڑ جائے اور منہ کو گوہ میں بھی ڈالتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت: مولوی محمد منیر صاحب نانوتوی نے ہمارے حاجی صاحب سے پوچھا کہ حضرت میرے لیے خاندان چشتیہ میں بیعت ہونا مناسب ہے یا نقش بندیہ میں۔ حضرت نے فرمایا کہ پہلے تم ہمارے ایک سوال کا جواب دے دو پھر ہم بتلائیں گے۔

ایک شخص ایسی زمین میں جس کے اندر جھاڑ جھنکاڑ کثرت سے ہیں تخم پاشی کرنا چاہتا ہے تو

بتلاؤ کہ تمہاری رائے میں اس کو پہلے جھاڑ جھنکاڑ صاف کر کے بعد میں تخم پاشی کرنی چاہیے یا اول تخم پاشی کرے پھر رفتہ رفتہ جھاڑوں کو بھی صاف کرتا رہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میرے نزدیک تو اسے اول تخم پاشی کر دینا چاہیے تا کہ کچھ تو ثمرہ حاصل ہو جائے ایسا نہ ہو کہ جھاڑوں کو صاف کرنے ہی میں عمر ختم ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ بس تم نقش بندیہ سلسلہ میں بیعت جاؤ تم کو ان ہی کے مذاق سے مناسبت ہے۔

فائدہ: سبحان اللہ! حضرت نے دقیق مذاق کو کتنی سہل مثال سے حل فرمالیا۔ پھر طالب کے مذاق کی کیسی رعایت فرمائی کہ صاف کہہ دیا کہ تم نقش بند سے بیعت ہو جاؤ' یہ نہیں کہ سب کو اپنے ہی یہاں بھرتی کرنے کی فکر کریں جیسا اکثر ہو رہا ہے۔

بادشاہ اور ایک بزرگ: ایک بزرگ ایک بادشاہ کے بالا خانہ کے نیچے سے جا رہے تھے۔ بادشاہ نے آواز دی کہ ذرا تشریف لائیے مجھے ایک سوال کرنا ہے۔ فرمایا کیوں کر آؤں تم اوپر میں نیچے۔ بادشاہ نے فوراً ایک کمند لٹکا دی اور اس سے کہا اسے پکڑ لیجئے۔ پھر بادشاہ نے کھینچ لیا تو وہ فوراً اوپر پہنچ گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم خدا تک کیسے' پہنچے؟ بزرگ نے بے ساختہ جواب دیا کہ جس طرح تم تک پہنچ گیا اگر میں ملنا چاہتا اور تم نہ ملنا چاہتے تو قیامت تک بھی میں آپ تک نہ پہنچ سکتا تم نے خود ملنا چاہا تو خود ہی کھینچ لیا۔ اسی طرح اللہ تک پہنچنا دشوار تھا کیونکہ طویل راستہ کا قطع کرنا بندہ سے کہاں ممکن ہے اگر وہ نہ ملنا چاہے تو قیامت تک وصول نہ ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے خود ہی ملنا چاہا اور کھینچ لیا جیسا تم نے کمند سے کھینچ لیا۔

ننانوے آدمیوں کا قاتل: بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ۹۹ خون کیے تھے پھر اس کو توبہ کا خیال آیا تو ایک عالم کے پاس گیا اور اپنا قصہ بیان کر کے مسئلہ دریافت کیا کہ ایسی حالت میں میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں۔ وہ کوئی جلالی مولوی تھے کہا تیرے واسطے توبہ کہاں یعنی کیا ۹۹ خون ایک ساعت میں معاف ہو سکتے ہیں جا تیرے واسطے تو جہنم کا عذاب ہے۔ سائل کو غصہ آیا اس نے تلوار سے اس کا بھی خاتمہ کر دیا کہ چلو سو میں ایک ہی کی کسر کیوں رہے۔ اس مولوی نے بھی تو اس کو قتل ہی کر دیا تھا کہ غریب کو رحمت حق سے مایوس کر دیا جس سے کفر کا اندیشہ تھا۔ پھر وہ ایک دوسرے عالم کے پاس گیا وہ محقق تھے یا پہلے واقعہ کا سن کر خوف طاری ہو گیا۔ ان سے مسئلہ پوچھا تو جواب دیا کہ توبہ تو ہر مسلمان کے لیے ہے خواہ کیسا ہی گناہ گار ہو۔ تمہاری توبہ کیوں نہ قبول ہو گی ضرور قبول ہو گی۔ مگر تکمیل توبہ کے لیے ایک شرط ہے وہ یہ کہ جس بستی میں تم رہتے ہو اس کو

چھوڑ دو۔ یہاں کی صحبت اچھی نہیں۔تم فلاں بستی میں جا کر رہو وہاں کے آدمی اچھے ہیں۔ یہ شرط لگانا بتلاتا ہے کہ یہ عالم محض خائف نہ تھا بلکہ محقق تھا۔ یہ جواب سن کر سائل نے توبہ کی اور چونکہ طلب کی شان پیدا ہو چکی تھی اس لیے تکمیل توبہ کے لیے وطن سے ہجرت بھی کی اور بستی کی طرف چلا جہاں کے لیے عالم نے وصیت کی تھی کچھ ہی دور چلا تھا کہ موت کا وقت آ گیا۔

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند　　دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

مگر اس نے اپنے کرنے کا کام اس وقت بھی کیا کہ عین نزع کی حالت میں بھی اس بستی کی طرف اپنے سینہ کو ابھار دیا اور تمام ہو گیا۔اب رحمت حق کا کام دیکھیے چونکہ طالب اپنا کام کر چکا تھا اور وصول اس کے اختیار سے باہر تھا تو اب محبوب نے خود وصول کا انتظام کر دیا جس بستی سے اس نے چلنا شروع کیا تھا اس کو حکم ہوا تباعدی کہ دور ہو جا پیچھے ہٹ جا۔اور جس بستی کی طرف یہ جا رہا تھا اسے حکم ہوا تقاربی کہ تو قریب ہو جا۔ چنانچہ ایسا ہو گیا۔اب ملائکہ رحمت و ملائکہ عذاب دونوں آ پہنچے اور ہر جماعت نے اس پر قبضہ کرنا چاہا۔ملائکہ رحمت نے کہا کہ اس کے مستحق ہم ہیں کیونکہ یہ توبہ کر کے اور گناہوں سے پاک ہو کے مرا ہے۔ ملائکہ عذاب نے کہا کہ نہیں یہ مستحق عذاب ہے کیونکہ توبہ کی شرط متحقق نہیں ہوئی ابھی صلحاء کی بستی میں بھی نہیں پہنچا تو توبہ کامل نہیں ہوئی۔اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی بعض دفعہ اجتہاد کرتے ہیں۔ ہر کام صریح نص ہی سے نہیں کرتے۔

جب ان میں باہم اختلاف ہوا تو حق تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتے نے آ کر یہ فیصلہ کیا کہ زمین کو ناپ لو جو بستی قریب ہو اسی کے موافق حکم ہوگا اگر قریہ اشرار سے قریب ہو تو اشرار میں داخل کر دو اور قریہ ابرار سے قریب نکلا پس ملائکہ رحمت کے سپرد ہوا۔

ایک پتھر کی حکایت: سیرت کی کتابوں میں ایک پتھر کی حکایت لکھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا اس پر گزر ہوا دیکھا زار زار رو رہا ہے۔ پوچھا کیوں روتا ہے' کہا جب سے میں نے یہ آیت سنی ہے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ　کہ جہنم کا ایندھن آدمی بھی ہیں اور پتھر بھی اس وقت سے مارے خوف کے رو رہا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ یا اللہ اس پتھر کو جہنم میں نہ ڈالا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی تسلی کر دی۔ بہت خوش ہوا اور رونا موقوف کر دیا۔موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ گئے۔ ایک مدت کے بعد موسیٰ علیہ السلام پھر یہاں سے گزرے تو دیکھا پھر رو رہا ہے۔ پوچھا اب کیوں روتا ہے جبکہ تیری تسلی کر دی گئی اور تجھ کو بشارت مل گئی۔کہا اے موسیٰ! وہ بشارت تو رونے ہی کی بدولت

ملی تھی۔تو اب رونے کو کیوں چھوڑوں جس کی بدولت اتنی بڑی دولت ملی ہے۔

فائدہ: ایسا ہی انسان کو بھی چاہیے کہ اگر توبہ واستغفار اور دعا کر کے مصائب سے نجات پا جائے تو اس سبق کو چھوڑے نہیں تا کہ نعمت زائل نہ ہو جائے۔

خانخاناں کی حکایت: میں نے ایک کتاب میں لکھا ہے کہ خانخاناں کسی دورہ میں تھے اور ان کے ساتھ نوکر چاکر اور درباری لوگ دوست احباب بھی تھے اور خزانہ بھی بہت کچھ تھا۔ جب پہلی منزل پر اترے ہیں تو اترنے سے پہلے ان کا خیمہ اسی طرح لگایا گیا جس طرح دربار کا اجلاس ہوتا ہے۔اس وقت ایک شاعر نے آ کر یہ شعر پڑھا:

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست　　ہر جا کہ رفت خیمہ زدو بارگاہ ساخت

''مالدار پہاڑ، جنگل اور بیاباں میں بھی غریب نہیں ہے۔ جہاں گیا خیمہ لگایا اور دربار قائم کرلیا۔''

منعم خانخاناں کا تخلص بھی ہے۔اس شعر میں ان کو بہت حظ آیا (مزہ) اور ایک ہزار روپے دینے کا حکم دیا اس کے بعد کوچ ہوا اور دوسری منزل پر پہنچا تو شاعر نے پھر وہی شعر پڑھا:

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست　　ہر جا کہ رفت خیمہ زدو بارگاہ ساخت

خانخاناں نے ایک ہزار روپے پھر دیئے، تیسری منزل پر اس نے پھر وہی شعر پڑھا تو انہوں نے پھر اس کو ایک ہزار روپے دیئے۔اب درباریوں نے شاعر کو ڈرادیا کہ بس بھاگ جا تجھے بہت مل گیا ہے کہیں یہ سب چھن نہ جائے کیونکہ ایشیائی بادشاہوں کا یہی حال ہے۔ گاہے (کبھی) سلام سے ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی گالی سے خلعت دے دیتے ہیں۔شاعر کی بھی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور وہ بھاگ گیا۔ چوتھی منزل پر خانخاناں پہنچے تو شاعر کا انتظار کیا۔خدام سے پوچھا آج وہ شاعر کہاں چلا گیا۔لوگوں نے عرض کیا کہ وہ بھاگ گیا۔کسی نے اس کو ڈرادیا کہ یہ رقم بھی کہیں چھن نہ جائے۔ بھاگ جا تجھے بہت مل گیا ہے۔

خانخاں نے کہا افسوس ہے کہ غریب کو خواہ مخواہ ڈرادیا۔بخدا میں نے ارادہ کیا تھا کہ جب تک سارا خزانہ ختم نہ ہو جاتا میں اس کو برابر دیتا رہتا کیونکہ اس کے اس شعر سے مجھ کو بے حد حظ یعنی مزہ آتا تھا۔ یہ حکایت تو کتابی ہے۔

ہارون رشید کی حکایت: ایک دفعہ ہارون رشید مع وزیر کے جنگل کی سیر کو چلے۔ایک بوڑھے کو

دیکھا کہ باغ میں گٹھلیاں بو رہا ہے۔ خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ اس سے پوچھو کیا بو رہا ہے۔ وزیر نے پوچھا' کہا کھجور کی گٹھلیاں بو رہا ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ یہ کتنے برس میں پھل لے آئیں گی اس نے کہا بیس پچیس سال میں۔ خلیفہ ہنسا کہ بوڑھے میاں کے پیر قبر میں لٹک رہے ہیں اور ۲۰/۲۵ سال آئندہ کا سامان کر رہے ہیں۔ وزیر نے یہ بات بوڑھے سے کہی تو وہ کہنے لگا کہ اگر سب باغ لگانے والے یہی سوچا کرتے جو تم سوچتے ہو تو آج تم کو ایک کھجور بھی نصیب نہ ہوتی۔ میاں دنیا کا کام یوں ہی چلتا ہے کہ کوئی لگاتا ہے اور کوئی کھاتا ہے۔ خلیفہ نے یہ معقول جواب سن کر کہا نعم یعنی بے شک صحیح ہے اور ہارون رشید کا قاعدہ تھا کہ جس شخص کی بات پر ہم نعم کہہ دیں اس کو ایک ہزار درہم و دینار دیئے جائیں۔ چنانچہ وزیر نے اس وقت ایک ہزار کا توڑا اس کے حوالہ کیا۔ اس کے بعد دونوں آگے چلنے لگے تو بوڑھے نے کہا کہ میری ایک بات سنتے جاؤ۔ کہا بولو کیا کہتے ہو؟ کہنے لگا کہ کسی کا بیج تو بیس سال میں پھل لاتا ہے مگر میرا بیج ایک ہی ساعت میں پھل لے آیا۔ خلیفہ نے کہا نعم وزیر نے ایک ہزار کا دوسرا توڑا اس کے حوالہ کیا پھر آگے چلنے لگے تو بوڑھے نے کہا ایک بات اور سنتے جاؤ کہ کسی کا بیج تو سال بھر میں ایک بار پھل لاتا ہے اور میرا بیج ایک ساعت میں دو مرتبہ پھل لے آیا۔ خلیفہ نے کہا نعم وزیر نے ایک ہزار کا تیسرا توڑا اس کے حوالہ کیا اور خلیفہ سے کہا کہ بس اب تیز چلیے۔ بوڑھا تو بڑا عقل مند ہے ہم کو لوٹ ہی لے گا کیونکہ اس نے سلسلہ اعداد شروع کیا تھا جو کہ غیر متناہی سلسلہ ہے جس کی کہیں انتہا نہیں وہ اس کے بعد یوں کہتا ہے کہ میرا بیج تین بار پھل لایا پھر کہتا چار بار پھل لایا اس لیے وزیر نے سلسلہ غیر متناہی سے بچنے کے لیے وہاں سے چلنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ متناہی سے غیر متناہی سلسلہ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: جب سلاطینِ دنیا کی یہ عطا ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر خوش ہو کر اتنا دیتے ہیں تو حق تعالیٰ اگر بے شمار عطا فرمائیں تو کیا تعجب ہے۔ حق تعالیٰ کی عطا تو دیکھیے کہ کس قدر دیتے ہیں۔ مصیبت پر الگ ثواب ہے' صبر پر جدا اجر ہے۔ مصیبت سے عافیت حاصل ہو اور شکر کرو تو اس پر الگ ثواب ہے مصیبت دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اس پر الگ ثواب ہے۔ پھر خلود ربا الگ کہ نعمتوں کو زوال ہی نہیں ہے۔

○○○○

مجالس حکیم الامت

انتظام وانضباط: ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ جب کوئی شخص ان سے مرید ہونے کے لیے آتا تو فوراً ملنے کے بجائے اتنی تاخیر کرتے تھے کہ کھانے کا وقت آ جائے۔ اور حکم یہ تھا کہ نئے مہمان کے پاس جب کھانا لے جائیں تو شیخ کو دکھلا کر لے جائیں اور جب واپس لائیں تو پھر دکھائیں۔ وہ بچے ہوئے کھانے سے یہ اندازہ لگاتے تھے کہ اس شخص کے مزاج میں انتظام و انضباط ہے یا نہیں مثلاً جتنی روٹی خرچ ہوئی ہے۔ اس کے مناسب سالن خرچ ہوا تو صحیح المزاج ہونے کی علامت ہے اور کمی بیشی ہوتی تو بدنظمی کی علامت۔ جس شخص سے بدنظمی اور بے سلیقہ ہونے کا مشاہدہ ہوتا اس سے عذر کر دیتے کہ ہمارے یہاں تمہیں نفع نہیں ہوگا۔ تمہارے مزاج میں بدنظمی ہے۔ کسی دوسرے شخص کی طرف رجوع کرو۔

فائدہ: نظم وضبط دین اور دنیا کے ہر کام میں مفید اور ضروری ہے۔

علماءِ دیوبند کی خدا ترسی: سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ قدس سرہ نے جب رد بدعات پر کچھ رسالے لکھے تو اہل بدعت کی طرف سے سب وشتم کی بوچھاڑ ہوئی۔ بعض مشہور اہل بدعت کی طرف سے بہت سے رسالے ان کے خلاف سب وشتم سے بھرے ہوئے یکے بعد دیگرے شائع ہوئے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی بینائی اس وقت نہیں رہی تھی۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ (والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ) حضرت رحمہ اللہ کے خادم خاص اور معتمد تھے۔ آنے والی ڈاک کو پڑھ کر سناتے اور پھر جواب لکھنے کی خدمت بھی ان کے سپرد تھی۔ ان میں وہ رسالے بھی ہوتے تھے جو ان حضرات کی طرف سے آتے تھے۔ کچھ دن ایسے گزرے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ نے ایسا کوئی رسالہ نہیں سنایا تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے پوچھا کہ مولوی یحییٰ کیا ہمارے دوستوں نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا ہے۔ بہت دنوں سے ان کا رسالہ نہیں آیا۔ مولانا یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ رسالے تو کئی آئے ہیں مگر وہ مجھ سے پڑھے نہیں جاتے۔ حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا ان میں گالیاں بھری ہیں آپ رحمہ اللہ نے اول تو

فرمایا اے میاں! کہیں دور کی گالی بھی لگا کرتی ہے؟ پھر فرمایا کہ وہ ضرور سناؤ ہم تو اس نیت سے سنتے ہیں کہ ان کی کوئی بات قابل قبول ہو تو قبول کریں ہماری کسی غلطی پر صحیح تنبیہ کی گئی ہو تو اپنی اصلاح کریں۔

فائدہ: یہ ہیں وہ حق پرست خدا ترس علماء جن کا کسی سے اختلاف ہوتا ہے تو خالص حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اور جو مخالفین کی سب وشتم کے وقت بھی جذبہ انتقام اور اپنے نفس کی مدافعت اور تاویلات ڈھونڈنے کے بجائے اپنی اصلاح اور حق طلبی کی راہ نکال لیتے ہیں۔

صالحین سے بھی غلطی ممکن ہے: حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے قرن اول کے صدر مدرس تھے۔ اوائل عمر میں ان کو سرکاری ملازمت کی نوبت آئی اجمیر شریف میں مدارس کے انسپکٹر مقرر ہوئے۔ وہاں ایک صاحب فن موسیقی کے بڑے استاد اور ماہر تھے' مولانا جامع علوم وفنون اور ہر فن میں بڑے محقق تھے۔ ہر علم وفن کے حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اس ماہر موسیقی سے یہ فن بھی سیکھ لیا اور اس فن میں بڑے ماہر ہو گئے۔

ایک روز اپنے بالا خانہ پر موسیقی میں مشغول تھے نیچے ایک مجذوب گزرے اور پکار کر کہا مولوی تیرا یہ کام نہیں تو دوسرے کام کے لیے ہے۔ یہ سننا تھا کہ اس کام سے تو بالکل نفرت ہوگئی اور اسی وقت توبہ کر لی۔ ان کی توبہ کی خبر ان کے استاد کو پہنچی تو اس نے بھی توبہ کر لی۔

فائدہ: صالحین سے بھی غلطی ہو سکتی ہے لیکن جب ان کو متنبہ کیا جائے تو فوراً باز آ جاتے ہیں۔

ایک بوجھ بجھکڑ کا قیاس: گاؤں کا ایک آدمی کھجور کے درخت پر چڑھ گیا اور اب وہاں سے اترنا چاہا تو گرنے کا خطرہ ہوا' شور مچایا کہ لوگو! میری جان بچاؤ کسی طرح یہاں سے اتارو' لوگ جمع ہو کر اپنے بوجھ بجھکڑ کے پاس گئے اور تدبیر پوچھی۔ اس نے کہا ایک مضبوط لمبا سا رسا لاؤ اور درخت کے اوپر پھینک دو اس شخص سے کہو کہ اپنی کمر میں باندھ لے پھر تم سب مل کر جھٹکا دو وہ نیچے آ جاوے گا۔ معلوم ہوتا ہے وہاں سب عقلمند لوگ ہی جمع تھے۔ اس کے کہنے پر پورا عمل کیا۔ کھجور پر چڑھا ہوا انسان ایک منٹ میں نیچے آ رہا۔ مگر ہڈی پسلی کوئی سالم نہ رہی اور دم توڑ دیا۔

یہ لوگ اپنے مرشد بوجھ بجھکڑ کے پاس دوڑے کہ وہ تو مر گیا۔ بوجھ بجھکڑ صاحب نے فرمایا کہ میں کیا کروں' اس کی موت آ گئی تھی اسے کون بچا سکتا تھا۔ ورنہ میری تدبیر میں تو بالکل سلامتی یقینی تھی۔ میں نے اس تدبیر کو بہت سے کنویں میں گرے ہوئے لوگوں پر استعمال کر کے ان کی

جان بچائی ہے۔ بوجہ بجھکڑ نے کنویں کی گہرائی پر کھجور کی بلندی کو قیاس کر لیا اور اس غلط قیاس کا نتیجہ سامنے آ گیا۔

فائدہ: مسلمان اللہ کے نزدیک بلندی پر ہیں کفار پستی میں ہیں۔ ان دونوں کی نجات کے لیے ایک ہی تدبیر مفید ہونا ضروری نہیں۔

حضرت قرشی مجذوم کی ایک کرامت: جامع کرامات الاولیاء طبع مصر میں ایک واقعہ عجیب حضرت قرشی مجذوم کا نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ ولی اللہ جذامی تھے اس لیے نکاح نہیں کرتے تھے کہ دوسروں کو تکلیف ہو گی۔ مگر جوان تھے طبعی تقاضے موجود تھے۔ ایک روز اس تقاضے کی بنا پر مریدوں سے کہا کہ اب ہم نے نکاح کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ آپ کہیں پیغام دو مگر اس طرح کہ ہمارا حال بیان کر دو۔ اگر کوئی عورت ان حالات کے باوجود نکاح پر راضی ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ صبر کریں گے۔

ایک مرید اٹھا اور اپنے گھر گیا اس کی ایک جوان بیٹی تھی اس سے پیر صاحب کا پورا حال بیان کر کے نکاح کے متعلق پوچھا۔ لڑکی نے خوش دلی سے کہا کہ میں راضی ہوں۔ یہ مرید خوش ہو کر واپس آیا اور قرشی مجذوم سے کہا کہ میری لڑکی راضی ہے۔ آپ نے پھر پوچھا کہ تم نے اس کے سامنے میری پوری حالت بتلا دی تھی یا نہیں؟ اس نے کہا بالکل واضح کر کے بتلا دی تھی مگر لڑکی نے کہا میں ان کی خدمت گزاری کو دینی سعادت سمجھ کر قبول کرتی ہوں۔ چنانچہ نکاح ہو گیا قرشی صاحب کرامات وتصرفات تھے لڑکی کی اس بلند حوصلگی کو سن کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جب میں اس کے پاس جاؤں تو میری صورت تندرست اور حسین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ جب گھر میں تشریف لے گئے تو ایک جوان رعنا کی صورت میں تھے۔ لڑکی نے ان کو دیکھ کر پردہ کر لیا اور کہا کہ تم کون ہو۔ قرشی مجذوم نے کہا میں تمہارا شوہر قرشی ہوں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ تو مجذوم ہیں تم وہ نہیں ہو تب حضرت قرشی نے واقعہ کرامت ذکر کر کے بتلایا کہ اب میں جب بھی تمہارے پاس آؤں گا اسی صورت میں آؤں گا۔

فائدہ: لڑکی کی عالی حوصلگی دیکھیے اس نے جواب دیا کہ افسوس آپ نے میری نیکی اور اس کے ثواب کو برباد کر دیا۔ میں نے آپ سے نکاح محض معذور سمجھ کر خدمت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے کیا تھا۔ دنیوی راحت اور خواہش نفسانی کے لیے نہیں۔ اب اگر اپنی اصل صورت میں مجھے ملنا

چاہو تو خادمہ ہوں ورنہ مجھے طلاق دے دیجیے۔ حضرت قرشی یہ سننے کے بعد اپنی اصلی ہیئت و صورت میں آ گئے اور لڑکی ان کے ساتھ اسی حالت میں رہنے لگی۔

ناموں کی تاثیر: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک رافضی نے اپنے خچروں کا نام ابو بکر اور عمر رکھا تھا (روافض کی ایسی ذلیل حرکتیں بہت معروف ہیں)۔ ایک روز ایک خچر نے لات مار کر اس رافضی کا پیٹ پھاڑ دیا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ وہ وہی خچر ہوگا جس کا نام اس نے عمر رضی اللہ عنہ رکھا تھا' اس نام کا یہی اثر ہونا چاہیے تھا۔ تحقیق کی گئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔

حضرت نے فرمایا کہ ناموں اور الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی ہے۔ ایک لڑکے کا نام والدین نے کلیم اللہ رکھا وہ اکثر بیمار رہتا تھا' میں نے اس کا نام بدل کر سلیم اللہ رکھا' اس وقت سے تندرست رہنے لگا۔ کیونکہ کلیم کے معنیٰ معروف مجروح اور زخمی کے ہیں۔

فائدہ: الفاظ اور ناموں میں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی ہے۔

مخالفین سے انتقام: حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بزرگ راستہ پر تشریف لے جا رہے تھے' ایک مرید ان کے ساتھ تھا۔ ایک کنویں پر گزر ہوا جہاں لوگ پانی بھر رہے تھے۔ ان میں ایک بڑھیا عورت بھی تھی اس نے ان بزرگوں کو دیکھ کر کچھ ناشائستہ الفاظ برائی کے کہے۔ ان بزرگ نے مرید سے کہا اس کو مارو' مرید حیرت میں رہا کہ یہ بزرگ کسی سے بھی انتقام نہیں لیتے اور اس وقت ایک عورت کو مارنے کے لیے فرما رہے ہیں شاید میں ان کی بات سمجھا نہیں۔ اس میں کچھ توقف ہوا تو یہ بڑھیا وہیں گر کر مر گئی۔ ان بزرگ نے مرید سے کہا کہ ظالم تو نے اس کا خون کیا۔ جب اس نے یہ کلمات کہے تو میں نے دیکھا کہ اللہ کا قہر اس کی طرف متوجہ ہوا اس کو اس قہر سے بچانے کا ایک ہی راستہ تھا کہ میں کچھ انتقام لے لوں۔ اس لیے مارنے کو کہا تھا۔ تم نے تاخیر کر دی جس کی وجہ سے عذاب نے اس کو پکڑ لیا۔

فائدہ: مخالفین سے انتقام یا صبر میں عارفین کا ضابطہ یہ ہے کہ ''اگر تمہیں کوئی ستائے تو تم نہ انتقام لو اور نہ صبر کرو۔'' مطلب یہ ہے کہ مکمل صبر کرنے سے بعض اوقات ستانے والے پر منجانب اللہ کوئی عذاب آ جاتا ہے اس لیے اس پر نظرِ شفقت کر کے معمولی سا انتقام لے لو۔

حضرت مولانا دیوبندی (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) نے حدیث لدود کی تشریح اسی اصول کی بنا پر فرمائی ہے۔ لدود اس دوا کو کہتے ہیں جو خاص طریقہ سے مریض کے حلق میں ڈالی جاتی ہے۔

واقعہ حدیث کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے صحابہ کرام میں باہم مشورہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لدود کیا جائے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ بعد میں اتفاقاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غشی ہوگئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا ایک طبعی امر ہے کہ مریض کو دوا سے کراہت ہوا کرتی ہے کوئی واجب التعمیل حکم نہیں ہے۔ اس لیے غشی کی حالت میں لدود کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو پوچھا کہ کس نے مجھے لدود کیا تھا اور فرمایا جس جس نے لدود میں شرکت کی ہے ان سب کو لدود کیا جائے چنانچہ ایسا کر دیا گیا۔

اس واقعہ میں بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفت کرنیوالوں سے اپنا انتقام لیا ہے حالانکہ آپ کی تمام عمر میں عادت کسی سے اپنے نفس کا انتقام لینے کی نہ تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس وقت غالباً انتقام لینا اس مصلحت سے تھا کہ یہ لوگ جن سے یہ مخالفانہ عمل سرزد ہوگیا ہے دنیا یا آخرت کے کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

وقت میں برکت: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عمر پر ان کی لکھی ہوئی تصانیف کو حساب سے تقسیم کیا جائے تو روزانہ سولہ جز کی تصنیف بنتی ہے جو کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی اور شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الیواقیت والجواھر'' میں فرمایا ہے کہ اس کتاب کے تین سو باب ہیں اور ہر باب کے لکھنے پر میں نے شیخ اکبر ابن عربی کی کتاب الفتوحات پوری مطالعہ کی ہے اور یہ پوری کتاب کئی ہزار صفحات کی ہے تو کتاب الیواقیت کی تصنیف میں پوری فتوحات کا مطالعہ تین سو مرتبہ ہوا۔ اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب میں نے تیس دن کے اندر تصنیف کی تو گویا روزانہ فتوحات کا مطالعہ دس دفعہ ہوا جس کے صفحات دو ہزار سے کم نہیں۔ اس طرح کے واقعات علماء، صلحاء اور بزرگان دین کے بہت معروف و مشہور ہیں۔

فائدہ: یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وقت میں اتنی بڑی وسعت کیسے پیدا ہو جاتی ہے۔ جب کہ گھنٹہ ساٹھ منٹ سے کسی کا نہیں بڑھتا اور شب و روز چوبیس گھنٹے سے نہیں بڑھتے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ وقت کا ایک تو طول ہے جس کو سب جانتے ہیں یہ گھنٹے منٹ اسی طول کا نام ہیں اسی طرح وقت میں ایک عرض (چوڑائی) بھی ہوتی ہے جو عام نظروں کو نظر نہیں آتی۔ یہ بزرگ اس وقت کے عرض میں بڑے بڑے کام کر لیتے ہیں۔

بچوں کی ذہانت کی ایک خاص مثال: ایک ریاست کے ہندو راجہ کا انتقال ہو گیا اس کی اولاد میں ایک نابالغ بچہ تھا جو اس کا جانشین ہونا چاہیے تھا۔ مرنے والے کے بھائی کو طمع ہوئی کہ ریاست مجھے ملنی چاہیے بچہ اس کو نہیں چلا سکتا' وزراء ریاست کی خواہش تھی کہ یہ بچہ ہی اپنے باپ، کی ریاست کا وارث بنے' معاملہ بادشاہ وقت عالمگیر رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش ہونا تھا۔ وزراء اس بچہ کو لے کر دہلی پہنچے اور راستہ میں بچہ کو محتمل سوالات کے جوابات سکھاتے رہے کہ بادشاہ تم سے یہ سوالات کریں تو تم یوں کہنا' جب وہ سب اپنی تعلیم ختم کر چکے اور دہلی پہنچے تو بچے نے وزراء سے کہا یہ سوالات و جوابات تو آپ نے مجھے بتلا دیئے اور میں نے یاد کر لیے لیکن اگر بادشاہ نے ان کے علاوہ کوئی اور سوال کر لیا تو کیا ہوگا۔ وزراء نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ اتنے عقل مند ہیں ورنہ راستہ میں ہم آپ سے کچھ بھی نہ کہتے۔ بس اب ہمیں فکر نہیں جس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے اس کو جواب بھی اللہ ہی سکھلائے گا۔ پھر ہوا یہ کہ جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو دربار برخواست ہو چکا تھا' عالمگیر رحمہ اللہ اپنے زنانہ مکان میں چلے گئے تھے۔ اس پر بچہ کے آنے کی اطلاع ملی تو اس کو اندر مکان ہی میں بلا لیا۔ اس وقت عالمگیر رحمہ اللہ گھر کے ایک حوض کے کنارہ پر تہبند باندھے ہوئے نہانے کے لیے تیار تھے۔ یہ بچہ حاضر ہوا تو ہنسی کے طور پر عالمگیر رحمہ اللہ نے بچہ کے دونوں بازو پکڑ کر حوض کی طرف اٹھایا اور کہا کہ ڈال دوں' بچہ یہ سن کر ہنس پڑا۔ بادشاہ نے ان کو نظر تادیب سے دیکھا تو بچہ بولا کہ مجھے ہنسی اس پر آ گئی کہ آپ کی ذات تو ایسی ہے کہ جس کی ایک انگلی پکڑ لیں اس کو کوئی دریا غرق نہیں کر سکتا' میرے تو آپ دونوں بازو تھامے ہوئے میں کیسے ڈوب سکتا ہوں۔ عالمگیر رحمہ اللہ نے اس کو گود میں اٹھا لیا اور ریاست اس کے نام لکھ دی۔

حضرت شاہ اسحاق صاحب اور ان کے ایک شاگرد عالم کی حکایت: حضرت شاہ اسحٰق صاحب رحمہ اللہ دہلوی جب حج کو تشریف لے گئے تو راستہ اجمیر کا اس لیے اختیار کیا کہ راستہ میں حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کے مزار پر حاضری ہو جاوے گی۔ اجمیر شریف میں حضرت شاہ صاحب کے ایک شاگرد تھے آپ نے ان کو اپنے آنے کی اطلاع دی تو شاگرد صاحب نے جواب میں لکھا کہ آپ یہاں تشریف نہ لائیں کیونکہ میں یہاں زیارت مزارات کے لیے شد رحال اور سفر کر کے جانے کو منع کرتا ہوں۔ کیونکہ لوگوں نے اس میں غلو بہت کر رکھا ہے۔ اگر آپ

تشریف لائے تو میں کس کس سے کہتا پھروں گا کہ حضرت یہاں مستقل سفر کر کے تشریف نہیں لائے بلکہ سفرِ حج کے راستے میں یہاں آنا ہوا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے پھر اس کے جواب میں لکھا کہ مجھ سے تو اس پر صبر نہیں ہوتا کہ اجمیر شریف کے راستہ میں سے گزروں اور مزار پر حاضری نہ دوں' البتہ آپ کی مصلحت بھی قابل رعایت ہے۔ اس لیے اس کی صورت یہ ہے کہ جب میں حاضر ہوں آپ ایک مجلس وعظ منعقد کریں اور اس میں زیارت قبور کے لیے شدِ رحال اور مستقل سفر کرنے کی مخالفت بیان کریں میں بھی اسی مجلس میں شریک ہوں گا اور ختم وعظ پر میں اعلان کروں گا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے توبہ کرتا ہوں۔

فائدہ: حضرت نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو لوگ وہابی کہتے ہیں۔ حالانکہ ایسا عاشقوں کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ (احقر جامع کہتا ہے) کہ استاد شاگرد کے درمیان بے تکلفی اور دین کی فکر و اہتمام بھی اس واقعہ میں قابل تقلید ہے۔ (مجالس حکیم الامت' ص ۱۷۲)

کسی بزرگ کا الہام قطعی نہیں: ایک بزرگ ایک شہر میں تشریف لائے تو ایک بزرگ جو اسی شہر میں رہتے تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ آنے والے بزرگ کی زیارت کے لیے جائے۔ الہام ہوا کہ مت جاؤ تو بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ارادہ ہوا تو پھر یہی الہام ہوا کہ مت جاؤ' پھر بیٹھ گئے۔ تو تیسری مرتبہ پھر یہی داعیہ پیدا ہوا کہ اٹھے دو چار قدم چلے تھے کہ ٹھوکر کھا کر گرے اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آنے والے بزرگ بدعات میں مبتلا تھے۔ ان کے وہاں جانے سے عام مسلمانوں کو ضرر پہنچتا۔

فائدہ: اپنے الہام کی مخالفت سے اس طرح کی تکلیف تو پہنچ جاتی ہے مگر آخرت میں کوئی عذاب نہیں ہوتا اور فرمایا کہ یہ حال اجتہادی غلطی کا ہے کہ اس پر عتاب نہیں ہوتا مگر بعض اوقات تکلیف پہنچ جاتی ہے۔

حضرت شاہ اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کا واقعہ: حضرت شاہ اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صاحب ملنے آئے اور آپ سے ایک ایسے شخص کی سفارش کرنے کی درخواست کی کہ جو شاہ صاحب کا مخالف تھا۔ شاہ صاحب نے فوراً سفارش لکھ دی۔ جب وہ شخص شاہ صاحب کا خط لے کر اس کے پاس پہنچا تو اس گستاخ نے اس خط کو موڑ کر ایک بتی سی بنا دی اور کہا کہ لے جاؤ۔ شاہ

صاحب سے کہو کہ اس کو اپنی فلاں جگہ رکھ لو۔ (گالی دی) یہ شخص بھی عجیب تھا یہ سیدھا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس واپس آیا اور جو الفاظ اس نے کہے تھے وہ نقل کر دیئے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ میرے اس عمل سے تیرا کام ہو جائے گا تو اس میں بھی تامل نہ کرتا' مگر میں جانتا ہوں کہ یہ ایک لغو حرکت ہے۔ یہ شخص یہاں سے پھر اس شخص کے پاس پہنچا اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کو سنا دیا اب تو اس شخص پر وجد طاری ہو گیا اور فوراً حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لی اور مرید ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نواب محمود علی کے پاس ہر سال جاتے تھے اور لوگوں کی سفارشیں ایک بیاض میں لکھتے رہتے تھے۔ جب ملنا ہوتا تو یہ لمبی فہرست سفارشوں کی سنا دیتے اکثر کو نواب پوری کرتے اور بعض سے عذر کر دیتے مگر یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ ایک مرتبہ نواب صاحب کو کہنا پڑا کہ حضرت آپ اتنی زیادہ سفارشیں نہ لایا کریں۔ مولانا نے فرمایا کہ ٹھیک ہے مگر پھر مجھے حاضری سے بھی معذور سمجھیں کیونکہ میری تو حاضری کی وجہ بھی یہی ہے کہ آپ کو لوگوں کے حالات اور حاجات کی اطلاع دے دوں۔ اگر اسی سے گرانی ہے تو میں حاضری سے معذور ہوں البتہ میں یہ نہیں کہتا کہ سب سفارشیں پوری ہی کرو میرا کام پہنچا دینا ہے آگے آپ کا کام ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اس کے ذریعہ بے وسیلہ لوگوں کی بات بڑوں تک پہنچ جانے کا فائدہ بھی ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ جس سے سفارش کی جائے اس کو ایذا نہ پہنچے اس کو اپنے اثر سے قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ بلکہ اپنے قول و عمل سے بتلا دیا جائے کہ سفارش قبول نہ ہو گی تو بھی مجھے کوئی گرانی نہیں ہو گی۔ ایسی سفارش تو مستحب ہے اور جس میں دوسرے شخص کے اختیار کو اپنے اثر و رسوخ سے سلب کر لیا جائے یہ ناجائز ہے۔

بزرگان دین کا حلم (بردباری): ایک بزرگ کو ایک شخص گالیاں دیا کرتا تھا اور وہ ہدایا بھیجتے تھے پھر اس نے گالیاں دینی چھوڑ دیں تو انہوں نے بھی ہدایا بھیجنے چھوڑ دیئے۔ اس نے سبب پوچھا تو فرمایا بھائی یہ تو لین دین کا معاملہ ہے پہلے تم ایک چیز ہمیں دیتے تھے۔ اس کے بدلے میں ایک چیز ہم تمہیں دیتے تھے۔ تم نے وہ دینی چھوڑ دی تو ہم نے بھی چھوڑ دی۔

حکایت: حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلی کے صاحب زادہ مصطفےٰ سے یہ حکایت سنی تھی کہ ایک بزرگ حلم و بردباری میں مشہور تھے۔ ایک شخص ان کا حلم آزمانے کے لیے ان کے دروازہ پر گیا اور دستک دے کر ان کو بلایا۔ وہ تشریف لائے تو اس شخص نے کہا کہ میں آپ کی والدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ ایسی حسین ہیں اور ایک فحش سراپا بیان کر دیا۔ وہ بزرگ یہ سب سنتے رہے۔ جب ختم کر چکا تو کہا کہ بہتر ہے مگر وہ عاقلہ بالغہ ہیں اپنے معاملہ کی مختار ہیں میں ان سے دریافت کرلوں وہ چاہیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے یہ کہہ کر گھر کی طرف بڑھے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس شخص کا سر کٹا پڑا تھا انہوں نے دیکھا تو کہا قتلہ صبری اس کو میرے صبر نے قتل کر دیا۔

اسی لیے ایک نیم مجذوب نے یہ نصیحت کی کہ جب تمہیں کوئی برا کہے تو نہ انتقام لو اور نہ صبر کرو۔ مطلب یہ ہے کہ پورا انتقام نہ لو اور پورا صبر نہ کرو۔ کچھ کہہ لو تا کہ وہ قہر خداوندی سے بچ جائے۔

ایک واعظ کی دلیری: ایک واعظ کی مجلس میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ شریک تھے۔ واعظ نے بہت سی احادیث غلط سلط امام احمد حنبل رحمہ اللہ کے حوالہ سے بیان کیں، یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے رہے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ جب وعظ ختم ہوا تو امام احمد بن حنبل آگے بڑھے اور واعظ سے پوچھا کہ آپ احمد بن حنبل کو جانتے ہیں؟ تو کہا ہاں جانتا ہوں، پھر فرمایا کہ مجھے بھی جانتے ہو؟ کہا کہ نہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ میں ہی احمد بن حنبل ہوں۔ واعظ نے بڑی دلیری سے کہا کہ خوب کہا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ احمد بن حنبل آپ ہی ہیں معلوم نہیں کتنے آپ جیسے احمد بن حنبل دنیا میں موجود ہیں۔

بزرگوں کی روحانیت: حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ! یہ دونوں حضرات حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار پر اکثر حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عبد الرحیم صاحب رحمہ اللہ کو یہ خیال ہوا کہ میں تو یہاں کثرت سے حاضر ہوتا ہوں معلوم نہیں کہ حضرت نظام الاولیاء کو ہمارے آنے کی خبر بھی ہوئی یا نہیں؟ اس کے بعد ایک روز مزار پر تشریف لے گئے اور مزار کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت سلطان الاولیاء کی روحانیت کو متشکل موجود دیکھا کہ وہ یہ شعر نظامی کا پڑھ رہے ہیں۔

من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن خویشتن چوں پندار مرا زندہ

شاہ عبدالرحیم صاحب موصوف میر زاہد کے شاگرد تھے۔ زمانہ تعلیم میں ایک روز شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قطعہ پڑھتے ہوئے جا رہے تھے مگر تین مصرعے یاد تھے چوتھا یاد نہ آتا تھا کہ یکا یک بزرگ صورت آدمی سامنے آئے اور ان کا بھولا ہوا مصرعہ پڑھ دیا وہ یہ تھا (علمے کہ رہ نماند جہالت ست) اور آگے چل دیئے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوڑ کر ان کا ہاتھ پکڑا اور پوچھا آپ کا اسم شریف؟ تو فرمایا مصلح الدین شیرازی۔

سماع کی حقیقت: حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سلطان نظام الدین اولیاء کے مزار پر مراقب تھے کہ حضرت نظام الدین الاولیاء کی روحانیت متشکل ہو کر سامنے آئی۔ حضرت شاہ صاحب نے پوچھا کہ سماع کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ آپ شعر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ "کلام حسنه حسن و قبیحه قبیح۔" یعنی شعر ایک کلام ہے جو کلام اچھا ہے وہ اچھا ہی ہے اور جو برا ہے وہ برا ہے۔ پھر فرمایا کہ خوش آوازی کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یزید فی الخلق ما یشآء کی تفسیر بعض حضرات نے حسن صوت (خوش آوازی) سے کی ہے پھر فرمایا اگر دونوں جمع ہو جائیں تو؟ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ نور علی نور یهدی الله لنوره من یشآء۔ حضرت نظام الاولیاء نے فرمایا کہ بس سماع کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نظام الاولیاء قدس سرہ سے جو سماع ثابت ہے اس میں مزامیر نہ تھے صرف خوش آوازی سے اشعار پڑھنا تھا۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کشف: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرض وفات میں تھے تکلیف بڑھی تو لوگ گھبرانے لگے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا گھبراؤ نہیں۔ یہ دس سال اور زندہ رہیں گے مگر پھر اسی مرض میں مولانا کی وفات ہو گئی۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کا کشف غلط ہو گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ کشف تو دراصل صحیح تھا مگر مجھے سمجھنے میں غلطی ہو گئی وہ یہ کہ میں نے بذریعہ کشف مولانا کی عمر کے متعلق حال دریافت کرنا چاہا تو لفظ مہدی منکشف ہوا میں نے اس سے حروف کے اعداد سمجھے جو ۵۹ ہوتے ہیں مولانا کی عمر اس وقت ۴۹ سال تھی اس لیے میں نے کہہ دیا کہ دس سال ابھی اور زندہ رہیں گے مگر بعد

میں ثابت ہوا کہ لفظ مہدی کے حروف کے اعداد مراد نہ تھے بلکہ حضرت مہدی کی عمر مراد تھی اور ان کی عمر ۴۹ سال ہوگی اس کے مطابق ان کی وفات ہوگی۔ اور فرمایا کہ میں نے یہ دعا بھی کی تھی کہ یہ بزرگ نافع خلائق ہیں۔ میری عمر میں سے کچھ ان کی عمر میں اضافہ کیا جائے مگر یہ دعا قبول نہ ہوئی۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ دونوں بزرگ کوئی استاد شاگرد یا پیر مرید نہ تھے بلکہ ہم سبق' ہم مکتب معاصر اور پیر بھائی تھے۔ مگر ان کا عمل اپنے معاصرین کے حق میں یہ تھا تو اپنے بڑوں کے حق میں کیسا ہوگا۔

عوام کو مغالطہ سے بچانے کا اہتمام: حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بنیا پر ڈگری مع سود کے ہوگئی اور سود بھی کافی مقدار آٹھ سو روپیہ تھا مولانا نے سود کے لینے سے انکار فرما دیا سب جج جو ایک مولوی آدمی تھے انہوں نے مولانا سے کہا کہ درمختار میں تو یہ لکھا ہے کہ لا ربی بین المسلم و الحربی یعنی مسلمان اور حربی کافر کے درمیان سود کا معاملہ بحکم سود نہیں (تو اس کافر بنیا کو آپ کیوں رقم چھوڑتے ہیں) حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہ مسئلہ تو مجھے بھی یاد ہے۔ مگر درمختار بغل میں دبائے کہاں کہاں پھروں گا' لوگوں میں تو چرچا یہ ہوگا کہ شیخ محمد نے سود لیا۔

اہل کمال کے پہچاننے کا طریقہ: ایک مرتبہ بادشاہ نے حجام کو خط بنانے کے لیے طلب کیا وہ اس وقت حاضر نہ ہو سکا۔ یہ بڑا پریشان ہوا کہ اب اس کی تلافی کیسے کروں۔ خدام شاہی سے بات کر لی کہ جب بادشاہ سو جائیں تو مجھے موقع دیں کہ خط بنا دوں۔ خدام شاہی نے اس کی ہمدردی کی وجہ سے اس کو منظور کر لیا۔ اس نے پہنچ کر سوئے ہوئے بادشاہ کا خط اس طرح بنا دیا کہ اس کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ وہ بیدار ہوئے تو خط بنا ہوا دیکھا اور درباریوں سے پوچھا تو انہوں نے پورا واقعہ سنا دیا۔ بادشاہ اس کے کمال سے خوش ہوئے اور اس کو استاد کا شاہی خطاب دیا گیا۔ یہ معاملہ شہر میں مشہور ہوا تو ان کے رشتے برادری کی عورتیں ان کے گھر میں بیوی کو مبارکباد دینے کے لیے جمع ہوگئیں۔ جب بیوی کو معاملہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک بڑی دانشمندانہ بات کہی۔ وہ یہ کہ یہ خطاب اگر حجاموں کی برادری یا کسی ماہر حجام کی طرف سے ملتا تو مجھے خوشی ہوتی کہ وہ اس کے کمال کی دلیل تھی۔ بادشاہ اس فن کو کیا جانے' اس کے لقب و خطاب دینے سے میرے نزدیک اس کی کوئی عزت نہیں بڑھی۔

سرسید اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: جس زمانہ میں سرسید نے علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی ہے اسی زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اکابر علماء نے رکھی۔ سرسید کو خبر ملی تو کہنے لگے کیا ہوگا مسجدوں کے ٹکڑے کھانے والے اور دو چار بڑھ جائیں گے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم کے قرن اول میں اس کے صدر مدرس تھے ان کو سرسید کا یہ جملہ پہنچا تو دعا کی کہ یا اللہ اس کا عملی جواب تو آپ ہی دے سکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس مدرسہ کا پڑھا ہوا کوئی آدمی دس روپے سے کم کا ملازم نہ ہوگا۔

فائدہ: اب سے تقریباً سو سال پہلے کی بات ہے جب کہ اس وقت دس روپے آج کل کے پانچ سو روپے کے برابر تھے مراد غالباً یہ تھی کہ وہ معاشی پریشانی کا شکار نہ ہوگا۔

اخلاص کا نور: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بزرگ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہدیہ لانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ راستہ میں خشک لکڑیوں کا ایک گٹھا باندھا وہ لا کر بطور ہدیہ پیش کر دیا۔ ان بزرگ نے ان کی اتنی قدر کی کہ ان لکڑیوں کو احتیاط کے ساتھ رکھا اور وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد غسل کے لیے جو پانی گرم کیا جائے وہ اسی سوختہ سے کیا جائے۔

فائدہ: جو چیز حب فی اللہ کی بنا پر اخلاص کے ساتھ آئے اس میں نور ہوتا ہے اس کو ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ کیونکہ جو چیز اخلاص سے دی جاتی ہے اسی کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

مامون رشید کا ایک عبرت آموز واقعہ: ایک شخص خلیفہ ہارون رشید کے صاحب زادے مامون رشید کے پاس آیا اور حج ادا کرنے کے لیے ان سے روپیہ مانگا۔ مامون رشید نے کہا کہ اگر تم صاحب مال ہو تو سوال کیوں کرتے ہو اور صاحب مال نہیں تو تم پر حج فرض نہیں۔ اس نے کہا کہ میں آپ کو بادشاہ سمجھ کر آیا ہوں مفتی سمجھ کر نہیں آیا' مفتی تو شہر میں آپ سے زیادہ اچھے موجود ہیں۔ آپ مجھے فتویٰ نہ سنائیں جو دے سکتے ہیں دیجیے ورنہ انکار کر دیجیے۔ مامون رشید کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی اور حج کے لیے رقم دے دی۔

شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی لڑکی کا بے مثال زہد: ایک بزرگ شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے' وہ بھی سلطنت چھوڑ کر درویش بن گئے تھے مگر ان کی عزت وجاہ' ملوک وسلاطین علماء وصلحاء میں بہت زیادہ تھی۔ ان کی ایک لڑکی جوان تھی اور یہ چاہتے تھے کہ کسی دین دار آدمی سے اس کا نکاح

کر دیں۔اس زمانہ میں دینداری کی بڑی علامت احسان الصلوۃ تھی یعنی نماز کو پورے آداب اور خشوع کے ساتھ اس طرح ادا کرنا کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یا خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔

شاہ شجاع نیک صالح آدمی کی تلاش میں تھے۔ایک روز مسجد میں ایک نوجوان کو دیکھا کہ اچھی طرح خشوع خضوع سے نماز پڑھ رہا ہے۔اسی وقت ارادہ کرلیا کہ اس سے نکاح کریں گے۔جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس کے پاس جا کر سلام کیا اور حال پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں کیا خاندان ہے۔معلوم ہوا کہ شریف آدمی ہیں مگر غریب اور مفلس۔

شاہ شجاع نے اس سے پوچھا آپ کی شادی کہیں ہوگئی ہے یا نہیں۔اس نے کہا اجی میں ایک بہت غریب اور مفلس آدمی ہوں مجھے کون اپنی لڑکی دینے لگا ہے۔انہوں نے کہا کہ ناامید کیوں ہوتے ہو تم نے کہیں کوئی پیغام بھی دیا ہے۔اس نے کہا کہ جب مجھے معلوم ہے کہ میرا پیغام رد کیا جاوے گا تو کیوں خواہ مخواہ پیغام دے کر رسوا ہوں۔انہوں نے فرمایا کہ اچھا تم اس پر راضی ہو کہ شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی لڑکی کی شادی تم سے ہو جائے تو نوجوان نے کہا کہ حضرت کیوں میرے ساتھ دل لگی کرتے ہیں۔کہاں میں کہاں شاہ شجاع۔نام بھی لوں گا تو پٹوں گا۔اب انہوں نے ظاہر کر دیا کہ میں ہی شاہ شجاع کرمانی ہوں اور اپنی لڑکی کا عقد تم سے کرنا چاہتا ہوں۔اس پر بھی نوجوان نے کہا کہ آپ اگر راضی ہیں تو کیا ضروری ہے کہ لڑکی راضی ہو جائے۔فرمایا کہ میں اس سے دریافت کر چکا ہوں وہ راضی ہے اب تو نوجوان نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میں کہاں اس قابل تھا۔

شاہ شجاع نے اسی وقت نکاح پڑھا اور اسی وقت کوئی چادر یا برقعہ اڑھا کر لڑکی کو اٹھا کر اس نوجوان کے گھر لے گئے جو ایک شکستہ مکان تھا کسی سامان کا نام ونشان نہ تھا۔لڑکی دروازے کے اندر داخل ہوئی تو اپنے والد شاہ شجاع سے کہا کہ ابا جان آپ نے مجھے کہاں ڈبو دیا ہے۔نوجوان نے سن کر کہا کہ دیکھیے میں آپ سے کہتا تھا کہ لڑکی میری ایسی تنگ دستی کی حالت پر کیسے راضی ہو سکتی ہے۔اب تو لڑکی خود بولی کہ آپ نے کیا سمجھا ہے کہ میں نے اپنے والد صاحب سے کسی چیز کی شکایت کی ہے۔

بات یہ ہے کہ میرے والد نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہارا نکاح ایک زاہد شخص کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں میں اس پر راضی ہوگئی۔مگر جب میں آپ کے گھر میں داخل ہوئی تو ایک گھڑے

پر باسی روٹی رکھی ہوئی نظر آئی' میں نے اس کو زہد کے خلاف سمجھا کہ روٹی باسی بچا کر رکھی جائے اسی لیے والد صاحب سے شکایت کی کہ مجھ کو کہاں ڈبو دیا' یہ آدمی زاہد نہیں ہے باسی روٹیاں اٹھا کر رکھتا ہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ میرا آج روزہ ہے خیال یہ تھا کہ شام کو افطار کے لیے باسی روٹی اٹھا کر رکھ دوں کہ تکلیف نہ ہو' لڑکی نے کہا کہ میرے نزدیک یہی تو زہد و توکل کے خلاف ہے۔ جس کے لیے روزہ رکھا ہے اس پر اطمینان نہیں وہ افطاری بھی دے گا' سبحان اللہ!

فائدہ: اس حکایت سے یہ غرض نہیں ہے کہ عورتوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جائے۔ لیکن اس کے سننے سے انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ اس میں عقل کام نہیں دیتی' جب باطن کی دولت نہ عطا ہو یہ زمانہ ضعف کا ہے۔ سالکین کے لیے سہولت بہم پہنچانے کا ہے بقدر ضرورت سامان کر لینا خلاف زہد نہیں۔ مگر ان اعلیٰ زہد والوں سے کم از کم محبت و عقیدت تو رکھنی چاہیے۔

ایک عجیب حکایت: ایک صاحب کشف بزرگ ایک بستی میں پہنچے۔ لوگوں نے بیان کیا کہ یہاں ایک صراحی ایسی ہے جس میں کسی موسم میں کسی وقت پانی ٹھنڈا نہیں ہوتا' گرم ہی رہتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ صراحی آج رات میرے پاس چھوڑ دو۔ لوگ صبح کو آئے تو صراحی ان کے حوالے کر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ اب دیکھو اس کا پانی ٹھنڈا ہے یا نہیں۔ دیکھا گیا تو پانی ٹھنڈا تھا۔ جب مجھے یہ منکشف ہوا تو میں نے اس مردہ کے لیے دعائے مغفرت کی' حق تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی اور وہ عذاب کا اثر جاتا رہا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض اوقات برزخ کے آثار عذاب کو حق تعالیٰ کسی حکمت و مصلحت سے اس عالم میں بھی ظاہر فرما دیتے ہیں جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا۔ مصلحت یہ معلوم ہوئی کہ اس مردہ کو ان کی دعائے مغفرت سے فائدہ پہنچ گیا۔

حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت:

ریاست بھوپال میں نواب صدیق حسن خان صاحب نے ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی اور چاہا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا مہتمم اور حضرت محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو صدر مدرس بنا دیں۔ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تنخواہ تین سو روپے اور مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک صد روپے ماہوار تجویز کر کے ان سے درخواست کی گئی۔ دونوں میں سے کسی کا ارادہ یہاں جانے کا

نہیں ہوا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب لکھ دیا کہ میں اس وقت مطبع مجتبائی میں تصحیح کی خدمت انجام دیتا ہوں۔ جس پر مجھے دس پر روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے جو میری ضرورت سے زائد ہے۔ پانچ روپے میں میرا مع اہل وعیال کا خرچ پورا ہو جاتا ہے۔ باقی روپے کی فکر رہتی ہے کہ انہیں کہاں خرچ کروں۔ خدا تعالیٰ ان طالب علموں کا بھلا کرے کہ یہ میری اس فکر کی کفالت کر لیتے ہیں' ان پر خرچ کر کے سبکدوش ہو جاتا ہوں۔ آپ نے تین سو تنخواہ لکھی ہے کہ اگر میں اس کو قبول کر لوں تو دو سو پچانوے کی فکر میرے سر پڑے گی۔ یہ میرے لیے ناقابلِ تحمل ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر فرمایا کہ بات جو لکھنے کی تھی وہ تو آپ نے لکھ دی اب میں کیا لکھوں؟ پھر فرمایا کہ میں لکھتا ہوں کہ میں اس شرط سے آتا ہوں کہ تین سو ماہوار تنخواہ ہوگی اور کوئی پابندی مجھ پر عائد نہ ہوگی۔ جب چاہوں گا میں اپنے وطن آ جایا کروں گا۔ دونوں کی یہ تحریریں پہنچیں تو ان سے وہی سمجھا گیا جو لکھنے والوں کا مقصود تھا کہ یہ آنے کے لیے تیار نہیں۔

فائدہ: نواب صدیق حسن خان صاحب اہل حدیث میں سے تھے مگر مدرسہ کے لیے ان بزرگوں کو باوجود اختلاف مسلک کے دعوت دینا ان کا حق شناسی' فراخ حوصلگی اور ان حضرات کی مقبولیت کی علامت ہے۔

مسبب اتفاقی: ایک گاؤں میں خون ہو گیا تھا۔ قاتل نے لاش کو دیوار میں رکھ کر چنوا دیا۔ تحقیقات میں بے حد سعی کی گئی' مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک انسپکٹر جو تحقیقات میں کامل تھے انہیں یہ خدمت سپرد کی گئی۔ اب دیکھیے کس طریق سے پتہ چلا ہے۔ اس طریق کو سن کر بے ساختہ کہہ اٹھو گے کہ یہ سب امور حق تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ اسباب کی طرف محض ظاہری نسبت ہے

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں — مصلحت را تہمتے بر آ ہوئے چین بستہ اند

''مشک افشانی درحقیقت تمہاری زلفوں کا عمل ہے مگر عاشقوں نے مصلحتاً آہوئے چین کے سر پر یہ تہمت لگا دی ہے۔''

کوئی کسی علم میں کسی عمل میں کامل نہیں سب ناقص ہیں۔ چنانچہ باوجود مزید تحقیقات کے ان انسپکٹر کو بھی کچھ پتہ نہ چلا۔ انسپکٹر نہایت پریشان صدر سے تاکید پر تاکید اب دیکھیے کہ اتفاقیہ کیا سامان ہوتے ہیں۔ گرمیوں کے دن تھے' دھوپ سے پناہ لینے کے لیے انسپکٹر اسی دیوار کے سایہ میں ایک چارپائی پر آرام کرنے کے لیے آ بیٹھے۔ تمازت آفتاب سے حرارت کا اثر لاش پر ہوا اور

رطوبات بہ کر نکلنے لگیں اور مکھیوں کا اجتماع ہوا۔ انسپکٹر نے جب مکھیوں کی کثرت دیوار پر دیکھی تو فوراً دماغ میں یہ بات آئی اور ذہن دفعتہً متوجہ ہوا کہ شاید رطوبت اسی لاش کی ہو۔ فوراً دیوار کھدوا ڈالی' لاش برآمد ہوگئی بڑے نیک نام اور مشہور ہوئے۔

فائدہ: بتلایئے کہ انسپکٹر صاحب کا کیا کمال ہے اور ذہن کا اس جانب متوجہ ہونا یہ کون سا اختیاری امر ہے۔ واللہ ادنیٰ سے ادنیٰ مقدمہ کا نکالنا بڑے سے بڑے دانشمند کا بھی کام نہیں' سب امور اتفاقی ہیں جن کو ہم اسباب عادی سمجھتے ہیں وہ واقع میں اسباب اتفاقی ہیں۔

غذاء مناسب: ہمارے ماموں صاحب کے پاس ایک یہاں ہی کا باشندہ گنوار جنگل سے دوڑا ہوا آیا۔ ماموں صاحب مدرسہ کی کھڑکی میں بیٹھے تھے۔ جو جنگل کی طرف کھلتی تھی' کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر بولا ایک مصرع سمجھ میں آیا ہے اس کا جوڑ لگا دو۔ اور یہ مصرع پڑھا ''سنو دوستو ہے عجب ماجرا۔'' دوسرا سمجھ میں نہیں آیا۔ جیسے اکبر بادشاہ کے یہاں مشاعرہ تھا۔ فیضی بھی جا رہا تھا۔ ایک گنوار ملا اور فیضی سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔ فیضی نے کہا کہ مشاعرہ میں' بولا مشاعرہ کس کو کہتے ہیں۔ اس نے کہا تک' سے تک ملانے کو' کہنے لگا اب کے ہم بھی آویں گے اور تک سے تک ملا کر لاویں گے۔ چنانچہ اگلے ہفتہ میں آیا اور پھر فیضی سے ملا اور کہا کہ ایک مصرع تو میں نے بنا لیا ہے مگر دوسرا نہیں بنتا تم بنا دو اور یہ مصرع پڑھا مصرع املی کا پتہ سبج (سبز) فیضی نے اس پر مصرعہ لگا دیا مصرع آبج ھطی سعفص (ہوز) چنانچہ وہ گنوار مشاعرہ میں آیا اور اکبر بادشاہ کے سامنے مشاعرہ میں اس نے وہی شعر پڑھا۔ اکبر نے کہا کہ پہلا مصرع تو بہت اچھا ہے مگر دوسرا واہیات ہے۔ تو وہ گنوار فیضی کی طرف اشارہ کر کے کیا کہتا ہے کہ یہاں اس کی ماں نے ایسا تیسا کرایا تھا اور پہلا مصرع میرا ہے۔

اسی طرح ہمارے ماموں صاحب کے پاس آ کر اس نے یہ مصرع پڑھ کر دوسرا بنوانا چاہا۔ مصرع۔ ''سنو دوستو ہے عجب ماجرا۔'' تو ماموں صاحب فی البدیہہ کیا کہتے ہیں۔ مصرع۔ کہ ''کھایا تھا منڈوا ہگا باجرا۔'' وہ خفا ہو کر چلا گیا۔

ایک چودھری کی حکایت: ایک چودھری صاحب کسی تحصیلدار صاحب کے یہاں آئے۔ تحصیلدار نے کہا کہ ہمارے قبلہ گاہی صاحب تشریف لائے ہیں۔ اس لیے اس وقت ہم کو فرصت نہیں۔ وہ چودھری صاحب اٹھ کر چلے گئے اور اپنے لڑکوں میں بیان کیا کہ تحصیلدار کے یہاں

کبلہ گائے آئی ہے۔ لڑکے شوق میں اٹھ کر دیکھنے چلے اور چونکہ احتمال تھا شاید کوئی حملہ آور گائے ہو اس لیے لٹھ بھی لے لیے غرض سب لوگ جمع ہو کر لٹھ لے کر تحصیلدار کے یہاں آئے۔ تحصیلدار دیکھ کر سمجھے کہ شاید چودھری جی خفا ہو گئے پوچھا کہ چودھری صاحب کدھر آئے' چودھری جی نے کہا نہیں یہ لونڈے کبلہ گائے دیکھنے آئے ہیں۔ تحصیل دار نے کہا لاحول ولا قوۃ۔ وہ تو ہمارے والد صاحب ہیں' چودھری جی بولے کہ پھر کبلہ گائے کیوں کہہ رہے تھے سیدھا یوں نہیں کہا کہ ہمارا ابا پو آیا ہے۔

ایک سرحدی دیہاتی کی حکایت: ایک سرحدی دیہاتی نے قانون ریلوے کی تفسیر کی تھی کہ وہ ریل سے ایک من بھر کشمش کا بورا لے کر بغل میں دبائے نکلا جب پلیٹ فارم کے دروازے پر پہنچا تو ٹکٹ بابو نے اس کو ٹوکا کہ ٹکٹ لاؤ۔ اس نے ٹکٹ دکھایا' بابو نے کہا اس سامان کی بلٹی دکھاؤ' اس نے پھر وہی ٹکٹ دکھا دیا کہ یہی ہمارا ٹکٹ ہے اور یہی ہمارے سامان کا ٹکٹ ہے۔ بابو نے کہا نہیں یہ سامان پندرہ سیر سے زیادہ ہے اس کے لیے جدا ٹکٹ کی ضرورت ہے۔ تو سرحدی صاحب کیا فرماتے ہیں کہ نہیں ریلوے نے پندرہ سیر کا قانون اس لیے مقرر کیا ہے کہ ہندوستانی آدمی اس سے زیادہ نہیں اٹھا سکتا اور حقیقت میں اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ جتنا اسباب مسافر خود اٹھا سکے وہ معاف ہے اور جو اس سے زیادہ ہو جس کے لیے مزدور کی ضرورت ہو اس پر محصول لگایا جائے گا۔ چونکہ ہندوستانی آدمی پندرہ سیر سے زائد خود نہیں اٹھا سکتا اس لیے پندرہ سیر کی تعیین کر دی گئی اور ہم لوگ من بھر سے زیادہ خود اٹھا سکتے ہیں اس لیے ہمارا یہی پندرہ سیر ہے۔

روپیہ مسجد میں لگا دیا: ایک شخص مسجد کے لیے چندہ کیا کرتا تھا جہاں تھوڑا جمع ہو گیا اسے بیٹھ کر کھا پی لیا پھر چندہ مانگنے لگا۔ جب کوئی اس سے پوچھتا کہ پہلا روپیہ کہاں گیا تو قسم کھا کر کہہ دیتا کہ مسجد میں لگا دیا۔

اس کے ایک پڑوسی نے کہا کہ ظالم تو جھوٹی قسم تو نہ کھایا کر' مسجد میں تو کہاں لگاتا ہے' تو آپ نے اس سے کہا کہ آؤ میرے ساتھ چلو دکھلاؤں' پھر مسجد میں جا کر روپیہ کو دیوار سے لگا دیا اور کہا میں اس پر قسم کھایا کرتا ہوں کہ مسجد میں لگا دیا' بس دیوار سے روپیہ کو لگا دیتا ہوں۔

فائدہ: یاد رکھیے بعض کتب فقہ میں ہے کہ ایک دانگ کے بدلہ میں جو غالباً تین پیسہ کا ہوتا ہے سات سو مقبول نمازیں لی جائیں گی۔ دنیا میں گل چھرے اڑا لیں آخرت میں بھگتنا

پڑے گا۔

حرص بری بلا ہے: ایک مقام میں ایک مدعی اجتہاد عالم نے ساس کو حلال کر دیا۔ ایک شخص کو اپنی ساس سے تعلق ہو گیا تھا' کم بخت نے بیوی کو چھوڑ کر اس سے نکاح کرنا چاہا' علماء سے فتویٰ لیا سب نے یہی کہا کہ ساس سے نکاح حرام ہے مگر ایک عالم نے ایک ہزار روپیہ لے کر فتویٰ دے دیا کہ حلال ہے مگر چونکہ ساس کا حرام ہونا نص قطعی سے ثابت ہے **وامھات نسآئکم** اس لیے آپ نے ایک تاویل نکالی کہ آج کل عورتوں میں جہالت زیادہ ہے جس کی وجہ سے بعض کلمات ان کی زبان سے ایسے نکل جاتے ہیں جن کی وجہ سے ایمان زائل ہو جاتا ہے تو اس کی منکوحہ سے بھی ایسے کلمات نکلے ہوں گے' اور نکاح کے وقت تجدید ایمان نہیں ہوئی' اس لیے منکوحہ سے اس کا نکاح درست نہیں ہوا۔ جب نکاح درست نہیں ہوا تو منکوحہ کی ماں اس کی ساس بھی نہیں ہوئی۔ رہا حرمت مصاہرت کا مسئلہ سو یہ محض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے ہم اس کو نہیں مانتے حدیثیں اس کے خلاف ہیں۔

فائدہ: کم بخت حرص نے اس عالم کو تحریف دین پر آمادہ کر دیا۔ یہ حرص بری بلا ہے اس میں انسان جو کچھ بھی کرے وہ تھوڑا ہے۔

ادب اس کو کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھائی آج سے سنت کے موافق جو کی روٹی کھایا کریں گے۔ چنانچہ جو کا آٹا پسوایا گیا اور اس کو چھلنی میں نہیں چھانا گیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آٹے میں پھونک مار دیا کرتے تھے۔ جتنی بھوسی پھونک مارنے سے اڑ گئی وہ اڑ گئی باقی کو گوندھ لیتے تھے۔ خواجہ صاحب نے بھی ایسا ہی کیا۔ اب وہ روٹی کھائی گئی تو سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔

اب ان کا ادب دیکھیے کہ یہ نہیں فرمایا کہ سنت کے اتباع سے ایسا ہوا بلکہ یہ فرمایا کہ بھائی ہماری غلطی تھی جو ہم نے برابری کا دعویٰ کیا اور اپنے کو اس سنت کے قابل سمجھا ہم اس کے قابل نہ تھے کہ اس لیے ہم کو تکلیف ہوئی۔ بس اس سنت پر وہی عمل کر سکتا ہے جو اس کا درجہ کا ہو۔ ہم اس درجہ کے نہیں۔

میانہ روی: حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے ایک مرید کم کھایا کرتے تھے۔ مولانا نے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ دماغ خشک ہو جائے گا اور یہ حدیث پڑھی۔ "المومن القوی خیر من

المومن الضعیف'' کہ مسلمان قوی اور مضبوط کمزور سے بہتر ہے مگر ان مرید صاحب نے مولانا کی ایک نہ سنی اور غذا کم ہی کرتے رہے۔ پھر ان کو کچھ عربی عبارتیں نورانی حروف میں نظر آنے لگیں۔ مولانا سے بیان کیا۔ وہ اپنے دل میں سمجھتے تھے کہ بس مجھے کشف ہونے لگا اور میں بڑے درجے میں پہنچ گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ جنون کا مرض شروع ہو گیا' تقلیل غذا موقوف کرو۔ دودھ گھی خوب کھاؤ اور طبیب سے دماغ کا علاج کراؤ ورنہ چند دن میں پاگل ہو جاؤ گے' مگر وہ اب بھی باز نہ آئے۔ چنانچہ چند روز بعد ان کو جنون ہو گیا ننگے بیٹھے رہا کرتے اور ذکر کے بجائے گالیاں بکا کرتے۔

فائدہ: اطباء کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ جدا معاملہ اس کے مناسب کرتے ہیں' شیوخ کاملین بھلا ایسا کیوں نہ کریں گے۔ اگر فہم ہو تو ان کے پاس رہ کر عامی آدمی بھی اس تفصیل کو سمجھ سکتا ہے۔

چنانچہ ایک شخص کے پاس ایک مرید رہتا تھا جس کی غذا سب سے زیادہ تھی۔ دوسرے مریدوں نے شکایت کی کہ فلاں مرید بہت کھاتا ہے۔ شیخ نے اس کو بلایا' اور فرمایا کہ بھائی سالک کو تقلیل غذا اختیار کرنی چاہیے بہت نہ کھانا چاہیے بلکہ اعتدال سے کھانا چاہیے۔ اس نے کہا کہ حضرت ہر ایک کا اعتدال جدا ہے۔ آپ نے پہلے میری اصل غذا تو دریافت فرمائی ہوتی اس کے بعد معلوم ہو گا کہ میرا اعتدال وہی ہے جو میں نے اختیار کیا۔ کیونکہ میں یہاں آنے سے پہلے ۲۵ روٹیاں کھایا کرتا تھا۔ اب پندرہ کھاتا ہوں تو اعتدال ہوا یا اعتدال سے زیادہ اور جو لوگ خانقاہ میں پانچ روٹیاں کھاتے ہیں ان کی غذا پہلے سات آٹھ روٹیوں کی تھی تو ان کا یہی اعتدال ہے کہ وہ پانچ کھائیں۔

شیخ نے فرمایا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو۔ بس اس سے کم مت کرنا اور مریدوں سے فرمادیا کہ بھائی وہ زیادہ نہیں کھاتا اپنی خوراک سے بہت کم کھاتا ہے تو دیکھیے صحبت کی برکت سے اس عامی آدمی کو معلوم ہو گیا کہ ہر ایک کا اعتدال جدا ہے۔ مجھے اپنی غذا اتنی نہ کم کرنی چاہیے جتنی اور لوگوں کی ہے۔ الغرض شریعت نے تمتع دنیا سے منع نہیں فرمایا۔ ترجیح دنیا علی الآخرۃ سے منع کیا ہے۔

مسائل سے ناواقفیت کے مفسدات: مسائل سے ناواقفیت سے کیسے کیسے مفسدات ہوتے ہیں۔

مراد آباد میں ایک مسافر امام نے دو رکعت پر سلام پھیر کر مقتدیوں سے کہا کہ اپنی نماز پوری کرلو میں مسافر ہوں۔ تو مقیمین میں سے ایک صاحب نماز کے اندر ہی کہتے ہیں ہاں جناب کیا فرمایا' انہوں نے کہا کہ میں نے تو جو کچھ فرمایا تھا بعد کو بتلاؤں گا مگر پہلے آپ اپنی نماز کا اعادہ کرلیں۔

اسی طرح ایک مولوی صاحب ساڈھورہ میں تھے۔ جب وہ طالب علمی کرتے تھے تو اس وقت ایک نماز میں کسی امام کے پیچھے سے فرماتے ہیں کہ قم یعنی کھڑے ہو جاؤ۔ امام کو یاد آ گیا کہ تیسری رکعت ہے وہ کھڑے ہو گئے سلام کے بعد انہوں نے کہا کہ یہ قم فرمانے والے کون صاحب تھے وہ اپنی نماز کا اعادہ کرلیں۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ' کیوں میں نے تو عربی میں کہا تھا' امام نے کہا کہ سبحان اللہ! تو پھر اہل عرب کی نماز تو کبھی باطل نہ ہونی چاہیے' خواہ کچھ ہی باتیں کرتے رہیں' کیونکہ وہ اردو میں تھوڑا ہی باتیں کرتے ہیں تو یہ طالب علم سمجھے ہوئے تھے کہ اردو فارسی ہی میں باتیں کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے' عربی میں باتیں کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اور اس سے بھی ایک عجیب واقعہ ہے۔

ہمارے ملنے والوں میں سے ایک صاحب حافظ اکبر تھے' سمجھدار پڑھے لکھے ایک دفعہ وہ بھی اور دو شخص اور امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ امام کو نماز میں حدث ہوا تو انہوں نے ان ہی حافظ اکبر کو پیچھے سے آگے کھڑا کر کے خلیفہ بنا دیا اور خود وضو کرنے چلے گئے۔ مقتدی دو شخص رہ گئے۔ ان میں سے ایک بولا کہ بتاؤ یہ کیا ہوا۔ (یعنی کیا قصہ ہے کہ امام چلا گیا اور مقتدی امام بن گیا) دوسرا بولا چپ رہ' یوں بھی ہوا کرتا ہے۔ خیر یہ تو دونوں جاہل تھے مگر مزا یہ کہ حافظ اکبر صاحب جو امام بنے ہوئے تھے آگے کھڑے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب میں کس کو نماز پڑھاؤں ظالموں نے سبھی کی نماز غارت کردی۔

خطاب کی لذت: ایک بزرگ کے مرید حج کرنے جا رہے تھے' چلتے ہوئے شیخ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے حضور میں ہمارا سلام عرض کر دینا۔ چنانچہ جب وہ حاضر روضہ اطہر ہوئے شیخ کا سلام عرض کیا وہاں سے جواب عطا ہوا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔ جب یہ شخص واپس آیا اور شیخ کی زیارت کو گیا۔ انہوں نے پوچھا' کہو بھئی ہمارا سلام عرض کیا تھا' اس نے کہا' جی ہاں' عرض کیا تھا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے پیر کو بھی ہمارا سلام عرض کر دینا' مرید نے

بدعتی کا لفظ نہ کہا' شیخ نے فرمایا کہ ایک لفظ کیوں چرالیا جو جان تھی خطاب کی۔ کہا حضرت میں ادب کی وجہ سے وہ لفظ نہیں کہہ سکتا اور آپ کو تو معلوم ہی ہے۔ پھر میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا کہ سننے میں جو لطف ہے وہ جاننے میں تھوڑا ہی ہے اور تم کو ادب یا بے ادبی سے کیا تعلق؟ تم تو پیام رساں ہو۔ تم کو وہی کہنا چاہیے جو حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ وہ تمہارا کہا ہوا نہ ہو گا بلکہ حضور ﷺ کا فرمودہ ہو گا۔ چنانچہ مرید نے مجبور ہو کر کہا حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔ بس یہ سنتے ہی شیخ کو وجد آ گیا۔

چندہ جمع کرنے کا ڈھنگ: مولوی عبدالرب صاحب نے سہارنپور کی جامع مسجد کے متعلق ایک زنانہ وعظ میں فرمایا تھا' وعظ میں اول تعمیر مسجد کے فضائل بیان فرمائے۔ پھر کہا کہ افسوس ہے ہماری بہنیں اس فضیلت سے محروم رہ گئیں۔ کیونکہ مسجد مکمل ہو چکی۔ سارا کام قریب الختم ہے۔ پھر کہا ہاں خوب یاد آیا ایک کام تو ابھی باقی ہے اور اصل کام وہی ہے اور وہ فرش کا کام ہے' کیونکہ مسجد میں نماز تو فرش ہی پر پڑھتے ہیں۔ بس ہماری بہنوں کو مسجد کا فرش بنوا دینا چاہیے۔ اس میں یہ لطف ہو گا کہ جب فرشتے نمازیوں کی نمازوں کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے تو یوں عرض کریں گے کہ لیجیے حضور بندوں کی نمازیں اور بندیوں کی جانمازیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ہندو کا تعلق: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں سے ایک ہندو میرے پاس آیا کرتا تھا اور مجھ سے محبت کرتا تھا حتیٰ کہ کبھی کبھی خدمت بھی کیا کرتا۔

ایک دن آیا اور قصہ بیان کیا کہ میرے گھر چوری ہو گئی ہے۔ مجھے اس حال پر ترس آیا اور میں کڑھنے لگا تو اس نے کہا کہ میرے پاس ایک گائے ہے۔ مجھے اس سے بہت محبت ہے وہ تم لے لو۔ میں نے کہا کہ تمہارے گھر اس وقت چوری ہو گئی ہے۔ اس وقت دینا کیا مناسب ہے کہنے لگا کہ اسی وقت دینا تو زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اگر میں تم کو دے دیتا تو میرے یہاں چوری ہی نہ ہوتی۔

مجھے اس کی عقل پر بڑی حیرت ہوئی پھر کہنے لگا۔ میرا چچا اس کا مالک تو نہیں ہے مگر اس کے خلاف کرنا پسند نہیں کرتا شاید اسے مفت دینا ناگوار ہو یہ اکیس روپے میرے پاس ہیں یہ لے لو اور اس کو میرے پاس بھیج دینا اس سے کہہ دوں گا کہ میں نے فروخت کر دی۔

فائدہ: غور کیجیے کہ ایک غیر مسلم شخص تو سمجھے کہ نیک مصرف میں صرف کرنے سے سب مال محفوظ ہو جاتا ہے اور آپ اس راز کو نہ سمجھے کہ جو مال زکوٰۃ ادا کردہ ہے وہ تلف نہیں ہو سکتا بلکہ اگر آپ کا مال تلف بھی ہو جائے یا تلف کا اندیشہ بھی ہو تب تو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ پیشگی دے دی جائے تاکہ اس قدر تو باقی رہے۔

انسان کا دل دردمند ہوتا ہے: واللہ انسان کا دل تو وہ ہے کہ کتے کی مصیبت کو بھی سہہ نہیں سکتا چہ جائے کہ مسلمانوں کی مصیبت کو۔ حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت لکھی ہے کہ آپ نے ایک کتے کو دیکھا کہ چلا جا رہا ہے اور خارش میں مبتلا ہے۔ آپ کو اس کی حالت دیکھ کر رنج ہوا اور طبیب کے پاس تشریف لے گئے اور نسخہ لکھوا کر لائے اور اپنے ہاتھ سے اس کتے کے بدن پر دوا ملی یہاں تک کہ جب وہ بالکل تندرست ہو گیا تو آپ خوش ہوئے۔

فائدہ: کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ کوئی مجذوب یا سڑی ہوں گے۔ استغفر اللہ! یہ بڑے پایہ کے شخص ہیں۔

حضرت سید رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ: سید رفاعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر ہیں حضرت غوث اعظم سے ان کے مناقب منقول ہیں اور خود ان کا قصہ ہے کہ ان سے ایک مرید نے دریافت کیا کہ آپ کا کون سا مقام ہے کیا آپ غوث اعظم ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ۔ نزہ شیخک عن الغوثہ کہ اپنے شیخ کو مرتبہ غوثیہ سے برتر سمجھو۔ اس نے عرض کیا کہ پھر آپ قطب ہیں۔ فرمایا: شیخک عن القطبیۃ کہ اپنے شیخ کو مرتبہ قطبیہ سے بھی برتر سمجھو۔ پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمام ارواح اولیاء کو جمع فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جو جس کا جی چاہے مانگے۔ ہر ایک نے جو ان اس کے دل میں تھا عرض کیا' کسی نے مرتبہ غوثیت طلب کیا' کسی نے مرتبہ قطبیت حتیٰ کہ واردات النوبۃ الی ھذا للشئی یہاں تک کہ نوبت مجھ تک پہنچی تو میں نے عرض کیا رب انی ارید ان لا ارید و اختار ان الاختار کہ الٰہی میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں اور یہ تجویز کرتا ہوں کہ کچھ تجویز نہ کروں۔ فاعطانی مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر من اھل ھذا العصر۔ پس مجھے وہ چیز عنایت ہوئی جو اس زمانہ والوں میں سے نہ کسی کی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کے کان نے سنی اور نہ کسی کے دل پر گزری۔

فائدہ: تو اتنے بڑے مرتبہ والے شخص اور کتے کا آپ نے خود علاج کیا۔

ایک شیخ صادق کی حکایت: ایک شیخ کی حکایت بیان کی ہے جو کامل تو نہ تھے مگر صادق تھے یعنی دکاندار نہ تھے اور لوگوں میں ان کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں تھیں۔ بعض کا خیال ان بزرگ کے متعلق یہ تھا کہ ان کے پاس روپیہ بہت آتا ہے حجرہ میں مدفون ہوگا۔ اس ہی بناء پر ان کے انتقال کے بعد ان کا حجرہ کھودا گیا کہ شاید روپیہ جمع ہو۔ بعض کا خیال یہ تھا کہ ان کے پاس رات کو رنڈیاں آتی ہیں غرضیکہ اس قسم کے خیال ان کے متعلق لوگوں کو تھے۔

ایک شخص نے ماموں صاحب سے جو کہ ان کے مرید تھے کہا کہ پیر صاحب کے متعلق کچھ خبر بھی ہے؟ پوچھا کیا' کہا کہ شب کو ان کے پاس رنڈیاں آتی ہیں۔ انہوں نے کہا خدا تم کو جزائے خیر دے۔ بڑی عجیب بات سنائی مجھ کو پیر صاحب کے متعلق۔ بہت عرصہ سے ایک شبہ تھا کہ وہ آج آپ کی وجہ سے جاتا رہا۔ وہ شبہ یہ تھا کہ پیر صاحب نے کسی وجہ سے نکاح نہ کیا تھا۔ اس سے میں یہ سمجھتا تھا کہ شاید یہ بزرگ عنین ہوں اور حالت یہ ہے کہ یہ حضرات وارث ہوتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے اور انبیاء علیہم السلام ہر پہلو سے کامل ہوتے ہیں۔ ان کمالات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرد ہو سو نکاح نہ ہونے سے جو شبہ تھا اور عنین ہونے کا جو کہ نقص ہے آج آپ نے اس شبہ کو رفع کیا' معلوم ہوا کہ پیر کامل ہیں۔ اب رہا کہ رنڈیاں آتی ہیں۔ ایک گناہ ہے تو اس گناہ سے توبہ کر کے پاک صاف ہو جائیں گے جب ایک دفعہ اللھم اغفرلی کہا' اس طرح صاف ہوئے۔ وہ معترض بیچارہ تو اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ وہ تو یہ سمجھے ہوئے تھا کہ پیر کی ایسی بات سن کر پیر سے الگ ہو جائیں گے۔

فائدہ: اس حکایت میں جو معقول ہے وہ محض تبکیت اور معترض کو خاموش کرنا ہے۔ ورنہ سیدھا جواب تو یہ تھا کہ اس تہمت کا کیا ثبوت۔ پھر اصل مقصود یہ ہے کہ مصلح کے خفیف خفیف افعال پر بشرطیکہ وہ مباح کے درجہ تک ہوں یا کوئی بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو اس سے بداعتقاد نہ ہو جائے بلکہ اپنے فہم اور عقل کا قصور سمجھ کر خاموش ہو جائے۔ خصوصاً جس شخص کی نظر چہار طرف ہو اور معترض کی نظر ایک ہی چیز پر ہے۔ اس لیے اس کے اقوال و افعال کو سمجھنا بڑے ہی دانش مند کا کام ہے۔

دوسروں کی راحت کا خیال رکھنا چاہیے: دیوبند میں ایک بزرگ بہلی میں سوار ہو کر چلے۔ ایک معتقد بھی ساتھ بیٹھے۔ اتفاق سے راستہ میں بہلی الٹ گئی اور نقشہ یہ ہوا کہ وہ معتقد صاحب

جس طرف بیٹھے تھے اس طرف کو بہلی لوٹی وہ نیچے اور بزرگ صاحب اوپر۔ اب بزرگ ہیں کہ معتقد کی کمر پر بیٹھے ہیں اس نے عرض کیا کہ حضرت ہٹیے میں تو مراجاتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مردو گے نہیں ہم جوتہ پہن لیں پس ہمارا جوتہ لاؤ' اس نے کہا کہ اتنے جوتہ آئے گا میرا تو خاتمہ ہو جائے گا۔ فرمایا کہ نہیں ہم ننگے پیر زمین پر نہیں رکھ سکتے مٹی لگ جائے گی۔ ہمیں عادت نہیں ننگے پیر زمین پر رکھنے کی۔ اس بے چارے کی کمر سے نہیں اترے۔ جب گاڑی بان نے جوتہ دیا تب پہن کر اترے مگر اس شخص کے بالکل چوٹ نہیں آئی۔

فائدہ: خیر یہ تو بھولے بزرگوں کی باتیں ہیں باقی بعضے تو مرید کو اپنی ملک سمجھتے ہیں۔

اپنی مصلحت: ایک پیر جی ایک گاؤں میں مرید کے گھر گئے' مرید نے کہا کہ پیر جی شکرانہ پکانے کا ارادہ ہے دودھ سے کھاؤ گے یا گھی سے۔ پیر جی نے کہا کہ میاں بے سوادوں کا کیا سواد' اول گھی لگائیں گے اوپر سے دودھ ڈال کر کھائیں گے۔

حضرت شیخ آدم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: بہت بڑے بزرگ شاہ جہاں بادشاہ کے زمانہ میں تھے' یہ عالم بھی ہیں۔ ایک شخص مرید ہونے آیا جس کی وضع خلاف شریعت تھی۔ آپ اس پر ناراض ہوئے اور کہا کہ اس وضع پر مرید ہوتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ وہ چلا گیا فوراً الہام ہوا کہ اس کو بلاؤ ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ اگر اس کی حالت خلاف شریعت تھی اس کو تعلیم کر دیتے تو انکار چہ معنٰے۔ اپنے کسی دوسرے مرید کو بلانے بھیجا۔ وہ بھی بگڑ چکا تھا۔ کہا جاؤ' ہم نہیں آتے' کیا دنیا میں یہی ایک شیخ رہ گئے ہیں اور کوئی نہیں رہا' ہم کسی اور سے تعلق کرلیں گے۔

مرید نے آکر واقعہ بیان کیا' فرمایا اچھا پھر جاؤ اور اس کے کان میں ایک مرتبہ اللہ کہہ دو دیکھیں کیسے نہیں آئے گا۔ حضرت شیخ نے یہ اس ناز کی بنا پر کہا جو عین حالت عتاب میں ان کو حاصل تھا۔ بس اس مرید کا جا کر ایک مرتبہ اللہ کان میں کہنا تھا کہ دھڑام سے زمین پر بے ہوش ہو کر گرا اور جب ہوش میں آیا کہتا تھا کہ خدا کے لیے شیخ کے پاس پہنچاؤ۔ غرض حاضر ہوا اور بیعت ہو گیا۔

فائدہ: اس واقعہ میں ادھر شیخ کو چشم نمائی کر دی گئی ادھر اس طالب کی گوشمالی ہوگئی اور دونوں کو جوڑ دیا گیا۔ پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ کا بڑا دربار ہے وہاں لرزاں اور ترساں ہی رہنا چاہیے۔ نہ معلوم کس کے ساتھ کیا معاملہ ہو کسی کو کیا خبر۔ وہاں کی کرسی کسی کے نام زد نہیں کہ اپنی کرسی پر استحقاقاً جا بیٹھو۔

اخلاص کی قدر: ایک بزرگ کسی دوسرے کی ملاقات کو چلے۔ پاس کچھ نہ تھا۔ محبت میں خیال ہوا کہ خالی ہاتھ نہ جانا چاہیے کچھ تو لے کر جانا چاہیے۔ راستہ میں دیکھا کہ درختوں پر سے لکڑیاں سوکھ کر زمین پر گری پڑی ہیں۔ ان کو جمع کر کے ایک گٹھڑی باندھ کر ان بزرگ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت کچھ لکڑیاں لایا ہوں۔ حضرت کے یہاں ایک وقت کی روٹی ہی پک جائے گی وہ بزرگ اس ہدیہ کی کیسی قدر فرماتے ہیں اور خادم کو حکم دیتے ہے کہ یہ چیز حب فی اللہ کی وجہ سے آئی ہے اس کی تحقیر نہ کرنا ویسے ہی مت جلاؤ بلکہ اس کو محفوظ رکھو۔ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے غسل کا پانی اس سے گرم کرنا وہ انشاء اللہ تعالیٰ ہماری نجات کا ذریعہ ہوگا خلوص ہو تو ایسا ہو۔ جیسا ان مہدی (ہدیہ پیش کرنے والے) کا تھا اور قدر ہو تو ایسی ہو جیسی ان مہدی الیہ نے کی۔

ایک بزرگ کی حکایت: ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ایک شخص اس کو گالیاں دیا کرتا تھا یہ بزرگ اس کو روپیہ پیسہ دیا کرتے تھے۔ اس نے یہ سمجھ کر کہ محسن ہیں گالیاں دینی چھوڑ دیں۔ ان بزرگ نے روپیہ پیسہ دینا چھوڑ دیا۔ اس شخص نے ان بزرگ سے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا' فرمایا۔ بھائی یہ تو لینا دینا ہے تم پہلے کچھ دیا کرتے تھے ہم بھی دیتے تھے تم نے دینا چھوڑ دیا ہم نے بھی دینا چھوڑ دیا۔

فائدہ: امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر غیبت کرے تو اپنی ماں کی کرے خواجہ صاحب نے بہت ہی تعجب آمیز لہجہ میں عرض کیا کہ کیا؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ماں کی غیبت کرے۔ فرمایا کہ آپ کو کیوں تعجب ہوا' ہاں یہ ہی فرماتے ہیں کہ میں اگر غیبت کروں تو اپنی ماں کی کروں تا کہ اگر میری نیکیاں کسی کے پاس جاویں تو ماں ہی کے پاس کیوں نہ جائیں۔ گھر کی نعمت گھر میں ہی رہے کہیں باہر نہ جائے۔ اس لیے یہ فرمادیا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔

خاصان حق کی ہر بات میں حکمتیں ہوتی ہیں: حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عورت اپنے لڑکے کو سپرد کر گئی' کچھ روز کے بعد آ کر دیکھا کہ لڑکا نہایت لاغر اور دبلا ہو رہا ہے۔ اس کو بے حد رنج ہوا۔ وہ حضرت کی خدمت میں اس کے متعلق کچھ عرض کرنے آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ حضرت مرغ کا گوشت کھا رہے ہیں تو اور بھی جل بھن گئی۔ عرض کیا کہ حضرت آپ تو مرغ کھائیں اور میرے بچے کو سکھا دیا۔ آپ نے یہ سن کر جو ہڈیاں کھائے ہوئے مرغ کی آپ کے سامنے رکھی تھیں ان کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ۔ قم باذن اللہ اللہ کے حکم سے

کھڑا ہو جاوہ مرغ بن کر چل دیا اس وقت حضرت نے اس عورت سے فرمایا کہ جس وقت تیرا بیٹا اس قابل ہو جائے گا اس کو بھی مرغ کھلایا جائے گا۔

فائدہ: یہاں سائل کی استعداد ناقص تھی اس لیے اس کو اس کے فہم کے مطابق وموافق جواب دیا۔

حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک سوداگر خلیفہ وقت کے پاس بہت قیمتی کپڑا لایا جس کو خلیفہ نہ خرید سکا۔ یہ سوداگر خلیفہ وقت کے جواب دینے پر بہت مایوس ہوا اور خلیفہ وقت کے پاس سے حضرت کی زیارت کو خانقاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت نے سوداگر سے آنے کی وجہ دریافت کی۔ اس نے بیان کیا کہ اس لیے آیا تھا مگر ناکام رہا۔ حضرت نے اس کی مایوسی دیکھ کر فرمایا کہ ہم خریدیں گے۔ خادم کو حکم دیا کہ اس کی قیمت دے دی جائے اور اس سے ہمارا چوغہ تیار کراؤ۔ وہ کپڑا خرید لیا گیا۔ اس کی اطلاع خلیفہ وقت کو ہوئی۔ اس کو سخت ناگوار ہوا کہ اس فقیر نے ہمیں بھی ذلیل کیا۔ یہ سوداگر جہاں جائے گا کہتا پھرے گا کہ خلیفہ وقت میرا کپڑا نہ خرید سکا اور ایک فقیر نے خرید لیا۔ وزیر خانقاہ میں حاضر ہوا دیکھا کہ حضرت اس کپڑے کا چوغہ پہنے بیٹھے ہیں۔ وزیر کو بھی ناگوار ہوا کہ واقعی خلیفہ وقت کی بھی رعایت نہ کی۔ اس میں خلیفہ وقت کی بڑی اہانت ہوئی مگر وزیر کی پھر جو نظر پڑی دیکھا کہ ایک دامن میں اس چوغہ کے ٹاٹ یا کمبل کا ٹکڑا بھی لگا ہوا ہے۔ وزیر نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا حضرت یہ کیا۔ فرمایا کہ قطع کرنے کے وقت کپڑے میں کمی رہ گئی تھی۔ میں نے کہا کہ ٹاٹ یا کمبل کا ٹکڑا لگا دو مقصود تو کپڑے سے بدن ڈھانکنا ہے۔ وزیر نے جا کر خلیفہ وقت سے بیان کیا کہ یہ قصہ ہے جس شخص کی نظر میں وہ کپڑا اور ٹاٹ یا کمبل ایک ہے اس سے تعرض کرنا خدا کے قہر کو خریدنا ہے۔

فائدہ: یہاں تاجر کو نفع پہنچانا ایک ظاہری حکمت تھی۔

طریقہ مقصود نہیں بلکہ عمل مقصود ہے: ایک شخص تھے ان کو اس میں کمال تھا کہ وہ آنکھ میں سرمہ تلوار سے ڈال لیتے تھے۔ ایک مجمع میں اپنے لڑکے کو کھڑا کیا کہ اس کی آنکھ میں تلوار سے سرمہ ڈالوں گا۔ اس شخص نے تلوار کی دھار سے سرمہ لگایا اور پینترے بدلتا ہوا آیا اور اس صفائی سے ہاتھ آنکھوں پر چلایا کہ دونوں آنکھوں میں سرمہ لگ گیا اور تلوار پر سرمہ نہیں رہا۔ وہ لڑکا بھی ذرا نہیں جھجکا۔ وہ بھی مشاق معلوم ہوتا تھا۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ اصلی مقصود سرمہ لگانا ہے اور یہ خاص ہیئت محض ایک طریق ہے۔ اگر کوئی اسی کو مقصود سمجھنے لگے تو عجب نہیں کہ کبھی دھوکا کھا جائے۔ اسی طرح بعض ناواقف تلوار سے سرمہ ڈالتے ہیں جس میں خطرہ بھی ہے اور سلائی سے سرمہ ڈالنے میں کوئی خطرہ نہیں۔ دیکھیے' اگر یہ طریق مقاصد میں داخل ہوتے تو سلف زیادہ مستحق تھے کہ وہ ان پر عمل کرتے اور دوسروں کو تعلیم فرماتے مگر اس کا کہیں بھی پتہ نہیں۔

حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ جو ایک مشہور بزرگ تھے ان کے حلاج کہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کی ایک نداف سے دوستی تھی اس کے یہاں پر کپڑے بھرائی کے واسطے بہت زیادہ آ گئے۔ روئی زیادہ جمع ہونے کی وجہ سے یہ پریشان تھا۔ اتفاق سے یہ بزرگ تشریف لے آئے۔ دریافت فرمایا کہ پریشان کیوں ہو؟ عرض کیا کہ حضرت کپڑے بھرائی کے واسطے بہت آ گئے ہیں اس قدر دھننا مشکل ہے۔ اس وجہ سے پریشان ہوں۔ یہ سن کر آپ نے ایک نظر اس روئی کے ڈھیر کی طرف کی تو تمام روئی خود دھنکی گئی اسی وجہ سے یہ حلاج مشہور ہو گئے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ کا واقعہ: حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے متعلق بھی ایک بزرگ سے سنا ہے کہ ان کی نسبت موسوی تھی مگر خود ان کو اپنی نسبت کا علم نہ تھا۔ کسی معاصر بزرگ کے پاس ان کے ایک مرید زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ آپ نے چلتے وقت فرمایا کہ ان حضرت سے میرا بھی سلام عرض کرے۔ مرید نے جا کر پیر کو سلام پہنچایا' انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اپنے یہودی پیر سے ہمارا بھی سلام کہنا۔ ان مرید صاحب کو بے حد ناگوار ہوا کہ پیر صاحب نے تو یہ احترام کیا کہ سلام بھیجا اور انہوں نے یہ قدر کی کیسی بری طرح یاد کیا۔ جب واپس پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پیر نے دریافت کیا کہ میرا سلام بھی پہنچایا تھا؟ عرض کیا کہ پہنچایا تھا۔ پھر کیا جواب ملا۔ عرض کیا کہ عرض کرنے کے قابل نہیں بہت ہی ثقیل کلمہ تھا' اعادہ نہیں کر سکتا۔ فرمایا کہ تم کہو جو کچھ فرمایا ہے۔ عرض کیا کہ یہ فرمایا ہے کہ اپنے یہودی پیر سے ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔ یہ سن کر شیخ نجم الدین کبریٰ پر وجد طاری ہو گیا اور فرمایا کہ الحمد للہ! مجھے اپنی نسبت معلوم ہو گئی کہ موسوی ہے۔

فائدہ: کسی کو حق نہیں کہ کسی کی نسبت کچھ اعتراض کرے کیونکہ بعض اوقات ایسی نسبت والے

سے بعض ایسے اقوال صادر ہو جاتے ہیں جو یہودیت سے متعلق ہوتے ہیں۔ مثلاً مرتے وقت لا اله الا الله موسى كليم الله پڑھنے لگتا ہے اور درحقیقت وہ معنی محمد رسول اللہ کی ایک تعبیر ہوتی ہے کیونکہ یہ نسبتیں موسوی وعیسوی وغیرہا سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نسبتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامع ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں شان موسوی اور عیسوی بھی ہے۔ پس یہ سب القاب حکماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہیں۔ یعنی موسیٰ کلیم اللہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے۔ عیسیٰ روح اللہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے۔ ابراہیم خلیل اللہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے۔ پس جو شخص محمدی موسیٰ کلیم اللہ کہتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خاص شان کے اعتبار سے آپ کو اس لقب سے ذکر کرتا ہے۔ پس یہ سب شانیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان جامعیت کے مظاہر اور شعبے ہیں جیسے سو کا عدد ہے تو اٹھانوے بھی اس کا جزء ہے اور ستانوے بھی اس کا جزء ہے یہاں آخر تک سب اس کے ہی اجزاء ہیں۔

مذاق بھی سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے: ایک شخص اپنی بیوی سے کہا کرتا تھا کہ تو بہت نماز پڑھتی ہے۔ نماز پڑھنے سے تجھ کو کیا ملے گا؟ وہ کہتی کہ جنت ملے گی۔ اس پر کہتا کہ اچھا وہاں بھی ان ہی ملانوں اور موذنوں اور غریبوں ہی کے ساتھ رہے گی دیکھ ہم دوزخ میں جائیں گے وہاں بڑے بڑے رئیس ہوں گے بڑے بڑے لوگ ہوں گے شداد، نمرود، فرعون، قارون ہم ان کے ساتھ ہوں گے۔

فائدہ: مسخرہ پن تھا کوئی عقیدہ تھوڑا ہی تھا مگر ایسا تمسخر بھی سخت بیہودگی ہے۔

ایک چشتی اور قادری میں جھگڑا: ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک چشتی اور قادری میں جھگڑا ہوا کہ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ افضل ہے یا خواجہ اجمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا۔ حضرت نے فیصلہ فرمایا کہ بھائی یہ جھگڑے کی بات نہیں قادریوں کے تو حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ باپ ہیں اور خواجہ صاحب چچا اور چشتیوں کے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ باپ ہیں اور حضرت غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ چچا۔ تعلق خواہ باپ سے زیادہ ہو مگر تنقیص چچا کی بھی جائز نہیں۔ ان قادری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب حضرت غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قدمی هذه على رقاب اولياء الله (میرا یہ قدم اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے) تو حضرت خواجہ صاحب نے گردن جھکا دی اور فرمایا بل راسي وعيني (بلکہ میرے سر اور آنکھوں پر) تو اس میں خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اقرار فرمایا ان کی افضلیت کا۔

فائدہ: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا۔ اس سے تو اس عکس پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ ان کا عروج بڑھا ہوا تھا اور طریق میں نزول افضل ہے عروج سے پھر فرمایا (یعنی صاحب ملفوظ نے) کہ اگر ان بزرگوں میں کسی وجہ سے لڑائی بھی ہو تو ایسا ہے جیسے دو شیر لڑتے ہیں اور گیدڑ صاحب فیصلہ کے لیے بیچ میں کود پڑیں۔

کسب حلال: حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ایک عورت نے مسئلہ پوچھا کہ ایک روز حضرت کے گھر میں تیل نہ تھا۔ ایک رئیس کی سواری شب کو مکان کے سامنے سے گزری۔ سلسلہ دراز تھا میں نے اپنے دروازہ میں بیٹھ کر اس روشنی میں چرخہ چلایا نہ معلوم وہ تیل حلال تھا یا حرام۔ اس سوت سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ عرض کیا کہ میں بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن ہوں۔ فرمایا اگر کوئی اور ہوتا تو اجازت دے دیتا بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن کو اجازت نہیں دے سکتا۔

ایک اور واقعہ: واجد علی شاہ عیش و عشرت میں پڑ کر واجد نہ رہا تھا قادر علی ہو گیا تھا' اگرچہ بعض باتیں اس کی بڑی ظرافت کی ہوتی تھیں۔ بعض انگریزوں نے اس سے پوچھا کہ تم اپنی حیات تک وظیفہ چاہتے ہو یا مرنے کے بعد بھی پسماندگان کے لیے وظیفہ چاہتے ہو' کہا کہ صرف اپنی حیات تک۔ ورثاء نے کہا یہ کیا کیا' کہ اس صورت میں سب میرا مرنا تکتے اب سب دعا کریں گے کہ یہ بیٹھا رہے۔ میں نے دعا گو مفت میں حاصل کر لیے یہ عجیب ظرافت ہے۔

نواب واجد علی شاہ کی حکایت: نواب واجد علی شاہ کی حکایت ہے کہ کتب خانہ پر تو ایک کہار کو ملازم رکھا اور باورچی خانہ پر ایک مولوی صاحب کو۔

کسی نے پوچھا یہ کیا کیا؟ کہا کہ کہار کو علم سے کیا نسبت وہ جاہل ہے کتابیں نہ چرائے گا اور مولوی ایماندار ہیں اس لیے باورچی خانہ پر ان کی ضرورت ہے کہ کوئی زہر وغیرہ کھانے میں نہ دیدے۔ وہاں ایماندار ہی کی ضرورت ہے۔

بہو بولی بھی' تو کیا بولی؟: ایک لڑکی کی شادی ہوئی' ماں نے رخصت کے وقت وصیت کر دی کہ بیٹی ساس کے گھر جا کر بولنا مت' اب بہو ہے کہ بولتی ہی نہیں۔ ساس نے کہا کہ بہو بولتی کیوں نہیں' کہا کہ میری ماں نے منع کر دیا تھا کہ ساس کے گھر بولنا مت۔ ساس نے کہا کہ ماں تیری بے وقوف ہے تو بول۔ کہا کہ بولوں' ساس نے کہا کہ ضرور بول۔ کہا کہ میں یہ پوچھتی ہوں کہ اگر تمہارا

بیٹا مر گیا اور میں بیوہ ہوگئی تو مجھ کو یوں ہی بٹھلا رکھو گی یا کہیں نکاح بھی کر دو گی۔ ساس نے کہا کہ تیری ماں نے سچ کہا تھا بس تو خاموش ہی رہ۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ: ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں مراد آباد کے جلسہ میں گیا تھا۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر اسٹیشن پر سیوہارہ والوں نے حضرت سے درخواست کی کہ ایک وقت کی دعوت حضرت قبول فرمالیں۔ حضرت نے قبول فرمالی۔ پھر سیوہارہ والوں نے مجھ سے بھی درخواست کی میں نے عذر کر دیا کہ میری طبیعت اچھی نہیں ہے اس لیے میں معذور ہوں۔ لوگ یہ سمجھے کہ وعظ کی وجہ سے کہہ رہا ہے۔ طبیعت جو اچھی نہیں وعظ نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم وعظ نہ کہلوائیں گے۔ میں نے کہا کہ جہاں وعظ نہ ہو وہاں کی تو روٹیاں کھاتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے۔ تو حضرت مولانا کیا فرماتے ہیں کہ ہاں بھائی ایسے بے شرم تو ہم ہی ہیں مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں۔ بس حضرت میں پانی پانی ہو گیا اور شرم دامن گیر ہوئی کہ معافی کی بھی درخواست نہ کر سکا اور یہی خیال کیا کہ خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تو جواب دے سکتے تھے فرمایا کہ بقاء کا ظہور تو برابر والوں کے ساتھ ہوتا ہے بڑوں کے ساتھ تو فنا ہی میں خیر ہے اور یہ ہی ادب ہے۔

عاجزی نہایت پسندیدہ چیز ہے: ایک مہاجن کی لڑکی پر ایک جن عاشق تھا' بڑے بڑے عامل آئے مگر ناکام رہے۔ کوئی کوئی جن بڑا ہی سرکش اور قوی ہوتا ہے جو عامل جاتا صحیح وسلامت واپس نہ ہوتا۔ اکثر یہ حرکت کرتا کہ ہاتھ پکڑ کر چھت ابھار کر اس میں دبا دیتا۔ اب بے چارہ عامل ہے کہ اس میں لٹکا ہوا ایسا ظالم تھا' کسی نے اس مہاجن سے ویسے ہی بطور تمسخر کہہ دیا کہ فلاں مسجد میں جو مؤذن ہیں بہت بڑے عامل ہیں۔ اس مہاجن نے ان بے چاروں کو جا لیا۔ یہ ہر چند قسم کھاتا ہے مگر مہاجن ہے کہ پیروں پر گرا پڑتا ہے اور خوشامد کر رہا ہے۔ جب یہ عاجز ہو گیا تو اس نے کہا کہ اچھا میں چلتا ہوں۔ یہ بتلاؤ کہ کیا دو گے' مہاجن نے کہا کہ جو کہو' کہا کہ پانچ سو روپے۔ اس نے کہا کہ منظور ہے۔ یہ سمجھا کہ دو ہی باتیں ہیں یا تو کام بن گیا اور پانچ سو روپے مل گئے تو بڑی راحت اور عیش سے گزرے گی اور اگر مار دے گا تو اس مصیبت اور پریشانی اور ناداری کی زندگی سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔ بے چارہ غریب تھا بسم اللہ پڑھ کر مہاجن کے ساتھ ہولیا۔

اس کے مکان پر پہنچا' اس جن نے نہایت زور سے ڈانٹا کہ کیسے آیا ہے۔ یہ ہاتھ جوڑ کر قدموں پر گر گیا کہ حضور کی رعیت کا جولاہہ ہوں' حضور نہ میں عامل ہوں نہ عمل چلانے آیا ہوں' ایک جاہل اور غریب آدمی ہوں۔ یہ مہاجن جا کر سر ہو گیا' ہر چند عذر کیا نہ مانا' اس لیے مجبوری کو چلا آیا۔ حضور کی بڑی پرورش ہو گی اگر حضور ۵ منٹ کے لیے اس لڑکی سے جدا ہو جائیں مجھ کو ۵۰۰ روپے مل جائیں گے۔ میں غریب آدمی ہوں میرا بھلا ہو جائے گا اور حضور کا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ پھر اگر دل چاہے آ جایئے یہ سن کر جن بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنسا اور یہ کہا کہ ہم تیری خاطر سے ہمیشہ کے لیے جاتے ہیں۔ اس مؤذن کی بڑی شہرت ہو گئی کہ بہت بڑا عامل ہے۔ عمر بھر کی روٹیاں سیدھی ہو گئیں۔

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟: ہرمزان نے مسلمانوں کو بہت سی ایذائیں پہنچائی تھیں۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گرفتار کر کے لایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اسلام پیش کیا مگر اس نے نہ مانا۔ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا' اس نے ایک چال چلی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ مجھے قتل تو کرتے ہی ہیں تھوڑا پانی منگا دیجئے۔ آپ نے پانی منگایا جب پانی آیا' تو اس نے کہا کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ پانی نہ پی چکوں اور جلاد مجھ پر تلوار چلا دے۔ آپ نے فرمایا نہیں جب تک تم پانی نہ پی چکو گے قتل نہ کیے جاؤ گے۔ یہ سن کر اس نے پانی فوراً زمین پر پھینک دیا اور کہا کہ اب آپ مجھ کو قتل نہیں کر سکتے کیونکہ اس پانی کا پینا ممکن نہیں اور اس کے پینے تک مجھ کو امن تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو آزاد کر دیا۔

غلام کے ساتھ حسن سلوک: سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کو مخالفین بہت بدنام کرتے ہیں کہ انہوں نے تلوار سے اسلام پھیلایا ہے مگر تاریخ میں ان کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ اس سے ان کی رحم دلی اور شفقت کا اندازہ ہو جائے گا اور یہ کہ غلاموں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا۔

ایک بار سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان پر حملہ کیا اور بہت سے ہندو جنگ میں قید ہوئے جن کو اپنے ساتھ غزنی لے گئے' ان میں ایک غلام بہت ہونہار و ہوشیار تھا۔ اس کو آزاد کر کے سلطان نے ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دی۔ جب وہ تعلیم سے فارغ ہوا تو اس کو حکومت کے عہدے دیئے گئے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کو ایک بڑے ملک کا صوبیدار بنا دیا گیا۔ صوبیدار کی حیثیت اس وقت وہ تھی جو آج کل کے بڑے والی ریاست کی حیثیت ہوتی ہے۔ جس وقت سلطان نے

اس کو تخت پر بٹھلایا اور تاج سر پر رکھا تو وہ غلام رونے لگا۔ سلطان نے فرمایا کہ یہ وقت خوشی کا ہے یا غم کا اس نے عرض کیا جہاں پناہ اس وقت مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ گیا پھر اپنی یہ قدر و منزلت دیکھ کر رونا آ گیا...... حضور جس وقت میں ہندوستان میں بچہ تھا آپ کے جملے سن کر ہندو کانپتے تھے اور ان کی عورتیں اپنے بچوں کو آپ کا نام لے کر ڈراتی تھیں۔ میں سمجھتا تھا کہ نہ معلوم محمود کیسا ظالم و جابر ہوگا حتیٰ کہ آپ نے خود ہمارے ملک پر حملہ کیا اور اس فوج سے مقابلہ ہوا جس میں یہ غلام موجود تھا۔ اس وقت تک میں آپ کے نام سے بھی ڈرا کرتا تھا' پھر میں آپ کے ہاتھوں میں قیدی ہوا تو میری جان ہی نکل گئی کہ بس اب خیر نہیں مگر حضور نے دشمنوں کی روایات کے خلاف میرے ساتھ وہ برتاؤ فرمایا کہ آج میرے سر پر تاج سلطنت رکھا جا رہا ہے تو اس وقت مجھے یہ خیال کر کے رونا آ گیا کہ کاش آج میری ماں ہوتی تو میں اس سے کہتا کہ دیکھ یہ وہی محمود ہے جس کو تو ہوا بتلایا کرتی تھی۔

سگان دنیا: ایک بزرگ جنگل میں رہتے تھے۔ ایک کتیا پال رکھی تھی۔ اتفاق سے ایک مرتبہ کتیا نے بچے دیئے تو آپ نے تمام شہر کے معززین کو مدعو کیا لیکن ایک بزرگ شہر میں رہتے تھے ان کو نہیں بلایا۔ ان بزرگ نے از راہ بے تکلفی دوستانہ شکایت کی تو ان بزرگ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ حضرت میرے یہاں کتیا نے بچے دیئے تھے اس کی خوشی میں سگان دنیا کی دعوت کر دی۔ سخت گستاخی تھی کہ میں ان دنیا کے کتوں کے ساتھ آپ کو مدعو کرتا۔ جس روز میرے اولاد ہوگی اور مجھ کو خوشی ہوگی اس دن آپ کو مدعو کروں گا اور کتوں میں سے ایک کو بھی نہ پوچھوں گا۔

ایک گوجر کا قصہ: کیرانہ میں ایک گوجر بیمار تھا۔ اس کا لڑکا حکیم صاحب کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ حکیم جی اس مرتبہ تو کسی طرح میرے باپ کو اچھا ہی کر دو۔ مجھے اس بڈھے کے مرنے کا غم نہیں مگر آج کل چاول بہت گراں ہیں برادری کو کھانا کھلانا بہت مشکل ہوگا۔

فائدہ: وہ بے چارہ سیدھا تھا۔ اس نے سچی بات کہہ دی۔ ہم باوضع ہیں۔ زبان سے ظاہر نہیں کرتے مگر دل میں سب کے یہی ہے۔ یہ تو کھلانے والوں کی حالت ہے باقی کھانے والے وہ تو پورے ہی بے حیا ہیں کہ ایسے غم میں بجائے ہمدردی کے الٹا اس پر مزید بار ڈالتے ہیں۔

ایک مقروض قاضی کا واقعہ: ہندو ریاست میں ایک مقام پر کوئی قاضی صاحب ایک بنیے کے مقروض ہو گئے۔ اس نے نالش کر دی۔ جہاں قاضی صاحب کی زمین قرق ہوئی وہاں خطابت کی

آمدنی بھی قرق ہوگئی کیونکہ عید و بقر عید کو قاضی صاحب کو آمدنی ہوتی تھی۔ راوی کہتے تھے کہ ایک سال دیکھا کہ ایک لالہ صاحب دھوتی باندھے آ رہے ہیں' اس کے آتے ہی لوگوں میں شور ہوا کہ امام صاحب آ گئے۔ میں بڑا حیران ہوا کہ یا اللہ! یہ کیسا امام ہے بنیا عید کی نماز پڑھائے گا۔ اب وہ بنیا آ کر سلام کر کے منبر پر کھڑا ہو گیا اور کہا صاحبو! اجازت ہے۔ لوگوں نے کہا جی ہاں! اجازت ہے۔ اس کے بعد اس نے کپڑا بچھا دیا اور لوگوں نے روپیہ پیسہ ڈالنا شروع کیا' جب سب دے چکے تو اس نے رقم کو جوڑا اور بہی میں لکھ لیا کہ اس سال عید کو اتنی آمدنی ہوئی۔ پوٹلہ باندھ کر گردن پر رکھا اور کہا صاحبو! اجازت ہے۔ وہ سلام کر کے اپنے گھر کو چل دیا اور اس کے بعد لوگ بھی اپنے گھر چلے گئے۔ نہ نماز تھی نہ خطبہ انہوں نے پوچھا کہ میاں کیا عید کی نماز نہ ہو گی تب لوگوں نے قصہ بیان کیا کہ امام صاحب اس بنیے کے مقروض ہیں۔ عیدین کی آمدنی بھی اس نے قرق کرالی ہے۔ اس لیے امام صاحب کئی سال سے نہیں آتے۔ ہم لوگ بدستور آ جاتے ہیں اور یہ بنیا آمدنی لے جاتا ہے کئی سال سے نماز نہیں ہوتی۔

عوام کے لیے ترجمۂ قرآن دیکھنا مضر ہے: ایک بڑے میاں ملے جو بڑے تہجد گزار اور پابند اوراد تھے مگر قرآن کا ترجمہ دیکھ کر گمراہ ہوئے تھے۔ وہ مجھ سے کہنے لگے کہ جب قرآن پڑھا کروں تو لفظ راعنا چھوڑ دیا کروں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا۔ جس کا ترجمہ لکھا ہے کہ اے ایمان والو راعنا مت کہا کرو۔ تو کیا تلاوت کے وقت راعنا کو نہ پڑھا کروں۔ میں نے ان سے کہا کہ رَاعِنَا کو تو مت چھوڑو مگر آج سے قرآن کا ترجمہ دیکھنا چھوڑ دو کیونکہ تم کو سمجھنے کی قابلیت نہیں۔

فائدہ: ایسے ہی لوگوں نے شریعت کا ناس کیا ہے جو ترجمہ قرآن و حدیث کا دیکھ کر مجتہد بن گئے ہیں۔ اب اگر ان کی کم لیاقتی کے سبب ان کے شبہات کا جواب نہ دیا جائے بلکہ ان لوگوں کو ترجمہ دیکھنے سے منع کیا جائے تو بعض یوں کہتے ہیں کہ علماء کو ہمارے سوالات کا جواب نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو سمجھنا نہیں آتا۔ جواب تو ہر سوال کا ہے مگر یہ بتلاؤ کہ اس کا سمجھنے والا کون ہے؟

اب چاند کیسا نکلا ہے؟: ہمارے یہاں ایک عورت عید کا چاند دیکھنے کھڑی ہوئی اور اس سے پہلے اس نے اپنے بچے کا پاخانہ کپڑے سے پونچھا تھا جس میں سے کچھ نجاست اس کی انگلی کو لگی رہ

گئی۔ عورتوں کی عادت ہے کہ وہ ناک پر انگلی رکھا کرتی ہیں۔ اس نے جو ناک پر انگلی رکھ کر چاند دیکھا تو پاخانہ کی بدبو ناک میں پہنچی تو وہ کہتی ہے کہ اوئی اب کے چاند کیسا سڑا ہوا نکلا ہے۔

یہی حال ان جہلاء کا ہے جو علماء پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہمارے سوال کا جواب نہیں دیتے بلکہ ان کو اپنی خبر نہیں کہ ان میں جواب کے سمجھنے کی اہلیت نہیں۔ بھلا اگر ایک سائیس کسی کالج کے پروفیسر سے کہے کہ مجھے اقلیدس کے پہلے مقالہ کی پانچویں شکل سمجھا دو اور اس کی تقریر کرے اور رئیس نہ سمجھ سکے اور کہے نہ معلوم یہ کیا ہے تو بتلایئے قصور کس کا ہے یقیناً سائیس کی عقل کا قصور ہے مگر جاہلوں کے نزدیک تو وہ پروفیسر ہی بکتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ایک ملاجی میرے پاس مترجم قرآن لائے۔ وہ ترجمہ شاہ عبدالقادر کا تھا۔ اس میں محاوروں کی زیادہ رعایت کی گئی ہے اس میں فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ کا یوں ترجمہ کیا گیا ہے۔ کہ دھوؤ اپنے مونہوں اور ہاتھوں کو اور ملو اپنے سروں کو اور اپنے پیروں کو جس میں لفظ اپنے پیروں کو واقع میں مونہوں اور ہاتھوں کے ساتھ لگتا ہے جو کہ دور ہے نہ کہ اس فقرہ سے کہ ملو اپنے سروں کو جو کہ نزدیک ہے' مگر وہ ملاجی قریب کے سبب یہی سمجھے کہ یہ قریب سے متصل ہے تو اب وہ ترجمہ دکھلا کر مجھ سے پوچھنے لگے کہ قرآن سے تو پاؤں کا مسح ثابت ہوتا ہے۔ میں بڑا گھبرایا کہ اس جاہل کو کیوں کر سمجھاؤں نہ یہ عطف کو سمجھے نہ اعراب کو۔ تو میں نے اس سے کہا کہ ملاجی تم نے یہ کیوں کر معلوم کیا کہ یہ قرآن ہے اور خدا کا کلام ہے۔ کہا علماء کے کہنے سے۔ میں نے کہا' اللہ اکبر علماء اس میں تو ایمان دار ہیں کہ وہ ایک عربی عبارت کو قرآن کہہ دیں۔ اور اس میں ایمان دار نہیں کہ وہ پاؤں دھونے کو فرض کہیں۔ پس علماء نے فرمایا ہے کہ پاؤں دھونا فرض ہے اور مسح کرنا جائز نہیں۔ اور نیز یہ بھی کہا کہ تم جیسوں کو قرآن کا ترجمہ دیکھنا جائز نہیں۔ خبردار جو تم نے کبھی آئندہ ترجمہ دیکھا' بس قرآن کی تلاوت کیا کرو ترجمہ ہرگز نہ دیکھو۔

والدین کے حقوق پیر سے بھی زیادہ ہیں: جریج ایک عابد تھے وہ ایک مرتبہ اپنی عبادت گاہ میں نماز نفل پڑھ رہے تھے کہ ان کی ماں نے آ کر پکارا۔ یہ سخت پریشان ہوئے کہ جواب دوں یہ نہ دوں۔ جواب دوں نماز جاتی ہے نہ دوں تو ماں کی خفگی کا اندیشہ۔ آخر انہوں نے جواب نہیں دیا۔ اس نے دو تین آوازیں دیں اور بدعاء دے کر چلی گئی کہ اللھم لاتمتہ حتی تریہ

وجوہ المومسات کہ اے اللہ! جب تک یہ کسی زانیہ کا منہ نہ دیکھ لے اس کی موت نہ آئے۔

حضور ﷺ نے یہ حکایت بیان فرما کر ارشاد فرمایا: لو کان فقیھا لا جاب امہ اگر وہ فقیہ ہوتا تو اپنی ماں کو ضرور جواب دیتا۔ مگر جریج چونکہ فقیہ نہیں تھے اس لیے جواب نہ دیا اور ماں کی بددعا لگ گئی اور یہ واقعہ ہوا کہ قریب ایک آوارہ عورت تھی اس کو کسی کا حمل رہ گیا۔ کچھ لوگ جریج کے دشمن تھے انہوں نے اس سے کہا کہ تو جریج کا نام لے دینا کہ اس کا بچہ ہے۔ اس کم بخت نے ایسا ہی کیا۔ لوگ اس کے عبادت خانے پر چڑھ آئے اور اس کو توڑنے لگے اور جریج کو پیٹنا چاہا۔ اس نے پوچھا کہ اس حرکت کا آخر کچھ سبب بھی ہے یا نہیں۔ کہنے لگے تو ریاکار ہے عبادت خانہ بنا کر زنا کرتا ہے۔ فلاں عورت سے تو نے زنا کیا ہے اس کے بچہ پیدا ہوا ہے۔ یہ عبادت خانہ سے نیچے اترے آخر اللہ کے مقبول بندے تھے۔ رحمت خدا کو جوش ہوا اور ان کی ایک کرامت ظاہر ہوئی حضرت جریج نے اس لڑکے سے پوچھا کہ بتا تو کس کا ہے۔ اس نے کہا کہ میں فلاں چرواہے کا ہوں۔

فائدہ: یہ قصہ حدیث میں مذکور ہے۔ اس سے ماں کا کتنا بڑا حق معلوم ہوا۔ مگر اس پر اجماع ہے کہ اگر پیر پکارے تو نماز نفل کا بھی توڑنا جائز نہیں تو پیر کا حق ماں باپ سے زیادہ نہیں۔

جان جانے کے ڈر سے روزہ توڑ دینا واجب ہے: ایک مرتبہ ایک رئیس زادہ سے روزہ رکھوایا گیا۔ گرمی کے دن تھے دوپہر تک تو بے چارے نے نباہ دیا مگر عصر کے وقت پیاس سے سخت پریشان ہوا۔ رئیس نے روزہ کشائی کا بہت اہتمام کیا تھا۔ تمام خاندان کی اور دوستوں کی دعوت کی تھی۔ آخر بہلایا تھوڑی دیر اور صبر کرو مگر اس بے چارہ کو تاب کہاں تھی۔ اول تو اس نے لوگوں کی منتیں خوشامد کیں مگر کسی ظالم نے اس کی جان پر رحم نہ کیا اور کسی نے ایک گھونٹ بھی پانی نہ دیا۔ آخر وہ خود اٹھا رئیس نے اتنا سامان کیا تھا کہ مٹکوں میں برف بھری گئی تھی وہ مٹکے سے لپٹا کہ کچھ تو پانی سے قریب ہو اور لپٹتے ہی جان نکل گئی اس کا وبال ان بے رحم ماں باپ پر ہوا۔

فائدہ: شریعت کا تو یہ حکم ہے کہ جوان کی بھی جان نکلنے لگے تو روزہ توڑ دینا واجب ہے، مگر اہل رسوم کے نزدیک معصوم بچہ کو بھی اجازت نہیں۔

دریں چہ شک؟: ایک شخص نے اپنے طوطے کو لفظ ''دریں چہ شک'' سکھلا دیا تھا اور وہ ہر بات

کے جواب میں یہی لفظ کہہ دیا کرتا تھا۔ مگر یہ لفظ ایسا ہے کہ اکثر باتوں کا جواب بھی بن جاتا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے طوطے کو یہ لفظ یاد کروا دیا اور سر بازار لا کر دعویٰ کیا کہ میرا طوطا فارسی بولتا ہے۔ ایک شخص نے اس کا امتحان لیا۔ کئی ایک باتیں اس سے کیں سب کے جواب میں اس نے ''دریں چہ شک'' ہی کہا مگر ان باتوں پر جواب چسپاں تھا۔ اس نے خوش ہو کر اس کو خرید لیا اور گھر پر لایا۔ اب اس سے ادھر ادھر کی باتیں کیں اس نے سب کے جواب میں ''دریش چہ شک'' ہی کہا چاہے جوڑ لگے یا نہ لگے۔ آخر اس نے جھلا کر کہا' افسوس میں نے تیرے خریدنے میں بڑی بے وقوفی کی' اس نے اس کے جواب میں بھی یہی کہا۔ ''دریں چہ شک'' کہ اس میں کیا شک ہے۔

فائدہ: ایسے ہمارے نفس کو بھی ایک سبق یاد ہے' ہر جگہ اس کا استعمال کرتا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔ خواہ وہ کیسا ہی گناہ ہو حق اللہ یا حق العبد۔ دوسرے یہ کہ غفور رحیم ہونے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ گناہ کا ضرر نہ ہوگا۔

نا اہل واعظ نہیں ہو سکتا: کانپور میں ایک شخص نے ایک ایسے بکرے کی قربانی کی جس کا کوئی عضو عیب سے خالی نہ تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ اس کی قربانی جائز نہیں تو وہ کہتا ہے واہ ہماری بیوی صاحبہ نے فتویٰ دیا ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔ پھر اس نے بیوی سے جا کر کہا کہ لوگ تمہارے فتویٰ میں غلطی نکالتے ہیں۔ اس نے شرح وقایہ کا اردو ترجمہ پڑھا تھا اس میں مسئلہ کا موقع نکال کر باہر بھیج دیا کہ دیکھو اس میں لکھا ہے کہ تہائی عضو سے کم کٹا ہو تو قربانی جائز ہے اور اس بکرے کا کوئی عضو تہائی سے زائد نہیں کٹا بلکہ کم ہی ہے گو مجموعہ مل کر بہت زیادہ تھا۔

فائدہ: کچھ ٹھکانا ہے اس نامعقول حرکت کا کہ ایک عورت بھی شرح وقایہ کا ترجمہ پڑھ کر مفتی بن گئی۔

حضور ﷺ کے برحق ہونے کا اغیار کو بھی یقین تھا: تاریخ مدینہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے چند صدی بعد دو شخص مدینہ میں حضور ﷺ کے جسد اطہر کو نکالنے آئے تھے۔ مسجد نبوی ﷺ کے پاس ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا اور دن بھر نماز و تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔ لوگ ان کے معتقد بھی ہو گئے تھے۔ وہ کم بخت رات کے وقت اس مکان سے قبر شریف کے طرف سرنگ کھودتے تھے اور جس قدر سرنگ کھود لیتے' راتوں رات مٹی مدینہ سے باہر پھینک آتے تھے۔ جگہ برابر کر دیتے تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ کئی ہفتہ تک وہ لوگ سرنگ کھودنے

میں مشغول رہے۔ جب ادھران لوگوں نے یہ کام شروع کیا حق تعالیٰ نے اس زمانہ کے سلطان کو بذریعہ خواب متنبہ کردیا۔ خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر حزن و غم کے آثار ہیں اور آپ ﷺ اس بادشاہ کا نام لے کر فرمارہے ہیں کہ مجھے ان دو شخصوں نے بہت ایذا دے رکھی ہے۔ جلد مجھے اس سے نجات دو۔ خواب میں دونوں شخصوں کی صورت بھی بادشاہ کو دکھلادی گئی۔ خواب سے بیدار ہوکر بادشاہ نے وزیر سے اس کا تذکرہ کیا۔ وزیر نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں کوئی حادثہ پیش آ گیا۔ آپ جلد مدینہ تشریف لے جائیں۔ بادشاہ نے فوراً فوج ساتھ لے کر بہت تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف سفر کیا اور بہت جلد مدینے پہنچ گیا۔ اس عرصہ میں وہ لوگ بہت سرنگ کھود چکے تھے اور بالکل جسد اطہر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ایک دن بادشاہ کو اور تاخیر ہوجاتی تو وہ لوگ اپنا کام پورا کرلیتے۔

بادشاہ نے مدینے پہنچ کر تمام لوگوں کی مدینے سے باہر دعوت کی اور سب کو مدینے کے ایک خاص دروازے سے نکلنے کا حکم کیا اور خود دروازہ پر کھڑے ہوکر ہر شخص کو خوب غور سے دیکھتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینے کے سب مرد شہر سے باہر نکل گئے مگر ان دو شخصوں کی صورت پر نظر نہ پڑی جن کو خواب میں دیکھا تھا۔ اس لیے بادشاہ کو سخت حیرت ہوئی اور لوگوں سے کہا کہ کیا سب لوگ باہر آ گئے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ اب کوئی اندر نہیں رہا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا ضرور کوئی اندر رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ دو زاہد اندر رہ گئے ہیں وہ کسی کی دعوت میں جایا نہیں کرتے اور نہ کسی سے ملتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے ان ہی سے کام ہے۔ چنانچہ جب وہ پکڑ کر لائے گئے تو بعینہ وہ دو صورتیں نظر پڑیں جو خواب میں دکھلائی گئی تھیں۔ ان کو فوراً قید کرلیا گیا اور پوچھا گیا کہ تم نے حضور ﷺ کو کیا ایذا دی ہے' چنانچہ بڑی دیر کے بعد انہوں نے اقرار کیا کہ ہم نے جسد اطہر نکالنے کے لیے سرنگ کھودی ہے۔ چنانچہ خود بادشاہ نے وہ سرنگ دیکھی تو معلوم ہوا کہ قدم مبارک تک پہنچ چکی ہے۔ بادشاہ نے قدم مبارک کو بوسہ دے کر سرنگ بند کروادی اور زمین کو پانی کی تہ تک کھدوا کر قبر مبارک کے چاروں طرف سیسہ پلا دیا تاکہ آئندہ کوئی سرنگ نہ لگا سکے۔

فائدہ: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح و سالم ہونے کا ایسا پختہ اعتقاد ہے کہ کئی سو برس بعد بھی اس کو نکالنے کی کوشش کی۔ اگر ان کو محفوظ ہونے کا یقین نہ ہوتا تو وہ سرنگ کیوں لگاتے۔ محض وہم و شبہ پر اتنا بڑا خطرہ کا کام نہیں کرتا۔ وہ لوگ اہل کتاب ہیں وہ بھی خوب

سمجھتے ہیں کہ نبی کے جسم کو زمین نہیں کھا سکتی۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق تھے بوجہ عناد کے اقرار نہیں کرتے۔

یہ ہے تدین (دین داری): حضرت مولانا فرماتے ہیں ہمارے ایک دوست کا جو کہ بی اے ہیں واقعہ ہے کہ وہ ایک بار ریل کا سفر کر رہے تھے۔ ان کے پاس اسباب پندرہ سیر سے زیادہ تھا۔ اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ وقت کی کمی وجہ سے وہ اس کا وزن نہ کرا سکے۔ اس وقت تو جلدی میں سوار ہو گئے لیکن جب منزل مقصود پر اترے تو وہاں کے بابو سے جا کر اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں جلدی میں اسباب کو وزن نہ کرا سکا اب آپ اس کو وزن کر لیں اور جو محصول میرے ذمہ ہوا اس کو وصول کر لیجئے۔ بابو نے انکار کیا کہ مجھ کو فرصت نہیں تم ویسے ہی لے جاؤ ہم تم سے محصول نہیں لیتے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب آپ کو اس معافی کا کوئی حق نہیں کیونکہ تم ریلوے کے مالک نہیں ملازم ہیں آپ کو محصول مجھ سے لے لینا چاہیے۔ مگر اس نے پھر بھی انکار کیا تو یہ اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی کہا کہ آپ سامان بلا تکلف لے جائیں ہم آپ سے محصول نہیں لیتے۔ انہوں نے اس سے بھی کہا کہ آپ کو معافی کا کوئی حق نہیں۔ اس کے بعد اسٹیشن ماسٹر اور اس بابو میں انگریزی میں گفتگو ہونے لگی۔ وہ سمجھے کہ یہ مسافر انگریزی نہیں سمجھتا ہوگا (کیونکہ ان کی صورت ملازموں کی سی تھی)۔ غرض ان دونوں نے اس گفتگو میں یہ رائے قرار دی کہ یہ شخص شراب پئے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ہمارے انکار کے یہ محصول دینے پر اصرار کرتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے شراب نہیں پی بلکہ ہمارا مذہبی حکم ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رکھو۔ اس پر وہ دونوں بولے صاحب ہم تو اس وقت اسباب کا وزن نہیں کر سکتے۔ آخر یہ اسباب اٹھا کر پلیٹ فارم سے باہر لائے اور سوچنے لگے کہ یا اللہ اب میں اس ریلوے کے حق سے کس طرح سبکدوشی حاصل کروں۔ آخر خدا نے امداد کی اور یہ بات دل میں ڈالی کہ جتنا اسباب زیادہ ہے اس کے محصول کے برابر ایک ٹکٹ اسی ریلوے کے کسی اسٹیشن کا لے کر چاک کر دیا جائے اس طرح ریلوے کا حق اس کو پہنچ جائے گا چنانچہ ایسا ہی کیا۔

دوسرا واقعہ: میرے ایک اور دوست کا جو کہ ڈپٹی کلکٹر بھی تھے واقعہ ہے کہ ان کا ایک بچہ ریل کے سفر میں ان کے ہمراہ تھا جس کا قد بہت کم تھا کہ دیکھنے میں دس سال کا معلوم ہوتا تھا مگر اس کی عمر تقریباً تیرہ سال کی تھی اور ریلوے کے قاعدے سے اس عمر کے بچے کا ٹکٹ پورا لینا ضروری ہے۔

انہوں نے اس کا پورا ٹکٹ لینا چاہا تو ساتھیوں نے بہت منع کیا کہ اس کو تیرہ سال کا کون کہہ سکتا ہے۔ آپ آدھا ٹکٹ لے لیجئے کوئی کچھ نہ کہے گا۔ انہوں نے کہا بندے کچھ نہیں کہیں گے تو کیا حق تعالیٰ بھی باز پرس نہ فرمائیں گے کہ تم نے دوسرے کی چیز میں تھوڑی اجرت پر بغیر اس کی اجازت کے کیوں تصرف کیا غرض انہوں نے پورا ٹکٹ لیا اور ان کے ساتھی ان کو بے وقوف بناتے رہے مگر ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد

بھلا اس کی نظیر کوئی قوم بھی دکھلا سکتی ہے کہ ایک شخص کو ریل بابو اور اسٹیشن ماسٹر خود کہہ دے کہ تم بلا تکلف اسباب لے جاؤ ہم محصول نہیں لیتے اور وہ پھر بھی اس پر اصرار کرے کہ نہیں تم کو محصول لینا پڑے گا تم کو معافی کا کوئی حق نہیں اور جب وہ کسی طرح وصول نہیں کرتے تو یہ محض خدا کے خوف سے ریلوے کا ٹکٹ مقدار محصول کے برابر خرید کر چاک کر دیتا ہے اور یہ صورت شبہات سے احتراز کرنے کی عام لوگوں کی نظروں میں ہے ورنہ حقیقت میں یہ شبہات کی قسم سے نہیں بلکہ صریح واجب کا امتثال ہے۔

کھا کر شکر ادا کرنا چاہیے: ایک بنیے نے اپنی لڑکی کی شادی میں بہت بڑی بارات بلائی تھی اور دعوت کا سامان بہت بڑھیا کیا تھا۔ اس کے علاوہ چلتے ہوئے ہر باراتی کو ایک ایک اشرفی بھی دی تھی۔ یہ سب کچھ کر کے اس کو خیال ہوا کہ آج بارات والے میری خوب تعریف کریں گے۔ وہ اپنی تعریف سننے کے لیے اس راستہ میں چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے برات گزر رہی تھی مگر وہاں بالکل سناٹا تھا۔ کسی نے بھی تو بنیے کی دریا دلی کی داد نہ دی۔ آخر بہت دیر کے بعد ایک گاڑی میں سے آواز آئی کہ کوئی شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ بھائی لالہ جی نے بڑی حوصلہ کی دعوت کی اچھے اچھے کھانے کھلائے اور چلتے ہوئے ایک ایک اشرفی بھی دی تو دوسرا کیا کہتا ہے کہ میاں کیا کیا، سسرے کے یہاں اشرفیوں کے کوٹھے بھرے پڑے ہیں دو دو بانٹ دیتا تو اس کے کیا کمی آ جاتی۔

فائدہ: لیجئے ایک اشرفی بانٹ کر تو سسرے کا خطاب ملا زیادہ بانٹتا تو نہ معلوم کیا خطاب ملتا۔

جاہ زوال پذیر ہے: ایک رئیس نے دیوبند میں بڑی دھوم دھام سے دعوت کی تھی جس میں بڑا روپیہ صرف ہوا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت کے بعد ان رئیس

صاحب کو اس فراخ حوصلگی کی داد اس طرح دی کہ شیخ صاحب آپ نے بڑے حوصلہ کا کام کیا مگر افسوس یہ ہے کہ اتنا روپیہ خرچ کر کے آپ نے ایسی چیز خریدی جو بازار میں پھوٹی کوڑی کو بھی نہیں بک سکتی یعنی نام۔ اور اگر بدنامی ہوگئی تو وہ خیالی جاہ بھی جاتی رہی۔ بس جاہ کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منہار پوٹلہ باندھے ہوئے چوڑیوں کا لیے جارہا تھا۔ ایک گنوار نے لاٹھی کا کھودا مار کر پوچھا کہ میاں اس میں کیا ہے (گاؤں والوں کی عادت ہے کہ وہ لاٹھی مار کر پوچھا کرتے ہیں) اس منہار نے جواب دیا کہ اس میں ایسی چیز ہے کہ ایک کھودا اور ماردو تو اس میں کچھ بھی نہیں اسی طرح جاہ ایسی چیز ہے کہ ذرا سی ٹھیس میں جاتی رہتی ہے۔

اذان سے شیطان بھاگتا ہے: ایک راجہ کے یہاں ہندو پنڈتوں نے استغاثہ دائر کیا تھا کہ مسلمانوں کی مسجد مندر کے پاس ہے جس میں وہ اذان دیتے ہیں ان کو اس سے منع کیا جائے کہ زور سے اذان نہ کہا کریں ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں۔ راجہ نے وزیر سے کہا کہ ہمارا ایک گھوڑا توپ کی آواز سے چونکتا تھا تو ہم نے اس کی چمک نکالنے کے لیے یہ تدبیر کی تھی کہ اس کو توپ کے پاس رسوں سے بندھوا کر خوب توپ چلانے کا حکم دیا تھا۔ جس سے اس کی چمک جاتی رہی تھی تو ہمارے دیوتا اگر اذان سے بھاگتے ہیں تو یہ ہم کو بہت مضر ہے۔ مسلمان جب چاہا کریں گے ان کو بھگا دیا کریں گے لہٰذا ان کی چمک نکالنی چاہیے اور مسلمانوں سے کہنا چاہیے کہ خوب زور سے اذان دیں یہ تو ہمارے ہی واسطے مفید ہے۔

ایک احمق کی حکایت: ایک احمق شخص نے کسی ولایتی کو دیکھا جو اپنے گھوڑے کو پیار و شفقت کے ساتھ دانہ کھلا رہا تھا اور وہ گھوڑا کبھی ادھر منہ پھیر لیتا کبھی ادھر اور وہ کہتا کہ کھاؤ بیٹا کھاؤ۔ انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ افسوس میری بیوی میری اتنی قدر بھی نہیں کرتی جتنی یہ شخص گھوڑے کی کرتا ہے۔ اب کے گھر جا کر ہم بھی ان ہی نخروں کے ساتھ کھانا کھایا کریں گے۔ چنانچہ گھر تشریف لائے اور بی بی کو حکم دیا ہمارے لیے دانہ بھگو دے پھر شام کو گھوڑے کی طرح کھڑے ہو کر حکم دیا کہ اگاڑی پچھاڑی کھونٹوں سے باندھ دے اور دم کی جگہ ایک جھاڑو بندھوائی اور حکم دیا کہ ہم کو دانہ کھلا دے اور جب ہم نخرے کریں تو ہماری خوشامد کریں اور کہیں کہ کھاؤ بیٹا کھاؤ۔ چنانچہ ان سب احکام کی تعمیل کی گئی۔ آپ دانہ کھانے میں جو اچھلے کودے، کیونکہ گھوڑا بن رہے تھے۔ پیچھے کہیں چراغ رکھا تھا وہ جھاڑو میں لگ گیا اور اگاڑی پچھاڑی بندھی ہونے کے

سب ہاتھ پاؤں بے کار ہو چکے تھے۔ آگ بڑھنے لگی۔ بی بی بھی احمق ہی تھی محلہ میں دوڑی گئی کہ لوگو! میرا گھوڑا جل گیا۔ اس کے یہاں گھوڑا کہاں' سب سمجھے مسخرہ پن ہے۔ کوئی نہ آیا' گھوڑے صاحب اپنے گدھے پن سے جل کر رہ گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اخلاص کی حکایت: ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کو معرکہ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا اس کم بخت نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو فوراً ہی ذبح کر ڈالتے۔ مگر تھوکنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ فوراً اس کے سینہ پر سے کھڑے ہوئے اور فوراً اسے چھوڑ دیا۔ یہودی بڑا متعجب ہوا کہ میری اس حرکت کے بعد تو ان کو چاہیے تھا کہ مجھے کسی طرح جیتا نہ چھوڑتے مگر انہوں نے برعکس معاملہ کیا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اگر مجھ کو کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا تھا تو تھوکنے کے بعد کیوں رہا کر دیا اس فعل سے نہ میرا کفر زائل ہوا نہ عادت سابقہ ختم ہوئی بلکہ اور زیادہ ہو گئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واقعی اس فعل کے بعد میرا رہا کر دینا بظاہر عجیب ہے مگر بات یہ ہے کہ اول جب میں نے تجھ پر حملہ کیا تو اس وقت بجز رضائے حق کے مجھے کچھ مطلوب نہ تھا اور جب تو نے مجھ پر تھوکا تو مجھے غصہ اور جوشِ انتقام پیدا ہوا۔ میں نے دیکھا کہ اب میرا تجھے قتل کرنا محض خدا کے لیے نہ ہو گا اس میں نفس کی بھی آمیزش ہو گی اور میں نے نہ چاہا کہ نفس کے لیے کام کر کے اپنے عمل کو کیوں ضائع کروں' اس لیے تجھے رہا کر دیا۔ وہ یہودی یہ سن کر فوراً مسلمان ہو گیا اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے۔ جس میں شرک سے اس درجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس کے لیے نہ کرو بلکہ محض خدا کے لیے ہر کام کرو۔

فائدہ: دوستی اور دشمنی میں بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے۔

لفظی حصول: ایک مہاجن تھا' اس کے کوئی منیم جی تھے' وہ بیچارے تھے مفلس۔ ایک دن بیٹھے کارخانہ کا حساب و کتاب کر رہے تھے۔ ایک سائل آیا مگر وہ مہذب تھا۔ چھپ کر کھڑا رہا کہ اس وقت مشغول ہیں لالہ جی' فارغ ہوں تو مانگوں گا۔ دیر تک کھڑا انتظار رہا کہ دو اور دو چار اور چھ دس کا صفر حاصل ایک کا ایک دس اور دو بارہ بارہ کے دو حاصل ایک غرض کہیں حاصل ہوا ایک کہیں ہاتھ لگے دو' کہیں حاصل ہوئے چار' کہیں ہاتھ لگے چھ وہ کھڑا گنتا رہا۔ دس ہوئے پچاس ہوئے' سو ہوئے اے اللہ! کتنے حاصل ہوں گے مگر وہ سائل دل میں بڑا خوش کہ یہ تو اقراری مجرم ہے۔ اس

سے خوب وصول کروں گا۔اس کے پاس انکار کی کیا گنجائش ہے۔ جب لالہ جی حساب سے فارغ ہوئے تو سائل نے کہا کہ اجی مجھے بھی کچھ مل جائے۔ لالہ جی بولے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔اس نے کہا اجی کیوں جھوٹ بولتے ہیں ہو میرے سامنے ہی تو سینکڑوں ہزاروں حاصل کر چکے ہو، کبھی حاصل ہوئے چار، کبھی ہاتھ لگے چھ۔ گھنٹہ بھر سے تو میں یہی قصہ دیکھ رہا ہوں اور میں سب جوڑتا گیا ہوں۔ کئی ہزار تک تو نوبت پہنچ ہی چکی ہے اور پھر کہتے ہو کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔اس نے کہا بھائی مجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے لفظوں ہی میں حاصل ہوا ہے واقع میں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔

شیخ چلی: شیخ چلی خبطی سا شخص تھا یا کوئی مسخرہ تھا کسی شخص کو ایک گھڑا تیل کا اپنے گھر لے جانا تھا۔ شیخ چلی کہیں نظر پڑ گئے، کہا چل ہمارا تیل کا گھڑا تو ذرا گھر تک پہنچا دے؟ دو پیسے دیں گے۔ شیخ چلی نے منظور کر لیا اور سر پر گھڑا رکھ کر چلے۔اب آپ نے اپنے دل میں منصوبہ گانٹھا کہ آج ہمیں دو پیسے ملیں گے۔ان سے کوئی تجارت کرنی چاہیے، سوچا کہ کون سی صورت اختیار کروں آخر یہ طے کیا کہ ان دو پیسوں کے دو انڈے خرید لوں گا پھر کسی مرغی والے کی خوشامد کر کے مرغی کے نیچے رکھ دوں گا ان میں سے دو بچے نکلیں گے۔ایک مرغا ایک مرغی۔انڈوں میں بھی ان کے باوا کی عملداری کہ ان کی مرضی کے موافق ہی بچے نکلیں گے۔ایک نر اور ایک مادہ لیکن فرض کرنا کیا مشکل ہے۔غرض گھر ہی کی مرغی ہوگی اور گھر ہی کا مرغا، بہت سے انڈے ہوں گے اور ان کے خوب بچے ہوں گے۔ جب بہت سے بچے ہو جائیں گے تو انہیں بیچ کر بکریاں خرید لوں گا۔ پھر اسی طرح جب بکریاں بہت سی ہو جائیں گی انہیں بیچ کر گائے خرید لیں گے پھر بھینس، پھر بھینسوں کو بیچ کر گھوڑوں کی تجارت کریں گے۔ جب کاروبار بڑھے گا اور تجارت کے کام میں خوب ترقی ہوگی تو وزیر زادی سے نکاح کریں گے۔ یہاں تک پہنچے ہیں حضرت پھر بچہ بھی ہو جائے گا جب وہ بڑا ہوگا تو اندر سے ہمیں بلانے آئے گا کہ ابا جان چلو اماں جان نے بلایا ہے۔ ہم اسے ڈانٹ دیں گے ہشت ہم نہیں چلتے ہمیں فرصت نہیں ہے۔اس ہشت کہنے میں آپ نے جو سر ہلایا بے ہوشی میں گھڑا نیچے گر پڑا اور تمام تیل زمین پر پھیل گیا۔ مالک خفا ہونے لگا کہ ارے کم بخت یہ تو نے کیا حرکت کی تو آپ فرماتے ہیں میاں جاؤ بیٹھو۔تم ذرا سے تیل کو لیے پھرتے ہو میرے نقصان کو نہیں دیکھتے میرا تو سارا بنا بنایا گھر ہی بگڑ گیا۔ سارا کنبہ اور تجارت ہی غارت ہوگئی۔ بیوی

بچے سب ختم ہو گئے۔

سوت نہ کپاس: افیونیوں کو مٹھائی کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ دو افیونی تھے' بیٹھے آپس میں باتیں کر رہتے تھے۔ ایک بولا یار گنوں کی کاشت کریں گے بڑا مزہ رہے گا تڑاق سے توڑا اور چوسنے لگے۔ دوسرا بولا ہاں یار بڑا لطف رہے گا تڑاق پڑاق توڑا اور چوس لیا۔ اس پر پہلے والے نے بگڑ کر کہا کہ میں نے تو ایک ہی گنا توڑا تھا تو نے دو کیوں توڑ لیے۔ دوسرا بولا ہمارا کھیت ہے چاہے سو کھائیں تو کون ہے روکنے والا' تو بھی کھالے۔ بس جناب اسی بات پر لڑائی شروع ہو گئی۔ کوئی ان سے پوچھے کہ ارے احمقو وہ گنے ابھی ہیں کہاں؟ اسی خیالی بات پر لڑائی اتنی بڑھی کہ مقدمہ قاضی کے یہاں پہنچا۔ قاضی نے انہیں اس حماقت کی اس طرح سزا دی کہ دونوں سے کہا کہ پہلے اس کاشت کا محصول سرکاری تو داخل کرو پھر مقدمہ کی سماعت ہو جائے گی۔ چنانچہ جناب اس سے پہلے تو دونوں سے محصول داخل کروالیا۔ پھر دونوں سے کہا کہ دیکھو خبردار برابر گنے توڑا کرو یہ فیصلہ کر دیا۔

اہل تحقیق کا جواب: حدیث جو اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز ایسے پڑھے کہ لا یحدث فیھما نفسه۔ یعنی اس میں اپنی جی سے باتیں نہ کرے یعنی حدیث النفس کے طور پر جو ہم لوگ ادھر ادھر کی باتیں سوچا کرتے ہیں اس سے وہ نماز بالکل خالی ہو۔ بے سوچے ادھر ادھر کے خیالات آجاویں تو کچھ ڈر نہیں مگر خود نہ سوچے' بے سوچے آنے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ انہیں دل میں رکھے بھی نہیں احداث اور ابقا دونوں اس کی جانب سے نہ ہوں۔ یعنی نہ خود پیدا کرے نہ خود باقی رکھے۔ بس متوجہ الی اللہ رہے اور اگر کوئی خیال خود بخود آ جائے تو کچھ حرج نہیں۔

مولانا کی خدمت میں یہ حدیث پیش ہو رہی تھی کہ جو ایسی دو رکعت پڑھ گیا عفر له ما تقدم من ذنبه یعنی اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ایک طالب علم بولا' کیوں حضرت کیا ایسی نماز ممکن ہے۔ جس میں خیالات نہ آویں' اول تو اس نے سوال ہی غلط کیا۔ حدیث شریف میں تو یہ ہے لا یحدث فیھا نفسه مگر مولانا نے اس مواخذہ سے تعرض نہ فرما کر کہا خوب جواب دیا کہ میاں کبھی ارادہ بھی ایسی نماز پڑھنے کیا کیا تھا۔ جس میں کامیابی نہ ہوئی کبھی پڑھ کر بھی دیکھی تھی۔ اگر پڑھ کر دیکھتے اور ناکامی ہوتی تب تو پوچھتے ہوئے بھی اچھے معلوم

ہوتے۔ شرم نہیں آتی کہ کبھی ارادہ تو نہیں کیا اور پہلے ہی اعتراض کرنے بیٹھ گیا حدیث پر بھائی کبھی اس حدیث پر عمل تو کر کے دیکھا ہوتا۔ جب قدرت نہ ہوتی جبھی اعتراض کیا ہوتا۔ سو واقعی اس کی تو ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے پلاؤ کی تعریف کی کہ بڑا لذیذ ہوتا ہے یہ سن کر ایک کہتا ہے جو ہمیشہ ستو ہی گھول گھول کر پیتا رہا ہے کہ پلاؤ گلے سے اترے گا کیوں کر لمبے لمبے چاول کانٹے کانٹے جیسے پھر لقمہ میں بہت سے۔ اور جو پھنس جائیں تو۔ مثلاً ایک لقمہ میں ۴۰۰ چاول ایک دم سے آ گئے وہ بھی کانٹے کی طرح لمبے نوکدار اور حلق کا ذرا سا سوراخ بھلا لقمہ گلے سے اترے گا کیوں کر کوئی پتلی چیز ہوتی تو اتر بھی جاتی۔ اب حکیم صاحب سمجھانے بیٹھے کہ دیکھو یہ صورت اترنے کی ہوگی کہ یہاں تو یہ چاول لمبے لمبے نظر آ رہے ہیں وہاں پہنچ کر گول ہو جائیں گے وہاں حلق کے اندر خلا ہو جائے گا۔ مگر اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا اشکالات پر اشکالات۔ بس سیدھا جواب یہ ہے کہ ارے احمق کھا کر تو دیکھ جس وقت اٹکے گا اسی وقت پوچھیے اصلی جواب تو یہی ہے حضرت ان بزرگوں کے جواب ایسے ہی ہوتے ہیں کہ پھر کسی کو کچھ گنجائش ہی کلام کی باقی نہیں رہتی۔

شرط ایں است کہ مجنوں باشی: مؤرخین نے لکھا ہے کہ لیلیٰ سانولی تھی بہت اچھی نہ تھی لیکن دل ہے کہ جہاں آ گیا۔ ایک حکایت مولانا نے لکھی ہے۔

گفت لیلےٰ را خلیفہ کاں توئی گر تو مجنوں شد پریشان دغوی

بادشاہ وقت نے جب لیلیٰ کی تعریف سنی تو حکم دے دیا کہ اسے بلایا جائے۔ چنانچہ وہ حاضر کی گئی۔ دیکھا تو ایک سانولی سی عورت۔ کہا ماشاء اللہ آپ ہی ہیں جنہوں نے مجنون کو پریشان کر رکھا ہے۔

از دگر خوباں تو افزوں نیستی گفت خائش چوں تو مجنوں نیستی

''یعنی اوروں سے زیادہ تو کوئی بات تجھ میں معلوم نہیں ہوتی۔ لیلیٰ نے کہا چپ رہ تو مجنوں تھوڑا ہی ہے۔''

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

''اگر تیرے پاس مجنوں کی آنکھ ہوتی اس وقت تیری نظروں میں دونوں عالم بے قدر ہو جاتے۔''

فائدہ: جب ادنیٰ حسن کے طالب کا یہ حال ہے تو خدا کی محبت میں کیا حال ہونا چاہیے۔ اسی کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہراو اولیٰ بود

''کیونکہ عشق کا مدار حسن ہے اور کہاں خدا کا اور کہاں لیلیٰ کا۔ حسن مجازی تو ایک پر تو ہے حسن حقیقی کا' دنیا کا سارا حسن و جمال وہیں کا ظل اور پر تو ہے۔''

ایک فقیر سنیاسی کا واقعہ: ایک جاہل ہندو فقیر سنیاسی اپنا واقعہ بیان کرتا تھا کہ اس کو خدا تعالیٰ کے دیدار کا شوق غالب ہوا اور یکے بعد دیگرے ہندو پنڈتوں سے اس شوق کو ظاہر کیا کہ مجھے خدا تعالیٰ کو دکھلاؤ۔ سب نے اس سے انکار کیا مگر ایک مہنت نے وعدہ کیا کہ فلاں دن سورج چھپے دریا کے کنارے دکھلاؤں گا۔ اس کو شوق غالب تھا وقت پر پہنچا۔ مہنت نے یہ حرکت کی تھی کہ ایک کچھوے کے اوپر گارا جما کر اس پر چراغ جلا کر رکھ دیا تھا۔ جب آفتاب غروب ہو گیا تو اندھیرے میں دور سے روشنی نظر آئی۔ مہنت نے کہا دیکھو وہ ہے خدا۔ اس نے بھی دیکھا تو روشنی تو نظر آتی ہے مگر اس کی حالت یہ ہے کہ اچھلتی ہوئی حرکت کر رہی ہے۔ یہ تحقیق کے لیے روشنی کی طرف دوڑا۔ مہنت نے کہا ہائیں ہائیں وہاں مت جانا جل جائے گا' مر جائے گا۔ خدا کا دیدار دُور ہی سے کرنا چاہیے۔ اس نے کہا بلا سے اگر مر گیا تو پرواہ نہیں میں تو خدا کو پاس ہی سے دیکھوں گا۔ اگر ان کی جوت سے جل بھی گیا تو اس سے اچھا کیا۔ جب نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ ایک کچھوے پر چراغ رکھا ہوا ہے۔ اب تو اس نے مہنت کو خوب لتاڑا کہ یہ حرکت کی تھی۔ وہ کہنے لگا کہ خدا کو بھی کوئی دکھلا سکتا ہے مگر میں نے تیری تسلی کے واسطے ایک ترکیب کی تھی' یہ تو ہندو کا واقعہ ہے۔ ایک مسلمان صاحب کا واقعہ سنیے کہ اس نے ایک ذاکر شاغل کے سامنے دعویٰ کیا کہ میں خدا کو دکھلا سکتا ہوں (نعوذ باللہ) وہ بیچارہ مشتاق دیدار پر آمادہ ہو گیا۔ ہمارے قصبہ کے پاس ایک گاؤں ہے راغوت گڑھ' وہاں ایک مسجد کی عمارت بہت عالی شان ہے گو اب وہاں مسلمان کوئی بھی نہیں اور مسجد ویران ہے مگر

از نقش و نگار درو دیوار شکستہ آثار پدیدست صنادید عجم را

اس مدعی نے دیدار کے لیے اس کو منتخب کیا اور ان صاحب کو رات کے وقت لے گیا اور مسجد میں پہنچ کر اس نے کچھ وظیفہ بتلا دیا کہ اس کو آنکھیں بند کر کے پڑھتے رہو اور جب میں کہوں تو اس

وقت آنکھیں کھول دینا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں آپ نے ہوں کی اور اس شخص نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو واقعی ساری مسجد میں روشنی ہی روشنی تھی۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ روشنی کے ساتھ اپنا سایہ بھی ہے۔ یہ پڑھے لکھے آدمی تھے فوراً خیال ہوا کہ نور حق کے ساتھ یہ کیسا؟ اس کی تو یہ شان ہے کہ

چو سلطان عزت علم برکشد جہاں سر بجیب علم برکشد

تجلی حق کے ہوتے ہوئے ظلمت کا نشان کہاں رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد اس نے پیچھے کو جو نظر کی تو دیکھا وہ مدعی دیا سلائی ہاتھ میں لیے کھڑا ہے اس وقت دیا سلائی اول اول چلی تھی دیہات میں نہ پہنچی تھی اس کم بخت نے دیہات میں دیا سلائی سے یہ کام لیا کہ لوگوں کے ایمان کو جلانے لگا۔ یہ دیکھ کر اس شخص نے جوتا نکال کر خوب مرمت کی کہ نامعقول آ اب میں تجھے خدا دکھلاؤں تو مخلوق کے ایمان کو برباد کرتا ہے۔ ایسے ہی اس مہنت نے کیا تھا کہ کچھوے پر چراغ جلا کر طالب کو دھوکا دیا۔ وہ ہندو کہتا تھا کہ پھر میں دیدار ہی کے اشتیاق میں مسلمان ہو گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ جب تو خدا تعالیٰ کو دیکھنے کے واسطے مسلمان ہوا ہے تو یہ بات تو اسلام سے بھی دنیا میں حاصل نہیں ہو سکتی ہاں انشاء اللہ آخرت میں یہ دولت حاصل ہو گی تو جب تو دنیا میں خدا کو دیکھے گا نہیں پھر مسلمان ہی کیسے رہے گا۔ اس نے کہا مجھے اسلام میں ایک ایسی خوبی معلوم ہوتی ہے کہ چاہے دنیا میں خدا کا دیدار ہو نہ ہو مگر اسلام کو نہ چھوڑوں گا۔ میں نے کہا وہ خوبی کیا ہے؟ کہنے لگا کہ اسلام میں توحید بہت کامل ہے۔ میں نے کہا تجھے اسلام کی توحید کا کامل ہونا کس بات سے معلوم ہوا۔ کہا اس طرح معلوم ہوا کہ جب کوئی دوسرے مذہب کا آدمی اسلام لاتا ہے تو مسلمان اس کو اسی وقت اپنے سے افضل جاننے لگتے ہیں اور اس کے ساتھ کھانے پینے لگتے ہیں۔

فائدہ: یہ توحید اسلامی کا اثر ہے یہ بات کسی مذہب میں نہیں۔

ایک اور واقعہ: ایک دفعہ منشی جمال الدین صاحب وزیر بھوپال کے یہاں کسی تقریب میں بڑے بڑے ارکان ریاست اور عہدہ داروں کی دعوت تھی۔ دستر خوان بچھا ہوا تھا کہ ایک بھنگی آیا اور کہنے لگا میاں میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ آپ نے فوراً اسے مسلمان کیا اور خادم سے کہا اس کے کپڑے بدل کر ہمارے خاص لباس میں سے ایک قیمتی جوڑا پہنا دو اور ہاتھ دھلوا کر دستر خوان پر لاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جس وقت وہ دستر خوان پر آیا تو بعض لوگ ناک منہ چڑھانے لگے۔

منشی جمال الدین صاحب نے فرمایا: صاحبو! آپ بے فکر رہیں یہ آپ کے ساتھ شریک نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ میں کھاؤں گا۔ آپ اس نعمت کے قابل نہیں ہیں جو ایسے پاک بے گناہ کے ساتھ کھانا کھائیں جو گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اس دولت کو میں نے اپنے لیے تجویز کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک ہی پیالہ میں اس کے ساتھ کھانا کھایا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا واقعہ: میں ایک بار کالپی گیا۔ وعظ کے بعد بعض دیہاتیوں نے بیان کیا کہ ایک بھنگی مسلمان ہوا ہے مگر زمین دار لوگ اب تک اس سے پرہیز کرتے ہیں ان کو سمجھا دیجئے۔ میں نے سوچا کہ کہاں تک سمجھاؤں گا۔ میں نے سب کے سامنے پانی منگوایا اور پہلے اس نومسلم کو پلا کر پھر اس کا جھوٹا خود پیا اور ان زمین داروں کو جو کہ میرے پاس بیٹھے تھے ان سب کو بھی پلایا اور کہا کہ اب مت پرہیز کرنا۔ کہنے لگے اب کیا خاک پرہیز ہوگا؟

فائدہ: (مولانا فرماتے ہیں کہ) میں نے ایسے نومسلم کا جھوٹا پیا تھا جو ایک عرصہ سے مسلمان تھا اسلام کے بعد اس کا مسہل بھی ہو گیا تھا اور منشی جمال الدین صاحب نے ایسے شخص کا جھوٹا کھایا تھا جس نے اسلام کے بعد پیشاب بھی نہ کیا تھا۔

آج کل بعض لوگوں میں یہ بڑا فرض ہے کہ نومسلموں سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہ نہایت لغو حرکت ہے۔ مسلمانوں نے یہ چھوت چھات ہندوؤں سے سیکھی ہے' اس کو چھوڑنا چاہیے۔

تفقہ بھی عجیب چیز ہے: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا کہ میں نے گھر میں روپیہ دفن کیا تھا مگر اب موقعہ یاد نہیں آتا۔ بہت پریشان ہوں۔ سارے گھر کو کھودوں تو اس میں مشقت ہے۔ کوئی تدبیر بتلایئے کہ موقعہ یاد آجائے۔ امام صاحب نے اول تو انکار کیا بھائی یہ تو کوئی شرعی مسئلہ نہیں جس کا میں جواب دوں مگر اس شخص نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ آج رات کو یہ نیت کرلو کہ جب تک یاد نہ آئے گا اس وقت تک نفلیں ہی پڑھتا رہوں گا چاہے صبح کیوں نہ ہوجائے' انشاء اللہ یاد آجائے گا۔ چنانچہ اس نے نیت سے نماز شروع کی دوسری ہی رکعت میں موقعہ یاد آگیا اور جلدی سے سلام پھیر کر روپیہ نکال لیا۔ صبح کو امام صاحب سے واقعہ بیان کیا کہ حضرت مجھے تو دوسری رکعت میں یاد آگیا کچھ زیادہ نفلیں بھی نہیں پڑھنا پڑیں۔ فرمایا یہ شیطان نے بھلایا تھا یہ اس کو کب گوارہ تھا کہ تم رات بھر نماز پڑھو اس لیے اس نے جلدی یاد دلا دیا مگر تم کو چاہیے تھا کہ اس کے بعد بطور شکریہ کے شیطان کو ذلیل کرنے کے لیے تمام رات نماز پڑھتے

رہتے اور جو سہو طبعی ہو اس کا کوئی علاج نہیں۔

فائدہ: واقعی تفقہ بھی عجیب چیز ہے کسی کا بڑا پاکیزہ شعر ہے۔

فان فقیہا واحدا امتوز عا اشد علی الشیطان من الف عابد

شیطان کی چالوں کو عارفین خوب سمجھتے ہیں۔ امام صاحب نے خوب سمجھا کہ یہ جو دفن کر کے بھول گیا ہے۔ اس کو شیطان نے بھلایا ہے۔ وہ اس کو پریشان کرنا چاہتا ہے اس لیے آپ نے یہ تدبیر بتلائی جس سے شیطان جلدی سے بتلا دے کیونکہ اس کو نماز گوارہ نہیں اس لیے یہ نماز میں وساوس بہت ڈالتا ہے۔ دنیا بھر کی باتیں نماز میں یاد دلاتا ہے۔

گناہ سے بچنے کی ترکیب: حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم ہر گناہ کے بعد دو رکعت نماز لازم کر لو مگر بعض کا نفس بڑا شریر ہوتا ہے' دو رکعت سے اس کو زجر نہ ہوگا جو ایسا ہو وہ ہر گناہ کے بعد چار پڑھا کرے' چار کافی نہ ہو تو آٹھ پڑھا کرے جیسے ایک حکیم صاحب کی حکایت ہے کہ وہ گاؤں میں گئے تو ایک دیہاتی کو دیکھا کہ وہ چنے کی چار روٹیاں موٹی موٹی کھا کر اوپر سے چھاچھ کا پورا منکا پی گیا۔ حکیم صاحب نے کہا ارے چھاچھ کو درمیان میں پیا کرتے ہیں آخر میں نہیں پیا کرتے۔ دیہاتی نے اپنے لڑکے کو آواز دی ارے فلانے چار روٹ اور لیا (لے آ) اس چھاچھ کو بیچ میں کر لوں۔ چنانچہ چار روٹ اوپر سے اور کھا گیا حکیم صاحب نے کہا بھائی تیرے واسطے کچھ قاعدہ نہیں تو چاہے بیچ میں پی چاہے اخیر میں۔

فائدہ: ایسے قوی المعدہ کو اگر کوئی مسہل دینا چاہے تو چھ ماشہ سنا کیا کافی ہوگی اس کو تو دو تولہ سنا دینا چاہیے۔ ایسی ہی ہمارے نفس کو دو رکعت کہاں کافی۔ مگر میں اس وقت یہ کہتا ہوں کہ آپ دو ہی رکعت پڑھنا شروع کر دیں۔ انشاء اللہ اس سے بھی گناہ چھوٹ جائیں گے۔

مجھے نماز کی خوب مشق ہے: ایک انگریز حاکم کی پیشی میں دوسرے رشتہ دار تھے' جن میں ایک نمازی تھا ایک بے نمازی۔ حاکم دونوں کو نماز کے وقت ایک گھنٹہ کی چھٹی دے دیا کرتا تھا۔ نمازی تو نماز پوری کر کے آتا اور بے نمازی ادھر ادھر ٹہل کر حقہ پان کھا کر آ جاتا۔ اس حالت میں ظاہر ہے کہ بے نمازی جلد واپس آتا ہوگا تو ایک دن حاکم نے اس سے کہا تم بہت جلد واپس آ جاتے ہو اور دوسرا دیر میں آتا ہے' معلوم ہوتا ہے کہ تم نماز نہیں پڑھتے۔ اس نے کہا نہیں حضور نماز تو میں بھی پڑھتا ہوں مگر میں جلدی پڑھتا ہوں اور وہ دیر میں کیونکہ میرے آباؤ اجداد تو کئی صدیوں سے

نمازی ہیں تو مجھے نماز کی خوب مشق ہے۔ جبکہ یہ دوسرا سر شتہ دار نیا نمازی ہے اس کو نماز اچھی طرح یاد نہیں سوچ سوچ کر پڑھتا ہے اس واسطے دیر لگاتا ہے۔

فائدہ: اس نے تو یہ جواب فوراً گڑھا تھا مگر ہماری حالت ہی یہ ہے کہ ہمیں نماز کی مشق ہوگئی ہے اس لیے سوچنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بس اللہ اکبر کہا اور سارے ارکان خود بخود ادا ہونے لگے تو ایسی نماز میں کیا مشقت ہے؟

یہ بھی ایک انتظام ہے: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود جنگل میں ایک شخص کو صبح کی نماز کے بعد طلوع شمس سے پہلے دیکھا کہ کھیت میں بیٹھا ہوا تربوز کھا رہا ہے۔ میں نے اس کو ملامت کی کہ بندۂ خدا صبح ہی سے روزہ توڑ دیا کہنے لگا کہ گرمی میں رکھا نہیں جاتا ہے۔ میں نے کہا جب گرمی ہوتی اور تجھ سے روزہ نہ رکھا جاتا اسی وقت توڑ دیا ہوتا کہ اس وقت ظاہر میں تو ایک عذر ہوتا۔ اب ٹھنڈے وقت توڑنے میں کیا عذر ہے۔ مگر غالباً وہ منتظم تھا کہ جو کام بعد کو کرنا پڑے گا اسے پہلے ہی کر لیا جائے' ایک قسم انتظامیہ کی یہ بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ ایک شخص سفر کو چلا' چلتے ہوئے اپنی ماں سے پوچھنے لگا کہ اماں کچھ منگوانا ہے۔ میں سفر میں جا رہا ہوں۔ اس نے کہا وہاں سے ایک ہنڈیا مٹی کی لیتے آنا شاید جھنجھانہ جاتا ہوگا کیونکہ وہاں مٹی کی ہنڈیاں اچھی ہوتی ہیں۔ آپ نے ماں کی فرمائش کو یاد رکھا اور ایک ہنڈیا خریدی اور گھر کو چلا۔ جب گاؤں قریب رہ گیا سوچا کہ ماں اس ہنڈیا کو لے کر کیا کرے گی۔ ظاہر ہے اس میں دال وغیرہ پکائے گی پھر کچھ دنوں کے بعد یہ کالی ہو جائے گی پھر پھوٹ جائے گی تو جو کام اتنی مدت میں ہوگا میں اس کو ابھی نہ کر دوں۔ یہ سوچ کر ڈھیلوں کا چولہا بنایا ہنڈیا میں پانی بھر کر چولہے پر رکھا' پتے جمع کر کے اس کے نیچے جلائے جب وہ کالی ہوگئی کسی پتھر پر دے ماری اور پھوڑ دی۔ جب گھر پہنچے تو ماں نے ہنڈیا مانگی تو کہا جی ہاں میں ہنڈیا تو لایا ہوں مگر یہ بتلاؤ کہ تم اسے کیا کرتیں۔ کہا میں اس میں دال سالن پکاتی۔ کہا پھر کیا ہوتا۔ کہا پھر چند روز کے بعد خراب ہو جاتی' کہا پھر کیا ہوتا پھر پھوٹ جاتی۔ صاحبزادے بولے بس جو کام تم اتنے عرصہ میں کرتیں میں نے ایک ہی دن میں کیا اور سارا قصہ نقل کر دیا تو وہ تربوز کھانے والا بھی ایسا ہی منتظم تھا کہ دوپہر کے بعد جو کام کرنا پڑے گا اس کو صبح ہی کیوں نہ کر لیا جائے۔

فائدہ: غرض ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ آسان نہیں بلکہ دشوار ہے۔

سنت پر عمل: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کھانا کھا رہے تھے اس وقت ایک عجمی رئیس بھی آپ کے پاس بیٹھا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک لقمہ گر گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو صاف کر کے کھا لیا۔ خادم نے کہا یہ عجمی لوگ اس فعل کو معیوب سمجھتے ہیں ان کے سامنے یہ فعل مناسب نہیں معلوم ہوتا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اترك سنة حبيبى لهؤ لاء الحمقاء کہ کیا میں ان بیوقوفوں کی وجہ سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ چھوڑ دوں' یہ نہیں ہوسکتا۔

ایک دفعہ مجھے خود قصہ پیش آیا کہ ریل میں ایک مسلمان رئیس میرے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ ان کے ہاتھ سے ایک بوٹی نیچے کے تختہ پر گر پڑی تو ان حضرت نے اس بوٹی کو بنچ کے نیچے کر دیا۔ یہ دیکھ کر میرا رونگٹا کھڑا ہو گیا اور میں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ ذرا اس بوٹی کو اٹھا کر پانی سے دھو لیجیے اور دھو کر مجھے دیجیے میں اس کو کھاؤں گا۔ خواجہ صاحب نے اس کو دھویا اور دھو کر کہنے لگے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس کو کھا لے تو اجازت ہے۔ میں نے کہا ہاں اجازت ہے تو خواجہ صاحب نے خود کھائی۔

فائدہ: وہ رئیس کہتے تھے کہ اس عملی تنبیہ کا میرے اوپر ایسا اثر ہوا کہ میں کٹ کٹ گیا اور اس دن سے میں بھی گرے ہوئے لقمہ کو زمین پر نہیں چھوڑتا بلکہ صاف کر کے کھا لیتا ہوں۔

ایک چمار کا واقعہ: ایک چمار کا لڑکا بگولے میں لپٹ کر اڑ گیا اور ایک راجہ کے محل پر جا پڑا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ یہ آدمی آسمان سے کیونکر گرا۔ راجہ نے پنڈتوں کو بلایا' انہوں نے آ کر کہا کہ یہ غیبی انسان ہے خدا تعالیٰ نے اس کو بھیجا ہے اس کی تعظیم کرنا چاہیے۔ یہ سن کر راجہ نے کہا کہ میری لڑکی جوان ہو گئی ہے اور اس کے لیے بہت جگہ سے پیغام آ رہے ہیں میں نے کسی جگہ کو منظور نہیں کیا۔ میری رائے یہ ہے کہ اسی آسمانی لڑکے سے اس کی شادی کر دوں۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ راجہ نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو شاہی حمام میں لے جا کر اچھی طرح غسل دیا جائے اور نہایت قیمتی لباس پہنا کر لایا جائے۔ اس کو حمام میں لے جانے لگے تو اس نے رونا چلانا شروع کیا کہ مجھے کہاں لے جاتے ہو اور جب حمام میں اس پر گرم گرم پانی ڈالا گیا تو اس وقت تو اور زیادہ چلایا پھر قیمتی لباس لایا گیا تو بہت ہی چیخا اور کسی طرح خاموش نہ ہوا۔ اطباء کی رائے ہوئی کہ شہزادی کو اس کے سامنے لایا جائے شاید اس کو دیکھ کر مانوس ہو۔ شہزادی سامنے آئی تو اس نے ڈر کر آنکھیں بند کر لیں اور پہلے سے زیادہ چلانے لگا پھر وزراء کی رائے ہوئی کہ یہ آسمان سے ابھی

تازہ تازہ آیا ہے زمین کے آدمیوں سے اس کو وحشت ہے بہتر یہ ہے کہ اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ کچھ دنوں کے بعد جب یہ ہم سے مانوس ہو جائے گا پھر شادی کا انتظام کیا جائے گا۔ آخر کار اسے چھوڑ دیا تو وہ سیدھا اپنے وطن میں اپنی ماں کے پاس پہنچا اور رو رو کر سارا قصہ بیان کرنا شروع کیا کہ میں اس طرح اڑ گیا تھا پھر مجھے بہت سے آدمی پکڑ کر لے گئے اور سب نے مجھے طرح طرح سے مارنا چاہا' میرے اوپر تتا تتا پانی (یعنی گرم گرم) ڈالا میں جب بھی نہ مرا پھر میرے سامنے دہکتے دہکتے انگارے لائے (یہ جواہرات کی گت بنائی) میں جب بھی نہ مرا۔

فائدہ: تو جیسے اس احمق نے ساری قدر و منزلت اور عروج و راحت کو مصیبت اور سامان موت سمجھا ایسا ہی لوگ حق تعالیٰ کے امتحانات و ابتلاؤں کو مصیبت سمجھتے ہیں حالانکہ وہ حقیقت میں غایت عروج و راحت کا سبب ہیں اور یہ حکمتیں تو آخرت میں جا کر منکشف ہوں گی۔

مصائب کی حکمتیں: ایک صحابی کا پاؤں کسی صدمہ سے ٹوٹ گیا تھا ان کو اس کا کچھ غم تھا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان لڑائی چھڑی اور دونوں طرف کے لوگوں نے ان صحابی کو اپنا شریک کرنا چاہا تو انہوں نے دونوں سے عذر کر دیا کہ میں تو چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوں اس وقت وہ اپنی بیماری پر خوش ہوئے تھے اور کہتے تھے الحمد لله الذی طهر یدی من هذه الدماء یا هذاب (جلی) کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے پیر لے کر میرے ہاتھ کو اس محترم خون سے پاک رکھا۔

فائدہ: حضرات عارفین کو دنیا میں بھی ان مصائب کی حکمتیں بکثرت منکشف ہوئی ہیں۔ وہ مصائب ہی نہیں رہتے بلکہ وہ ان کے لیے باعثِ تعلیم ہو جاتے ہیں۔

مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لطیف المزاجی: حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی محبوبیت کی یہ شان تھی کہ جس سے آپ کو ایذا پہنچی یا کچھ ناگواری پیش آئی تو اس پر کچھ نہ کچھ ضرور وبال آتا۔ اسی لیے آخر میں آپ نے لوگوں سے ملنا بالکل ترک کر دیا تھا۔ بعض خدام نے عرض کیا کہ حضرت لوگ بہت شوق سے زیارت کو آتے ہیں اور محروم ہو کر رنجیدہ واپس چلے جاتے ہیں تو فرمایا میں کیا کروں لوگ بے تمیزی بہت کرتے ہیں اور حضرت کے نزدیک تو تقریباً سارے ہی بے تمیز تھے کیونکہ نہایت لطیف المزاج تھے جیسا کہ آپ کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ شاہ دہلی آپ کی زیارت کو حاضر ہوئے' اتفاق سے بادشاہ کو پیاس لگی اس وقت

کوئی خادم موجود نہ تھا۔ بادشاہ نے خود اٹھ کر صراحی سے پانی پیا اور پانی پی کر حضرت سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو کوئی خدمت گار جناب کے لیے بھیج دوں۔ مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بس معاف کیجیے۔ وہ خدمت گار بھی آپ ہی جیسا ہوگا آپ کو خود تو تمیز ہے نہیں۔ پانی پی کر کٹورا ٹیڑھا رکھ دیا جس سے میرے سر میں درد ہو گیا۔

اور سنیے! ایک دفعہ آپ صبح کو جو مجلس میں بیٹھے تو آنکھیں سرخ تھیں۔ خدام نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ سردی کی وجہ سے نیند نہیں آئی مجلس میں ایک بڑھیا بھی موجود تھی۔ اس نے پکار کر کہا کہ بھائیو! حضرت کے لیے دوائی کا انتظام میں کروں گی اور لوگ فکر نہ کریں۔ چنانچہ اس نے اسی روز دوائی تیار کی اور عشاء کے بعد تیار کر کے لائی۔ مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے اوپر ڈال دو' وہ ڈال کر چلی گئی۔ صبح کو جو اٹھے تو آنکھیں پھر سرخ تھیں۔ خدام نے پوچھا کہ کیا آج بھی سردی لگی۔ فرمایا سردی تو نہیں لگی لحاف میں نگندے تیڑھے تھے اس وجہ سے طبیعت کو الجھن رہی اور نیند نہیں آئی۔ بھلا رات کو اندھیرے میں نگندے کے ٹیڑھے ہونے کا احساس یہ سوائے مزار صاحب جیسے لطیف المزاج کے کسی کو ہو سکتا ہے؟

اور سنیے! ایک دفعہ اور آپ کو رات بھر نیند نہ آئی' خدام نے وجہ پوچھی تو فرمایا چارپائی میں کان تھی۔ لوگوں نے پیمائش کر کے دیکھا تو بہت ذراسی کان تھی۔ مگر مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وہ اتنی معلوم ہوئی کہ رات بھر نیند نہ آئی۔

دانت گھسائی: ڈھاکہ میں ایک پیرزادہ صاحب اپنے باپ کے مریدوں میں گئے۔ ایک رئیس نے ان کی دعوت کی اور دعوت کے بعد بچاس روپے نذرانہ میں دیئے۔ پیرزادہ نے روپے پھینک دیئے کہ کیا ہم اس لائق ہیں ہمارا نذرانہ دوسو روپیہ سے کم نہ ہونا چاہیے۔ میں نے حکایت سن کر کہا کہ دعوت کے بعد نذرانہ پر اتنا تکرار کیسا؟ ایک ظریف نے کہا یہ دانت گھسائی ہے۔ کیونکہ لقمہ چبانے میں دانت تو گھستا ہی ہے۔ بنگال میں جو عالم یا درویش کسی کی دعوت قبول کر لیتا ہے کھانے کے بعد دانت گھسائی بھی ضرور لیتا ہے' اس لیے اس پر تکرار بھی ہوتی ہے۔

فائدہ: یہ تو ان پیروں کا ظلم ہے مگر حق تعالیٰ سے تو انسان دانت گھسائی ہمیشہ لیتا ہے اور چونکہ وہ بڑے کریم ہیں اور ان کے خزانہ میں کمی نہیں اور وہ خوش ہو کر دیتے ہیں اس لیے اللہ میاں سے دانت گھسائی لینے کا مضائقہ نہیں مگر اس کو اپنا حق نہ سمجھو محض ان کا فضل و کرم سمجھو۔

آزادی کے معنی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ آپ رات کے وقت گشت لگا رہے تھے کہ ایک گھر سے گانے کی آواز آئی۔ آپ نے دروازہ کھلوانا چاہا مگر وہ لوگ اس قدر منہمک تھے کہ آپ کی آواز بھی نہ سن سکے۔ آخر آپ مکان کی پشت پر سے اندر تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھ کر وہ سب لوگ سہم گئے۔ لیکن چونکہ جانتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہرگز غصہ نہ آئے گا اس لیے ایک شخص نے جرأت کر کے عرض کیا کہ اے امیر المومنین ہم لوگوں نے صرف ایک ہی گناہ کیا لیکن آپ نے تین گناہ کیے۔ ایک تو یہ کہ آپ بغیر اجازت ہمارے گھر میں چلے آئے۔ حالانکہ قرآن شریف میں صاف حکم ہے لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا۔ دوسرا یہ کہ آپ نے تجسس کیا اور قرآن میں تجسس کی ممانعت ہے لا تجسسوا تیسرے یہ کہ آپ مکان کی پشت پر سے تشریف لائے حالانکہ قرآن شریف میں ارشاد ہے لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہوں تم بھی اپنے گناہ سے توبہ کر لو۔

فائدہ: آزادی کا دم بھرنے والوں کو اس حکایت سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ آزادی ان حضرات میں تھی یا آج کے مدعیان آزادی میں۔ بہائم کی طرح نہ نماز کے نہ روزہ کے کھالیا اور ہوا پرستی میں عمر گزری یہ نفس کی شرارت اور اتباع ہوا اور مطلق العنانی ہے۔

قرآن کریم میں مضامین کا تکرار کیوں ہے؟: علی حزیں شاہزادۂ ایرن کو اتفاق سے ایک خادم رمضانی نام کا ایسا مل گیا تھا کہ اشاروں کو سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ علی حزیں نے شاہ دہلی سے درخواست کی کہ ہم کو ایک سلیقہ دار خادم کی ضرورت ہے۔ بادشاہ نے ایک بڑے ہوشیار شخص کو بھیج دیا۔ علی حزیں باغ میں بیٹھے تھے اور نیا خدمت گار باغ کے دروازہ پر تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے ایک رقعہ دیا اس خادم نے وہ رقعہ پہنچا دیا اس میں درخواست تھی کہ لیموں عنایت فرمایئے۔ علی حزیں نے چہرہ پر بل ڈال کر وہ رقعہ واپس دے دیا۔ یہ خادم سخت پریشان ہوا کہ زبان کو تو بند کر لیا اور چہرے سے ناگواری کے آثار معلوم ہوتے ہیں یہ کس بات پر بگڑے ہیں۔ اتفاق سے وہاں رمضانی بھی آ نکلا اس سے خدمت گار نے سارا قصہ بیان کیا' رمضانی نے کہا چہرے پر بل ڈال کر رقعہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ لیموں دے دو۔ لیموں ترش ہوتا ہے جسے انہوں نے چہرہ ترش کر کے بتلا دیا۔ وہ خادم یہ سن کر بھاگا اور سوچا کہ میں یہاں رہوں گا تو سخت مصیبت میں رہوں

گا۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بھی اشاروں سے کام لیتے تو حق تھا لیکن کیسی مصیبت ہوتی اور ان اشاروں کو سمجھنے والا کون تھا۔ اس لیے ایسا نہیں کیا بلکہ ہر ایک مضمون کو خوب کھول کر دو دو مرتبہ تین تین مرتبہ بیان فرمایا؟

ایک لطیفہ: نحویین نے کہا ہے کہ ضَرَبَ میں هُوَ مُسْتَتِر ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ظاہر میں ضمیر مذکور نہیں لیکن سمجھنے میں آتی ہے۔ مگر ایک طالب علم یہ سمجھے کہ ضرب کے اندر ضمیر ھو چھپی ہوئی بیٹھی ہے تو آپ نے ضرب کو چھیلنا شروع کیا یہاں تک کہ کاغذ پھٹ گیا اور اتفاق سے دوسرے ورق میں اس جگہ لکھا ہوا تھا۔ یہ بڑے خوش ہوئے کہ واقعی نحویین کی بات سچی تھی۔ استاد کے پاس آئے کہ دیکھیے میں نے ضرب کو چھیلا تھا یہ ھو نکل آیا جو اس میں چھپا ہوا تھا۔ استاد بہت ہنسے اور ان کا مطلب دوبارہ سمجھایا۔

فائدہ: یہ طالب علم یوں سمجھا تھا کہ معانی بھی کتابت میں آ سکتے ہیں مگر یہ اس کی غلطی ہے۔ معانی قرأت و کتابت میں نہیں آ سکتے ان کا محل صرف ذہن ہے۔

بندے کی حکمت خدا ہی جانتا ہے: کان پور میں دو شخص شب قدر میں ایک بڑا سا ڈھیلا رومال میں باندھ کر بیٹھے اور رات بھر دعا کرتے رہے کہ اے اللہ اس کو سونا بنا دے۔ وعظ میں کسی مولوی سے سن گئے تھے کہ شب قدر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ وہ ظالم یہ دعا کرنے بیٹھے صبح کو خوشی خوشی جو رومال کھولا تو وہ ڈھیلا کا ڈھیلا ہی تھا۔ بڑے حیران ہوئے کہ شب قدر کی دعا کیوں نہ قبول ہوئی۔ ایک درزی نے کہا اللہ میاں حکیم ہیں ایسی دعا قبول فرماتے ہیں جو بندے کے لیے مصلحت ہو خدا کا شکر کرو کہ یہ سونا نہ بنا ورنہ تم آپس میں ہی مر کٹ جاتے۔

فائدہ: بعض لوگوں کے لیے یہی حکمت ہے کہ ان کو سامان عیش زیادہ نہ دیا جائے اس پر شاید ان کو یہ شبہ ہو کہ ہماری نیت تو یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم کو سامان زیادہ دیں تو خوب نیک کام کریں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کریں تو وہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔

تقدیر کس طرح بدل سکتی ہے: حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں ایک بزرگ صاحب سلسلہ تھے جن سے بہت فیض جاری تھا مگر حضرت صاحب کو ان کی بابت مکشوف ہوا کہ اس کا خاتمہ شقاوت پر ہوگا۔ پس حضرت مجدد صاحب یہ دیکھ کر تڑپ ہی تو گئے۔

آپ کے دل نے گوارا نہ کیا کہ میرے رسول ﷺ کی امت کا ایک شخص شقی ہو کر مرے اور وہ شخص بھی کیسا جس سے ہزاروں کو دین کا فیض ہو رہا ہے۔ آپ نے اس لیے دعا کرنا چاہی مگر ڈرے کہ اس میں حضرت حق کی مزاحمت نہ ہو کہ تقدیر مکشوف نہ ہونے کے بعد اس کے خلاف کی دعا کرتا ہے مگر پھر حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ﷫ کا مقولہ یاد آیا کہ میں وہ شخص ہوں کہ حق تعالیٰ سے کہہ کر شقی کو سعید کرا سکتا ہوں۔ اس پر مجدد صاحب ﷫ کو بھی ہمت ہوئی معلوم ہو گیا کہ ایسی دعا کرنا خلاف ادب نہیں چنانچہ پھر تو آپ نے اس کے لیے بہت دعائیں کیں اور پوری کوشش کی کہ کسی طرح اس شخص کی شقاوت کو مبدل بہ سعادت کر دیا جائے۔ حتیٰ کہ مکشوف ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے اس کو سعید کر دیا تب آپ کو چین آیا۔

ایک شاہی باز کا قصہ: ایک شاہی باز اڑ کر ایک بڑھیا کے یہاں جا بیٹھا۔ بڑھیا نے اس کو پکڑ لیا اور اس کی چونچ اور پنجوں کو دیکھ کر بڑا رحم آیا۔ دیکھا چونچ ٹیڑھی ہے ناخن کس قدر بڑھے ہوئے ہیں اور تیز ھے بھی ہیں اور اس کو گود میں لے کر رونا شروع کر دیا کہ ہائے بچے تو کیسے زمین پر بیٹھتا ہو گا تیری انگلیاں ٹیڑھی ہیں، ناخن اتنے بڑھ گئے ہیں اور کھاتا کیسے ہو گا کیونکہ چونچ بھی ٹیڑھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو بے ماں باپ کے ہے۔ کوئی تیری دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے جو ناخن کاٹتا اور چونچ کو درست کرتا اور رحم نے شفقت کا ایسا زور کیا کہ قینچی لے کر اس کے ناخن سب کاٹ دیئے اور چونچ بھی تراش دی۔ اپنے نزدیک تو بڑھیا نے اس کی بڑی خیر خواہی اور ہمدردی کی۔ مگر خدا بچاوے ایسی ہمدردی کو اس کو برباد کر دیا نہ وہ شکار کے پکڑنے کے کام کا رہا اور نہ کھانے کے۔

فائدہ: یہی خیر خواہی اسلام کے ساتھ آج کل ہمدردان اسلام کرتے ہیں کہ یہ بھی فضول اور وہ بھی فضول۔ نماز بھی زائد ہے، روزہ بھی زائد ہے، زکوٰۃ کی حاجت نہیں، حج بھی فضول ہے اور پھر مسلمان ہونے کے مدعی۔ معلوم نہیں اسلام کس چیز کا نام ہے کوٹ کا نام ہے یا پتلون کا نام ہے۔

نماز کی برکت: ایک انگریز علی گڑھ کالج میں گیا تو وہاں دیکھا کہ رئیسوں کے لڑکے پڑھتے ہیں جن کے ساتھ نوکر اور ملازم بھی ہوتے ہیں۔ مگر خدمت کے وقت تو وہ نوکر دور کھڑے رہتے ہیں۔ آقا کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتے اور نماز کے وقت آقا کے برابر یا پاس مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس نے ان رئیس زادوں سے دریافت کیا کہ نماز میں برابر کھڑے ہونے سے یہ ملازم گستاخ

نہیں ہو جاتے۔ انہوں نے کہا کہ کیا مجال ہے جو نماز کے بعد ہماری ذرا بھی برابری کر سکیں۔ اس وقت کا یہی حق ہے کہ سب برابر ہوں اور دوسرے وقت کا دوسرا حکم ہے۔ اس کو اس سے بڑی حیرت ہوئی اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ جو نوکر نماز پڑھتا ہے حالانکہ وہ نماز میں آقا کے برابر بھی ہو جاتا ہے مگر پھر بھی اس میں انقیاد کی صفت بڑھ جاتی ہے یعنی وہ آقا کی خدمت اور اس کے حقوق کی بجا آوری بے نمازی نوکر سے زیادہ کرتا ہے۔ واقعی یہ بات بالعموم دیکھی گئی ہے کہ دیندار آدمی جیسے خدا تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے بندوں کے حقوق بھی خوب ادا کرتا ہے۔

اولیاء اللہ کی شان: ایک قصہ میں نے اپنے استاد علیہ الرحمتہ سے سنا ہے کہ ایک بزرگ تھے ان کے پاس ایک مرد اور ایک عورت اپنے بچے کو لائے جو مادرزاد اندھا تھا۔ یعنی وہ ماں کے پیٹ ہی سے اندھا پیدا ہوا تھا۔ وہ دونوں رونے لگے کہ حضرت اول تو ہمارے اولاد ہی نہ ہوتی تھی۔ بہت دعائیں کیں منتیں مانیں تب تو کہیں یہ بچہ عنایت ہوا۔ مگر افسوس ہم لوگ پھر بھی محظوظ و مسرور نہ ہو سکے کیونکہ یہ اندھا پیدا ہوا۔ اب اس کو دیکھ دیکھ کر ہر وقت جی کڑھتا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ بہت بڑے مقبول الدعوات بزرگ ہیں للہ ہمارے حال زار پر رحم فرمایئے اور دعا کر دیجیے کہ اس کی آنکھیں اچھی ہو جائیں۔ اس زمانے کے لوگ آج کل کی طرح بدعقیدہ نہ تھے یہ نہیں کہا کہ آپ اچھا کر دیں بلکہ یہ کہا کہ دعا کر دیں مگر یہ درخواست سن کر بھی کمال انکسار کے غلبہ سے آپ کو جوش آ گیا اور فرمانے لگے بگڑ کر کہا کیا میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں جن کی دعا سے اندھے مادرزاد اچھے ہو جاتے تھے۔ وہ بے چارے مایوس اور شکستہ دل ہو کر چلے گئے۔ بس ان کا جانا تھا کہ ان بزرگ کی زبان پر بے اختیار یہ جاری ہو گیا۔ ماکنیم ماکنیم ہم اچھا کریں گے' ہم کریں گے لاؤ ان کو بلا کر' خدام کو بڑی حیرت ہوئی کہ یا تو عیسیٰ علیہ السلام بھی نہ بنتے تھے یا اب خدا بننے لگے۔ مگر اس وقت کچھ کہنا بے ادبی تھا۔ دوڑ کر اس کو بلا لائے۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس بچے کی آنکھوں پر پھیر دیا بس ہاتھ پھیرتے ہی آنکھیں اچھی ہو گئیں اور وہ لوگ دعائیں دیتے ہوئے خوش خوش اپنے بچہ کو گھر لے گئے۔ اس کے چلے جانے کے بعد موقع پا کر بعض خاص خادموں نے عرض کیا کہ حضرت یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یا تو دعا کرنا بھی گوارا نہ تھا یا ایک ساتھ ایسے دعوے کے الفاظ فرمانے لگے۔ ماکنیم ماکنیم۔

آپ نے فرمایا بھائی یہ سب میں نہیں کہتا۔ بات یہ ہے کہ جس وقت وہ لوگ چلے گئے تو

مجھ پر عتاب ہوا کہ تم نے جو عیسیٰ کا نام لیا تھا تو کیا وہ اچھا کرتے تھے' کیا وہ قادر مطلق تھے اور فاعل حقیقی یا ہم تھے ہم تو اب بھی قادر مطلق ہیں۔ پھر کیوں نہیں ہم سے عرض کیا۔ اگر اچھا کرتے تو ہم کرتے۔ تم کون تھے اس کو مایوس کرنے والے اور اگر اب بھی اچھا کریں گے تو ہم کریں گے۔ غرض ادھر تو وہ مایوس ہو کر چلے گئے اور پھر ادھر عتاب ہوا اور بے اختیار میرے منہ سے وہی الفاظ خدا تعالیٰ کے نکلنے لگے ماکنیم ماکنیم۔

توبہ توبہ میں یہ الفاظ کیسے کہہ سکتا تھا۔ میری بھلا کیا مجال ہے۔ وہ تو حق تعالیٰ فرمارہے تھے۔ میں تھوڑا ہی کہہ رہا تھا۔

فائدہ: بعض اولیاء اللہ کی یہ حالت ہوتی ہے اور جب اولیاء کی یہ شان ہے تو انبیاء کی شان کا کیا کہنا۔

اللہ والوں کی شفقت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ جب غارنیشاپور سے نکلے ہیں تو انہوں نے حج کا ارادہ کیا چلے تو راستہ میں سمندر تھا۔ غرض بھانڈوں نے ایک دن کہا آج تو ہم اس طرح نقل کرنا چاہتے ہیں کہ کسی شخص کے ساتھ مذاق کریں۔ اس کے چپت اور دھول ماریں اس لیے کوئی شخص اس کام کے لیے تجویز کیا جائے وہاں سوائے ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی شخص ایسا غریب نظر نہ آیا جس کو تختہ مشق بنایا جائے' اللہ اللہ

این چنیں شیخ گدائی کو بکو   عشق آمد لا ابالی فاتقوا

چنانچہ ان کو لے چلے اور وہ ساتھ ہو لیے' وہ اس لیے ساتھ ہو لیے کہ:

از خدا داں خلاف دشمن و دوست   کہ دل ہر دو در تصرف اوست

گر کز لذت رسد زخلق مرنج   کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج

وہ تو یہ سب معاملہ خدا کی طرف سے سمجھے ہوئے تھے اور زبان حال سے یہ کہتے جارہے تھے۔

بجزم عشق تو ام می کشند غوغائیست   تونیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست

وہاں نقل شروع ہوئی اور حضرت ابراہیم بن ادہم کو چپتیانے لگے۔ جب حضرت ابراہیم کا امتحان ہو چکا تو اب غضب الٰہی کو جوش ہوا۔ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کا امتحان کرنے کے لیے بعض دفعہ مخالفوں اور دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتے ہیں۔ مگر پھر بہت جلد مخالفوں پر غضب وقہر کا نزول

ہونے لگتا ہے۔ یہ مت سمجھو کہ ہم کو مخالفت کرتے ہوئے اتنے دن ہو گئے اور کچھ نہیں ہوا اہل اللہ کا ستانا خالی نہیں جاتا۔

حلم حق باتو موا ساہا کند چونکہ از حد بگذری رسوا کند

اور اسی حالت میں حضرت ابراہیم کو الہام ہوا کہ تم ذرا زبان ہلا دو تو ہم ابھی ان سب کو غرق کر دیں اب ان کا ظرف دیکھیے' اگر ہم جیسے ہوتے تو نہ معلوم کیسی تیز بددعا کرتے۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ حضور جب میری خاطر سے آپ ان کے حق میں میری بددعا قبول فرمانے کا وعدہ فرماتے ہیں تو میری خاطر سے آپ ان کی آنکھیں ہی کھول دیں کہ جس باطنی بلاء میں یہ غرق ہو رہے ہیں اس سے ان کو نجات مل جائے۔ دعا قبول ہوئی اور ان سب لوگوں کی قلبی آنکھوں پر سے غفلت کے پردے ہٹا دیئے گئے اور سب کے سب ولی ہو گئے۔ اب جو آنکھیں کھولی ہیں اور حضرت ابراہیم کا درجہ و حال معلوم ہوا اور اس پر اپنی حرکتوں کو دیکھا تو بے اختیار سب قدموں میں گر پڑے۔

فائدہ: سبحان اللہ کیسی شفقت تھی کہ ایسے گستاخ لوگوں پر بھی بددعا نہ کی گئی۔

سارا رزق ایک دم دے دیجئے: ایک بزرگ نے حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کے اے اللہ میرا سارا رزق ایک دم سے دے دیجیے۔ الہام ہوا کہ تم کو ہم پر اعتماد نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے آپ پر اعتماد کیوں نہ ہوتا لیکن شیطان مجھ سے کہتا ہے کہ کل کو کہاں سے کھاوے گا۔ میں کہتا ہوں کہ خدا دے گا کیونکہ اس کا وعدہ ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا تو وہ کہتا ہے کہ خدا کا وعدہ سچا ہے مگر یہ تو نہیں فرمایا کہ تم کو کل ہی کو رزق مل جائے گا۔ بس یہ وعدہ ہے کہ رزق ہمارے ذمہ ہے۔ تو ممکن ہے کہ تین چار دن بعد روزی ملے جب کہ تم فاقے کر کے پریشان ہو چکو گے' یہاں آ کر میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ اگر ساری روزی مجھے ایک دم سے مل جائے تو اس کو میں ایک کوٹھڑی میں بند کر کے رکھ دوں گا پھر اگر شیطان مجھ سے کہے گا کل کو کہاں سے کھاوے گا تو میں اشارہ کر کے بتلا دوں گا کہ اس کوٹھڑی میں سے کھاؤں گا۔ پھر آگے اس کی بات نہ چل سکے گی۔ تو دیکھیے ان بزرگ نے اپنی طبیعت کی کمزوری کا کیسا علاج کیا۔

ضعف قلب ولایت کے منافی نہیں: ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ بادشاہ سے باتیں کر رہے تھے اور بے باکانہ باتیں کر رہے تھے غالباً بادشاہ کو کسی حرکت پر تنبیہ کر رہے تھے۔ بادشاہ کو

غصہ آ گیا اور اس نے پکارا کوئی ہے تو ان بزرگ صاحب نے بھی آواز دی کہ کوئی ہے بس ان کا پکارنا تھا کہ دفعتہً غیب سے ایک شیر نمودار ہو کر بادشاہ کی طرف لپکا جس کو دیکھ کر بادشاہ تو بھاگا ہی تھا وہ بزرگ خود بھی بھاگے۔ حالانکہ انہی کی کرامت سے وہ آیا تھا مگر آپ خود ہی اس سے ڈر کر بھاگے۔

فائدہ: بات کیا تھی۔ بات یہ تھی کہ ان کا دل کمزور تھا۔ تو یہ بزرگی کے منافی نہیں۔ بزرگوں کو ضعف قلب اور اختلاج اور خفقان ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا مرض ہے جس طرح ان کو بخار وغیرہ ہو سکتا ہے ضعف قلب اور اختلاج بھی ہو سکتا ہے۔ اس سے ولایت و معرفت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ دیکھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ کی گفتگو ہو رہی تھی۔ نبوت عطا تھی اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو ایک معجزہ عطا فرمانا چاہا حکم ہوا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دو۔ چنانچہ ڈال دیا اور وہ ہیبت ناک اژدہا بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اس کو دیکھ کر ڈر گئے اور پیٹھ موڑ کر ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ بھلا اس سے زیادہ قوت قلب کے اسباب کیا ہوں گے کہ بلا واسطہ حق تعالیٰ سے گفتگو بھی ہو چکی تھی۔ نبوت عطا ہو چکی تھی۔ حق تعالیٰ کے ارشاد سے عصا کو ڈالا تھا مگر پھر بھی بشریت کے اقتضاء سے اژدہا کا خوف غالب ہو گیا اور بھاگ گئے۔ معلوم ہوا کہ خوف طبعی نبوت کے بھی منافی نہیں ولایت اور بزرگی کے منافی تو کیا ہوتا ہے۔

تعلیم مناسب حال ہونی چاہیے:

ایک اونٹ سے کسی چوہے کی دوستی ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے کہ راستہ میں دریا آیا اونٹ تو دریا میں گھس گیا چوہا کنارہ پر رہ گیا۔ اونٹ نے چوہے سے کہا کہ تم کیوں رک گئے، اس نے جواب دیا کہ مجھے ڈوبنے کا خوف ہے۔ اونٹ نے کہا نہیں پانی زیادہ نہیں ہے صرف گھٹنوں تک ہے چوہے۔ نے کہا حضور آپ کے گھٹنوں تک ہے کہ میرے بھی ذرا آپ اپنے گھٹنوں کو تو دیکھیں کہ کتنے اونچے ہیں جب اتنا پانی ہے تو میرا کہاں پتہ رہے گا۔

فائدہ: اسی طرح جو شیخ اپنے گھٹنوں تک پانی دیکھ کر چوہے مرید سے بھی کہے کہ چلے آؤ وہ بیوقوف ہے ہمارے حضرات نے ہمیشہ اس کی رعایت کی ہے کہ ہر شخص کو اس کے مناسب حال تعلیم کی جائے۔

کریم کے دربار میں خالی ہاتھ جانا ہی بہتر ہے: روض الریاحین میں لکھا ہے کہ ایک نوجوان لڑکا قافلہ حجاز کے ساتھ تھا مگر اس کے ساتھ کچھ توشہ نہ تھا۔ کسی نے اس سے دریافت کیا کہ میاں تم کہاں جا رہے ہو کہا بیت اللہ کا ارادہ ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ نہ کچھ توشہ ہے نہ سامان ہے آخر یوں بے سروسامان کس طرح پہنچو گے۔ اس پر نوجوان زاہد کو جوش آیا اور اس نے بزبان قال یا حال یہ جواب دیا:

وقدت على الكريم بغير زاد من الحسنات والقلب السليم

فان الزاد اقدح كل شئى اذا كان الوفود على الكريم

حاصل یہ ہے کہ کریم کے پاس جا رہا ہوں تو یہ بڑی بے شرمی ہے کہ اپنے ساتھ توشہ باندھ کر لے جاؤں۔

فائدہ: اہل حال تو اس کو بے شرمی سمجھتے ہیں لیکن جو لوگ اسباب کے عادی ہوں انہیں اسباب اور سروسامان کا پورا انتظام رکھنا چاہیے۔

جمع بین الاضداد: ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ سے مولانا رحمہ اللہ صاحب نے عرض کیا کہ میں سلطان کے پاس جا رہا ہوں۔ اگر آپ فرما دیں تو سلطان سے آپ کا تذکرہ کر دوں۔ فرمایا کیا فائدہ ہوگا بیش بریں نیست کہ میرے معتقد ہو جاویں گے۔ پھر اس اعتقاد کا کیا نتیجہ ہوگا کہ وہ مجھ کو بلا لیں گے جس کی حقیقت یہ ہوگی کہ بیت السلطان سے قرب اور بیت اللہ سے بعد ہو گا۔ سو مجھ کو یہ منظور نہیں۔ اس میں تو حضرت نے اپنی شان استغناء کو بیان فرما دیا مگر اس میں بڑائی کا شبہ ہو سکتا تھا اس کا یہ علاج کیا کہ فرمایا لیکن میں نے سنا ہے کہ سلطان بہت عادل ہیں اور روایات میں آیا ہے کہ سلطان عادل کی دعا قبول ہوتی ہے تو آپ ان سے میرے واسطے دعا کرا دیجیے گا۔

فائدہ: سبحان اللہ اس درخواست میں اپنے نفس کو کیسا رگڑ دیا۔ حقیقت ظاہر کر دی کہ دنیوی حوائج سے تو غناء ظاہر کر دی اور دینی امور میں احتیاج ظاہر کر دی۔

السلام علیکم ایک جامع دعا ہے: ایک جگہ شیخ زادوں کے مجمع میں کسی حجام نے جا کر السلام علیکم کہا، ایک شیخ صاحب نے اٹھ کر پانچ جوتے مارے۔ حجام نے کہا کہ حضور پھر کیا کہا کروں؟ شیخ صاحب بولے کہ حضرت سلامت کہا کرو۔ اس کے بعد نماز جمعہ کا وقت آیا جب امام نے السلام

علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو وہ حجام پکار کر کہتا ہے حضرت سلامت ورحمۃ اللہ، حضرت سلامت ورحمۃ اللہ۔ لوگوں نے اس کو پھر مارنا چاہا تو اس نے کہا کہ پہلے میرا عذر سنو پھر جو چاہے کر لینا۔ بات یہ ہے کہ آج میں نے شیخ صاحبوں کے مجمع میں السلام علیکم کہا تھا تو وہ بڑے خفا ہوئے اور میرے پانچ جوتے مارے اور کہا کہ حضرت سلامت کہا کرو۔ میں ڈرا کہ کہیں فرشتے بھی السلام علیکم سے ناراض ہو گئے تو وہ مجھے جیتے جی بھی نہ چھوڑیں گے کیونکہ ان میں ایک فرشتہ عزرائیل علیہ السلام بھی ہیں اس لیے میں نے نماز میں بھی حضرت سلامت کہا یہ جواب سن کر شیخ زادے شرمندہ ہو کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

فائدہ: سلام بڑا جامع ہے کیونکہ اس میں سلامتی کی دعا ہے جو کہ عام ہے ظاہری و باطنی ہر قسم کی سلامتی کو' اس میں تمام مقاصد داخل ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل لوگوں نے اس جامع دعا کو چھوڑ کر دوسرے الفاظ آداب وغیرہ اختیار کر لیے ہیں۔

مال زندگی کا سہارا ہے: امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ باوجود یہ کہ بہت بڑے تارک الدنیا تھے حتیٰ کہ خلیفہ ہارون رشید جو خلافت سے پہلے ان کا بڑا دوست تھا خلیفہ ہونے کے بعد انہوں نے ہارون رشید سے ملنا چھوڑ دیا کیونکہ وہ بیت المال میں ان کے مذاق کے موافق احتیاط نہ کرتا تھا۔

ایک مرتبہ ہارون رشید کا خط ان کے پاس آیا تو اس کو ہاتھ سے نہیں کھولا بلکہ ایک لکڑی سے کھولا۔ خط میں ہارون رشید نے ان کی شکایت کی تھی۔ آپ نے مجھ سے ملنا چھوڑ دیا۔ امام سفیان ثوری نے خط کا جواب دیا اور لکھا کہ تم بیت المال میں بے جا تصرف کرتے ہو قیامت میں تم سے اس کی باز پرس ہوگی اس لیے میں تم سے نہیں ملنا چاہتا مبادا کہیں میں بھی غضب میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔ وقت کا مال بہت احتیاط کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چراغ جلا کر کچھ کام کر رہے تھے کہ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چراغ فوراً گل کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا۔ فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اب تک تو میں بیت المال کا کام کر رہا تھا اس لیے یہ تیل میرے واسطے مباح تھا اور اب ہم دونوں باتیں کریں گے اس کے لیے بیت المال کا تیل جلانا جائز نہیں۔ اس لیے میں نے چراغ گل کر دیا۔

سبحان اللہ! حضرات صحابہ میں کیسی احتیاط تھی آج کل کوئی شخص ایسی احتیاط کرنے لگے تو

عوام تو کیا خواص بھی اسے وہمی کہنے لگیں۔

میرے ایک دوست کا قصہ ہے (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کہ وہ ایک اسلامی مدرسہ میں مہمان ہوئے۔ مغرب کے بعد مہتمم صاحب نے کسی خادم کو حکم دیا کہ ان کے کمرہ میں لالٹین روشن کردے۔ انہوں نے فوراً ہی کہا کہ اگر مہتمم صاحب کا تیل ہو تو لانا اور اگر مدرسہ کا ہو تو مت لانا۔ وہاں ایک بزرگ خان صاحب تشریف فرما تھے جو ہمارے حضرت کے صحبت یافتہ ہیں وہ کہنے لگے کہ یہ شخص اشرف علی کا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسی احتیاط اسی کے یہاں ہے ان باتوں پر لوگ مجھ کو وہمی کہتے ہیں مگر ایسا وہم بھی مبارک ہے جو حضرات سلف کے مذاق سے مطابق ہو، تو امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے تارک دنیا تھے مگر وہ فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ گذر گیا جب کہ روپیہ رکھنا مضر تھا۔ آج کل روپیہ جمع کرنا مفید ہے کیونکہ آج کل افلاس کا سب سے پہلا اثر دین پر ہوتا ہے کہ مفلسی میں انسان کو حرام وحلال کی کچھ تمیز نہیں رہتی۔ پھر فرمایا کہ اگر ہمارے یہ دنا نیز نہ ہوتے تو یہ امراء ہم کو دست مال بنا لیتے مگر مال کی بدولت یہ ہم کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔

فائدہ: اللہ اکبر یہ وہ زمانہ ہے جو خیر القرون میں داخل ہے جو صحابہ کے زمانہ سے بہت قریب ہے۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ کی بابت فرماتے ہیں کہ اس وقت مال جمع کرنا مفید ہے۔ اس سے قیاس کرلیا جائے کہ آج کل مال جمع کرنا کتنا ضروری ہے۔ پس جس مسلمان کے پاس کچھ ذخیرہ ہوا سے چاہیے کہ احتیاط سے خرچ کرے اسراف نہ کرے۔ لَعَلَّ اللّٰهُ یُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ أَمْرًا۔ شاید کسی وقت ضرورت ہو جائے تو پریشان نہ ہونا پڑے۔

حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پیر ایک مرتبہ ان کے گھر پر تشریف لائے، شاہ صاحب کہیں گئے ہوئے تھے اور اس دن ان کے گھر پر فاقہ تھا۔ ان کی بیوی کو جب معلوم ہوا کہ پیر صاحب تشریف لائے ہیں اگر آج ان کو بھی فاقہ کرایا تو بڑی بے جابات ہے۔ ماما کو محلّہ میں بھیجا کہ کسی سے آٹا دال قرض لے آوے مگر غریبوں کو قرض بھی کوئی نہیں دیا کرتا۔ کہیں سے آٹا دال نہ ملا۔ پھر دوسری مرتبہ بھیجا کہ پیسے ہی قرض مل جاویں تو بازار سے جنس منگا لیں گے مگر کہیں سے دام بھی ادھار نہ ملے۔ پیر صاحب نے جو بار بار ماما کو آتے دیکھا تو کچھ کھٹکے اس سے دریافت کیا کہ تو کس فکر میں بار بار آتی جاتی ہے۔ اس نے کہا حضور بات تو کہنے کی نہیں مگر مرشد سے کیا پردہ بات یہ ہے کہ آج شاہ صاحب کے یہاں فاقہ ہے۔ میں

اس فکر میں ہوں کہ کہیں سے آٹا دال یا پیسے ادھار مل جاویں تو آپ کے لیے کھانا تیار ہو جائے مگر کہیں سے کچھ بھی نہ ملا۔ حضرت شیخ کو یہ حال سن کر رنج ہوا اپنے پاس سے انہوں نے ایک روپیہ نکال کر دیا جاؤ اس کا غلہ منگاؤ اور کھانا تیار کرو اور جب غلہ آ جاوے تو ہمارے پاس لے آنا۔ چنانچہ غلہ لایا گیا آپ نے ایک تعویذ لکھ کر غلہ میں رکھ دیا۔ اس کی ایسی برکت ہوئی کہ کسی طرح ختم ہی نہ ہوا اور عرصہ تک فاقہ کی نوبت نہ آئی۔ حضرت شاہ ابو المعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب سفر سے واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بہت دنوں سے روزانہ بلا تکلف کھانا پک رہا ہے اور فاقہ ہی نہیں ہوتا۔ ان کو تعجب ہوا کہ میرے پیچھے اتنا غلہ کہاں سے آ گیا۔ آخر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پیر صاحب تعویذ دے گئے ہیں۔ وہ بڑے پریشان ہوئے کیونکہ وہ فاقہ کے مشتاق تھے۔ (ان حضرت کا فاقہ اختیاری تھا) اب ایسے وقت میں اگر کوئی غیر عارف ہوتا تو یوں کہتا:

درمیاں قعر دریا تختہ بندم کردہ بازی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

کیونکہ یہاں دو چیزوں میں تعارض ہو رہا ہے۔ اگر پیر کا تعویذ غلے سے نکال کر الگ کرتے ہیں تو اس میں بظاہر پیر سے اپنے بڑے ہونے کا دعویٰ ہے اور اگر الگ نہیں کرتے تو اپنے مذاق توحید کے خلاف ہے مگر شاہ صاحب عارف تھے۔ انہوں نے دونوں کو خوب جمع کیا فرمایا کہ پیر صاحب تعویذ کی برکت کا ہمارا سر زیادہ مستحق ہے غلہ میں رکھنے سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے لاؤ اس تعویذ کو ہم اپنے سر سے باندھیں گے۔ چنانچہ وہ نکال کر لایا گیا اور شاہ صاحب نے اس کو اپنے سر سے باندھ لیا۔ دو تین روز میں غلہ ختم ہو گیا اور پھر وہی حالت ہو گئی جو پہلے تھی کبھی فاقہ تھا اور کبھی کھانے پکتے تھے۔

دعا میں گریہ کی اہمیت: حضرت شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ بہت مقروض تھے۔ مگر ایسے ہی آمدنی بہت تھی لوگ معتقد تھے نذرانے بہت آتے تھے اس لیے کوئی شخص قرض دینے سے انکار نہ کرتا تھا۔ جب وہ مرنے لگے تو سب لوگوں کو اپنے اپنے روپیہ کی فکر ہوئی اور انہوں نے گھر پر آ کر تقاضا شروع کیا کہ آپ تو مر رہے ہیں ہماری رقم کہاں ہے۔ آپ خاموش ہو کر منہ ڈھانک کر لیٹ گئے فرمایا خدا پر نظر رکھو۔ اتنے میں ایک حلوائی کا لڑکا حلوا بیچتا ہوا سامنے سے گزرا' آپ نے اسے بلایا اور سارا حلوا خرید کر لوگوں کو کھلا دیا۔ لڑکے نے دام مانگے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی یہ لوگ بھی اپنے دام ہی مانگ رہے ہیں تو بھی ان کے ساتھ بیٹھ جا۔ یہ سن کر لڑکے نے رونا شروع

کیا کہ ہائے مجھے تو میرا باپ مار ڈالے گا۔ لڑکے کو روتے دیکھ کر سب لوگوں کو شیخ پر غصہ آیا کہ بھلا ان بزرگ کو مرتے مرتے بھی قرض کرنے کی کیا ضرورت تھی مگر ان کو کیا خبر تھی کہ انہوں نے قرض خواہوں کی ضرورت سے یہ کام کیا تھا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ کسی امیر کا ایک خادم ایک سینی میں اشرفیاں لے کر حاضر خدمت ہوا اور حضرت شیخ سے عرض کیا کہ فلاں امیر نے یہ ہدیہ خدمت والا میں ارسال کیا ہے۔ آپ نے اسے قبول فرمایا' دیکھا تو بالکل قرض کے برابر تھا اسی وقت آپ نے سب قرضہ ادا فرمادیا اب تو لوگ بڑے معتقد ہوئے کہ واقعی مقبول بندے ہیں۔ کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے حلوائی کے لڑکے کا حلوا بلا ضرورت کیوں خرید فرمایا تھا اس سے تو بڑی ذلت ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ یہ سارے قرض خواہ جب یہاں آ کر بیٹھے میں نے دعا کی۔ ارشاد ہوا کہ ہمارے یہاں کچھ کمی نہیں مگر اس وقت کوئی رونے والا چاہیے اور ان میں کوئی رونے والا ہی نہیں میں نے یہ رونے کی ترکیب کی تھی۔

ایک بزرگ اور سانپ کی حکایت: ایک بزرگ سے کسی سانپ نے بیعت کر لی تھی انہوں نے اس سے یہ عہد کیا کہ کسی کو ڈسنا نہیں۔ جانوروں نے جو یہ دیکھا کہ یہ کسی کو کچھ کہتا ہی نہیں تو نڈر ہو کر اس کو سب نے مارنا اور تنگ کرنا شروع کیا' چند روز کے بعد وہ بزرگ آ گیا تو دیکھا کہ بہت ہی بری حالت میں ہے' پوچھا کیا حال ہے' کہا حضور نے کاٹنے سے منع کر دیا تھا جانوروں کو جو یہ خبر لگی تو اب سب مجھے تنگ کرنے لگے۔ فرمایا میں نے کاٹنے ہی سے تو منع کیا تھا' پھنکارنے سے تو نہیں منع کیا' بس اب سے جو جانور پاس کو آئے فوراً پھنکار دیا کر وہ بھاگ جائے گا۔ اس روز سے غریب کو چین ملا۔

فائدہ: اسی طرح بزرگوں کو بھی چاہیے کہ کبھی کبھی پھنکار دیا کریں۔

یعنی مریدوں کو کبھی کبھی ڈانٹ دیا کریں' نہ زیادہ سختی کہ یہ بھی ٹھیک نہیں۔ خلاف سنت ہے نہ زیادہ نرمی کہ کسی بات پر بھی تنبیہ نہ کی جائے' نرمی اور گرمی دونوں اعتدال کے ساتھ چاہیے۔

مال برباد گناہ لازم: ایک شخص کی عادت تھی کہ وہ روز بستر پر پیشاب کر لیا کرتا تھا۔ اس کی بیوی نے ملامت کی کہ یہ کیا خرافات ہے کہ تم اتنے بڑے ہو کر بستر پر پیشاب کرتے ہو' میں روز بستر کو دھوتے دھوتے تھک گئی ہوں۔ کہنے لگا کیا بتلاؤں' رات کو ہر روز شیطان خواب میں آتا ہے کہتا ہے

آؤ میں تمہیں سیر کرالاؤں پھر کہیں راستہ میں پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے تو میں خواب کے اندر قدمچہ پر بیٹھ کر پیشاب کرتا ہوں وہ بستر پر نکل جاتا ہے۔ بیوی کہنے لگی کہ جب شیطان تمہارا اتنا بڑا دوست ہے تو آج اس سے یہ کہنا کہ تیری دوستی کس کام آئے گی' ہم غریب آدمی ہیں کہیں سے ہم کو بہت سے روپے دلوادے مرد نے کہا بہت اچھا آج ضرور کہوں گا' چنانچہ رات آئی اور شیطان آیا تو آپ نے بیوی کا پیغام پہنچادیا' شیطان نے کہا تمہارے واسطے روپے بہت' ایک خزانے میں اس کو لے گیا اور اس کی کمر پر اتنے روپے لادے کہ میاں کا پاخانہ نکل گیا صبح کو جو آنکھ کھلی تو بستر پر پاخانہ موجود ہے اور روپے غائب' بیوی نے کہا یہ کیا' آپ نے سارا قصہ سنایا وہ کہنے لگی' بس جی میں ایسے روپیوں سے باز آئی تم روز پیشاب ہی کرلیا کرو۔ پاخانہ مت کرو۔

فائدہ: اس طرح گناہوں کے کاموں میں روپیہ صرف کرنے کا یہ انجام ہوگا کہ روپیہ تو غائب ہو جائے گا اور نامہ اعمال میں اس کے گناہ باقی رہ جائیں گے۔

یہ تھی حکومت: ایک دن گرمی کی سخت دوپہر میں' لو چل رہی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگل کی طرف جا رہے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے دور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ امیر المومنین ہیں' قریب جا کر آواز دی کہ امیر المومنین! اس وقت سخت گرمی اور لو میں کہاں جا رہے ہیں' فرمایا بیت المال کا ایک اونٹ گم ہوگیا ہے اس کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ کسی خادم کو نہ بھیج دیا' فرمایا کہ قیامت میں تو سوال مجھ سے ہوگا' خادم سے نہ ہوگا' عرض کیا پھر تھوڑی دیر توقف کرکے تشریف لے جایئے' ذرا گرمی کم ہو جائے۔ فرمایا جهنم اشد حرا جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ یہ کہہ کر اسی دھوپ اور لو میں جنگل تشریف لے گئے یہ تھی سلطنت! ایک بار منبر پر کھڑے ہوئے خطبہ پڑھ رہے تھے' خطبہ میں فرمایا' اسمعوا واطیعوا ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا لا نسمع ولا نطیع' آپ نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا' آپ نے دو کپڑے پہن رکھے ہیں جو مال غنیمت سے تقسیم ہوئے ہیں مگر سب کے حصے میں تو ایک کپڑا آیا تھا' آپ نے دو کپڑے کیسے لیے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک تم سچ کہتے ہو' اے عبداللہ! تم اس کو جواب دو' اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا امیر المومنین کے پاس آج کوئی کپڑا نہ تھا جسے پہن کر نماز پڑھاتے تو میں نے اپنے حصے کا کپڑا ان کو عاریۃً دے دیا ہے اس طرح ان کے پاس

دو کپڑے ہو گئے ہیں جن میں سے ایک کی لنگی بنالی اور ایک کی چادر۔ یہ جواب سن کر سائل رونے لگا اور کہا جزاک اللہ! اب آپ خطبہ پڑھیں ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

فائدہ: یہ تھی ان حضرات کی حکومت کہ رعایا کا ہر شخص ان پر روک ٹوک کرنے کو موجود تھا' ان کے یہاں خلافت اور حکومت کوئی راحت کی چیز نہ تھی' جس کی تمنا کی جائے' یہ شاہان دنیا کی بادشاہت نہ تھی کہ دن رات عیش و مستیاں کرتے ہیں۔